صحافت وادیِ بولان میں

کمال الدین احمد

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
www.balochiacademy.org
Email: balochiacademy@gmail.com

جملہ حقوق بحق
©بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

(انٹرنیٹ ایڈیشن)

کتاب کا نام	:	صحافت وادیِ بولان میں
مصنف	:	کمال الدین احمد
پرنٹر	:	شوکت برادرز پریس، کراچی
اشاعت اول	:	1978
اشاعت دوم	:	2015

ISBN # 978-969-9768-85-9

نہاد :200 کلدار

صحافت وادیِ بولان میں

’’ صحافت وادیِ بولان میں‘‘ بلوچستان کی صحافت پر لکھی جانے والی پہلی دستاویز ہے کہ جس میں میدان صحافت میں برسر پیکار صحافیوں کی نظریاتی اور علمی پہلوؤں کو منفرد انداز میں جناب کمال الدین احمد نے بیان کیے ہیں۔

یہ نہ صرف ایک تاریخی سند ہے بلکہ نوجوان صحافیوں اور محققوں کے لیے مستند حوالہ جات کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔

اس امید کے ساتھ بلوچی اکیڈمی اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کا بندوبست کر رہی ہے کہ نئی نسل اس دستاویز کے ذریعے بلوچستان کی صحافت پر مزید تحقیق کر کے نئے پہلو سامنے لائے گی تا کہ اپنی اقدار کو محفوظ، مضبوط اور جدید خطوں پر استوار کیا جاسکے۔

ہیبتان عمر

شنگکاری کارگشاد

عرضِ حال

یہ حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ بلوچستان کا سماجی ڈھانچہ صدیوں پہلے سے ملک کے دیگر صوبوں کے مقابلے میں بالکل مختلف رہا ہے۔ اس کے جغرافیائی محلِ وقوع اور قرونِ وسطیٰ کے قبائلی طرزِ حیات نے اس کی انفرادیت کو استوار رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس کی یہی انفرادیت ہی یہاں کی پسماندگی کا موجب بنی رہی ہے جس کے اثرات اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچستان کے بارے میں اگر کسی وقت کسی بھی زاویے سے کچھ کہا یا لکھا جاتا ہے تو ابتدا میں اس کی پسماندگی کا تذکرہ لازمی سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کے لیے آب و گیاہ، صحرا اور بلند بالا پہاڑ معدنیات کی دولت سے مالا مال اور یہاں کے باسیوں کے ذہن و دماغ فکری صلاحیتوں کے اوصاف سے معمور ہیں اس مخصوص استعماری اور طبقاتی مقاصد کے تحت ان کے لیے بے بہا معدنی خزانوں اور ذہنی و فکری صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لایا گیا، تو اس میں نہ تو قدرتی وسائل سے معمور اس سرزمین کا کوئی قصور ہے اور نہ یہاں کے باشندوں کی ذہنی صلاحیتوں پر انگشت نمائی کی جاسکتی ہے جس طرح یہاں کے زیرِ زمین خزینوں کو جان بوجھ کر مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اسی طرح یہاں کے لوگوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو بھی ابھرنے کا کوئی موقع فراہم نہیں کیا گیا۔ اگرچہ خانہ بدوشی کی فرسودہ روایت کی موجودگی میں یہاں درس و تدریس کے کسی نظام کا نفاذ و التزام ناممکن العمل رہا ہے اس کے باوجود انفرادی طور پر جب بھی یہاں کے کسی فرد کو جہالت کی ظلمتوں میں علم کی کوئی کرن میسر آئی ہے، اس نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اپنے اندر چھپی ہوئی ذہنی

صلاحیتوں کے اظہار کا قابلِ قدر مظاہرہ کیا ہے اس کا ایک واضح ثبوت زیرِ نظر تالیف بہم پہنچاتی ہے۔

جیسا کہ کتابِ ہٰذا کے مطالعہ سے ظاہر ہے، بلوچستان متحدہ ہندوستان کا ایک صوبہ ہوتے ہوئے آزادی کے دور تک ان تمام اصلاحات سے محروم رہا، جو برطانوی سامراج نے تمام صوبوں مین بتدریج رائج کیں۔ حتٰی کہ پریس کی آزادی تو درکنار یہاں پر پریس ایکٹ اس وقت تک نافذ ہی نہیں کیا گیا جب تک کے ۱۹۳۸ء میں عوامی دباؤ کے تحت سامراجی حکمرانوں کو مجبور نہ کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی حکومت کے جبر و استبداد کے باوجود جب سامراج دشمنی کی لہریں وادی بولان کے بلند و بالا پہاڑوں کو عبور کر کے حریت پسندانہ جذبات کو گرمانے لگیں تو یہاں کے آزادی پسند نوجوانوں نے اپنے افکار و نظریات کی تبلیغ و توسیع کی خاطر بلوچستان کی سرزمین بے آئین سے دور کراچی میں جا کر صحافت کا آغاز کیا اور رفتہ رفتہ اسے بلوچستان کی سرحد کے قریب جیکب آباد کے مقام تک لے آئے چنانچہ ۱۹۳۸ء میں یہاں پریس ایکٹ کا نفاذ ہوتے ہی بلوچستان کے صوبائی صدر مقام کوئٹہ سے ہفت روزہ اخبارات کا اجرا شروع ہو گیا اور پھر یہ سلسلہ مسلسل بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا جس کا تفصیلی تذکرہ اس تالیف میں موجود ہے۔ اس کے مطالعے سے قارئین کو بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ اس میدان میں نووارد ہونے کے باوجود بلوچستان کے اہل فکر اور صاحب قلم افراد نے نظریاتی اور علمی دونوں پہلوؤں سے اپنی ذہنی و فکری اصلاحیتوں کا کیسا قابل قدر مظاہرہ کیا ہے نہ صرف انھوں نے اخبارات کے صفحات پر قلم کے ذریعے جولانی فکر کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے بلکہ عمل کے میدان میں بھی ان کا کردار لائق ستائش و تحسین رہا ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب میں بڑی حد تک یہاں کی صحافتی تاریخ کے علاوہ شروع سے

۱۹۶۵ء۱۹۶۴ء تک دیگر ذرائع ابلاغ و مراکز کا بھی احاطہ کیا گیا اور اس سلسلہ میں معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ یکجا کر دیا گیا ہے افسوس ہے کہ مولف کی زندگی نے اتنا موقع نہ دیا کہ وہ سال رواں تک کی معلومات اس میں جمع کر دیتے اور اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوتا۔ ۱۹۷۳ء میں مولف مسٹر کمال الدین احمد کا انتقال ہو گیا اور مرتب شدہ مسودہ ان کی زندگی میں اشاعت پزیر نہ ہو سکا۔ بہر حال یہ بات بسا غنیمت ہے کہ ان کے صاحبزادے نے مذکورہ مسودہ بغرض اشاعت بلوچی اکیڈمی کو فراہم کیا جو زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کے مطالعہ کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ مولف کی رائے سے بعض مقامات پر اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن ان کی کاوش اور خلوص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے کسی اخبار یا اخبار نویس کا ذکر معلومات کی عدم دستیابی کے باعث کتاب میں شامل نہ کیا جا سکا ہو تا ہم اسے بلوچستان کی تاریخ پر ایک دستاویز کا درجہ حاصل رہے گا۔ اب اگر کوئی ذوقِ تحقیق کا حامل صاحب قلم ۶۵۔۱۹۶۴ء سے تا حال اس سلسلے میں دوسری جلد مکمل کر ڈالے تو یہ یہاں کی صحافتی تاریخ پر بڑا احسان ہو گا۔ امید ہے قارئین اس تحقیقی کاوش پر حوصلہ افزا ردعمل کا اظہار فرمائیں گے۔

محمد پناہ

وائس چیئر مین۔ بلوچی اکیڈمی

کوئٹہ

۲۰۔۵۔۷۸

فہرست

1۔ پہلا باب	ابتدائیہ	10
2۔ دوسرا باب	پس منظر	12
3۔ تیسرا باب	کوئٹہ مغلیہ دور میں	18
4۔ چوتھا باب	عہدنامہ مستونگ	23
5۔ پانچواں باب	تباہ کن زلزلہ	29
6۔ چھٹا باب	اصل آبادی	34
7۔ ساتواں باب	تفریحی مشاغل	38
8۔ آٹھواں باب	کوئٹہ کی ایک تصویر	43
9۔ نواں باب	مستونگ	49
10۔ دسواں باب	پیداوار	53
11۔ گیارھواں باب	انقلاب	59
12۔ بارھواں باب	پہلا دور، ۱۸۸۸ء سے ۳۱ رمئی ۱۹۳۵ء تک	68
13۔ تیرھواں باب	دوسرا دور، ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک	73
14۔ چودھواں باب	تیسرا دور، اگست ۱۹۴۷ء تا دسمبر ۱۹۶۴ء	81
15۔ پندرھواں باب	باہر کے اخبارات	99
16۔ سولھواں باب	موجودہ اخبارات	105
17۔ سترھواں باب	کچھ اور باتیں	111
18۔ اٹھارواں باب	پلے بیک ایڈیٹر	117
19۔ اُنیسواں باب	بازار میں فروخت	126

20۔	بیسواں باب	مختلف کالم	132
21۔	اِکیسواں باب	اورکارکن	176
22۔	بائیسواں باب	چھاپے خانے	144
23۔	تیئسواں باب	قومی اخبارات	153
24۔	چوبیسواں باب	صحافیوں کی تنظیمیں	159
25۔	پچیسّواں باب	تقریبات اور سرگرمیاں	166
26۔	چھبیسّواں باب	نیوز ایجنٹس	171
27۔	ستائیسواں باب	مدیران جرائد کے مختصر حالات	178
28۔	اٹھائیسواں باب	قومی اخبارات کے نمائندوں کے مختصر حالات	186
29۔	انتیسواں باب	سابق صحافی	193
30۔	تیسواں باب	محکمہ اطلاعات کوئٹہ قلات ریجن	209
31۔	اکتیسّواں باب	دفتر اطلاعات قلات	221
32۔	بتیسّواں باب	محکمہ نشرواشاعت قبائلی	226
33۔	تنتیسواں باب	ریڈیو پاکستان کوئٹہ	238
34۔	چونتیسواں باب	سنڈیمن لائبریری	245
35۔	پینتسواں باب	خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ	250
36۔	چھتیسّواں باب	امریکی مرکز اطلاعات	254
37۔	سینتیسواں باب	گرتو بُرا نہ مانے	261
38۔	اُڑتیسواں باب	کچھ اور مشکلات	277
39۔	انتالیسواں باب	اخبارات کا ضابطہ اخلاق	283
40۔	چالیسواں باب	دلچسپ واقعات	292

مِری انتہائے نِگارش یہی ہے: ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

صحافت وادیِ بولان

پہلا باب

ابتدائیہ

وادیِ بولان میں یہاں کی صحافت نے وہی کردار ادا کیا ہے، جو کسی علاقے یا ملک کی صحافت ادا کرتی آئی ہے۔ وادی بولان میں تو صحافت کو ان گنت مشکلات ہمیشہ درپیش رہیں، لیکن یہاں کی صحافت نے یہاں کی ثقافت کو فروغ دینے میں کوتاہی نہیں برتی۔ یہاں کی صحافت سیاست انگیز رہی۔ یہاں کی صحافت نے تعلیم کی توسیع، زراعت کی ترقی، صنعت و حرفت۔ دستکاری اور گھریلو صنعتوں کو جلا بخشنے، زبان و ادب کے سرمائے میں اضافہ کرنے کی جدوجہد کی۔ عوام کو جھنجھوڑا۔ سیاسی شعور پیدا کیا۔ تعلیم حاصل کرنے کی طرف رغبت دلائی، صحت وصفائی، زراعت، صنعت وحرفت کو ترقی دینے کے گرُ بتائے۔ اور ناانصافیوں۔ ظلم وتشدد اور تحریک کاروں اور معاشرے کی برائیوں کی خلاف علم جہاد بلند کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے فیوض و برکات کو بار بار دہرا کر سلامتی ایمان واسلام کی راہ پر چلنے کی تلقین کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ غرض یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وادی بولان کی صحافت بے روح، بے بس اور بے نتیجہ رہی ہے۔

کیا یہ فخر کی بات نہیں کہ اس وادی کی صحافت کو جو مصائب جھیلنے پڑے اس کے باوجود اس نے اس وادی میں بسنے والے عوام کی ہر جہتی ترقی کے لیے ہمیشہ سعی بلیغ کی۔ وادی بولان کی صحافت نے انگریزی سامراج اور تسلط کے دور میں علی الاعلان نہیں تو دبے الفاظ میں ہی سہی، سامراجیت کی جڑیں ہلانے کی کوشش ضرور کی۔ بے شمار پابندیوں کے باوجود زمانے اور اس وقت ملک کے حالات کے ساتھ یہاں کی صحافت نہیں چل سکی اور بے باکانہ میدان عمل میں نہ کود سکی پھر بھی یہاں کی صحافت نے بہت محتاط طریقے سے اس وادی کے پسماندہ عوام کو زمانے کی رفتار اور تقاضوں سے آگاہ کیا۔ لوگوں کو کامران اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے گر بتائے اور ان میں آزادی کا ولولہ پیدا کرنے کے جتن

کیے۔ اور یہ سب جدوجہد ایسے نامساعد حالات میں وادی بولان کی صحافت نے کی کہ اسے اکثر موردِ عتاب بھی ہونا پڑا۔ مگر تبلیغ یا تہدید، تقلید یا تنقید، تعصید یا تقدیس، تدریس یا تفسیر، تطہیر یا ترغیب، تعمیر یا تخلیق غرض ہر ڈھب سے جس طرح بن پڑا، ہر تخریب کی تحقیر و تذلیل اور ہر بہتری کی توقیر کرنے میں یہاں کی صحافت ہمیشہ ہمیشہ پیش رہی۔

مبارک ہیں یہاں کے صحافی جنھوں نے بے مائگی اور پسماندگی، بے چارگی و درماندگی جیسے ثقیل و سنگین اور پُر آلام روز و شب میں صحافت کا چراغ روشن رکھا۔ یہ تو وہ تھا جسے غلامی کا دور کہتے ہیں۔ لیکن جب آزادی کی جنگ شروع ہوئی تو اس جنگ میں یہاں کی صحافت نے اسی طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس طرح ملک کے دوسرے حصوں کی صحافت لے رہی تھی۔ یہاں کی صحافت نے عوام کو آزادی اور اس کی نعمتوں، آزادی اور اس کی ذمہ داریوں، آزادی اور اس کے فرائض سے آگاہ کرتے ہوئے آزادی کی طلب کے ولولے دیے۔ رائے عامہ کو ہموار اور بیدار کیا اور آزادی کی جدوجہد میں یہاں کی صحافت بھی بالآخر سرخ رو رہی۔ وہ کسی سے پیچھے نہیں رہی۔ اس نے مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس نے ۱۹۳۵ء کے بعد ادبی اور اشتہاری صحافت کا حصار توڑ کر آزادی تحریر کی معمولی سے ملی ہوئی رعایت کو غنیمت سمجھا اور اس رعایت سے بھی بڑھ کر فائدہ حاصل کیا۔

اور جب آزادی مل گئی تو یہاں کی صحافت کے سامنے وہ مرحلہ آیا جو آزاد ملکوں کے سامنے ہمیشہ پیش آتا ہے۔ وہ مرحلہ ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے، ملک کو مستحکم بنانے اور اس کا وقار اقوامِ عالم میں بلند کرنے اور ملک کو ترقی دے کر خود کفیل بناتے ہوئے دائم مائل ترقی رکھنے کے متعلق ہوتا ہے۔ اس نازک موقع پر بھی وادی بولان کی صحافت اور صحافیوں نے اپنے فرض میں کوتاہی نہیں برتی، تغافل نہیں کیا۔ وہ خداداد مملکت پاکستان کو زندہ و پائندہ بنانے میں ہمہ تن مصروف رہے اور اب بھی مصروف ہیں۔

دوسرا باب

پس منظر

وادیِ بولان کو صحافت کی تاریخ بیان کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ اس علاقے کے پس منظر پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔ کیوں کہ پس منظر کے بیان کرنے سے یہ اندازہ صحیح طور پر لگایا جاسکے گا کہ یہاں کی صحافت کو کن کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ کیا کیا سہولتیں مہیا تھیں یا کیا مشکلات پیش آتی رہیں۔ یہاں کے حالات صحافت پر کس طرح اثر انداز ہوتے رہے اور صحافت کس ڈگر یا نہج پر چلتی رہی۔ بے ربطی سے بچنے کے لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وادی بلوچستان میں جو علاقے یا شہر صحافت اور ادب کے بڑے مرکز رہے اس کا مختصر پس منظر بیان کر دیا جائے۔

جہاں تک وادیِ بولان کی صحافت کا تعلق ہے، سب سے اہم اور بڑا شہر کوئٹہ ہے جو وادی بولان کے دوسرے شہروں کی نسبت صحافت کا اہم مرکز اور مرجع رہا ہے۔ دوسرے درجے پر قلات ڈویژن کا سب سے بڑا شہر مستونگ ہے جہاں سے ایک درجن کے قریب اخبارات جاری ہوئے۔ اس لیے کوئٹہ اور مستونگ کی مختصر تاریخ یہاں بیان کرنا دل چسپی سے خالی نہیں۔ اس باب سے کوئٹہ کی مختصر تاریخ شروع کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد مستونگ کی تاریخ بیان کی جائے گی۔

کوئٹہ

پاکستان، ایشیا یا دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھیے ؛اس میں کوئٹہ کا نام آپ کو ضرور درج نظر آئے گا۔لیکن ایک صدی پہلے اگر کوئی شخص کوہ تکتو، چلتن، مردار، زرغون، کوہ سلیمان، کوہ ہندوکش، حتیٰ کہ کوہِ ہمالیہ پر بھی چڑھ کر دیکھتا تو وادی بولان میں کوئٹہ نام کا کوئی شہر اسے اس وادی میں کہیں نظر نہیں آتا۔تاریخوں میں کوئٹہ کے علاقے کا ذکر مغلیہ دور میں ۱۵۳۰ء میں پہلی بار ملتا ہے۔وہ بھی خاص " کوئٹہ " کے نام سے نہیں، بلکہ اس علاقے کا ذکر ہے، جہاں اب کوئٹہ آباد ہے۔

جنوں کا قید خانہ

کوئٹہ کے نزدیک شال مغرب میں میری یا قلعہ کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ ڈھیر کس نے بنایا اور کب بنا۔اس کے متعلق یہاں کے لوگوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اس علاقے سے گذر ہوا تو انھوں نے مٹی کا ایک ڈھیر نشان کے طور پر بنانے کا حکم جنوں کو دیا اور کہا کہ لشکر کا ہر جن ایک ایک مٹی مٹی ڈالتا جائے۔ چنانچہ یہ ڈھیر اسی طرح بنا۔اور بعد ازاں انھوں نے اسے جنوں کا قید خانہ بنا دیا (واللہ اعلم) دوسری روایت یہ بھی ہے کہ اس قلعے کو ملتان کے ایک راجہ رسال راج یا رسال رام نے تعمیر کرایا تھا۔لیکن تاریخ اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاتی۔

میری

جغرافیہ دانوں کا خیال ہے کہ جب زمین کی سطح ٹھنڈی ہو رہی تھی اور اس مقام کی مٹی ارد گرد کی مٹی کی نسبت سخت تھی۔ اس پر برف بارش کے علاوہ دوسرے تبدیلی لانے والے اسباب کا اثر نہیں ہوا۔ اور یہ ڈھیر اس وقت سے اب تک اسی طرح قائم رہا۔ ماضی قریب کے تاریخ دان بتاتے ہیں کہ جب خان قلات کا اس علاقے پر قبضہ ہوا تو اس کا نام میری رکھا گیا (میری کا مطلب ہے قلعہ یا محل، جو چار دیواری کے اندر ہو) چنانچہ اس کے پاس سے گذرنے والی ایک سڑک کا نام اب تک "میری روڈ" ہے۔

سکندر کی گذرگاہ

تاریخ بتاتی ہے کہ جب سکندر اعظم ہندوستان پر حملہ کرنے کے بعد واپس لوٹا تو اس کی فوجوں کا کچھ حصہ وادی بولان میں گذر کر موجودہ کوئٹہ کی سرزمین پر سے گذرا۔ اس لیے اس تاریخی واقعہ کی نسبت سے ٹھنڈی سڑک یا لٹن روڈ کا نام حال ہی میں خیابان سکندر رکھا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ

تاریخ دان کوئٹہ کی وجہ تسمیہ مختلف لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ پہلی تو یہ کہ کوئٹہ فارسی کے لفظ " قلعہ " بگڑ کر کوئٹہ بنا ہے۔ دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سات جنوری ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کے مقام پر جب گھمسان کا رَن پڑا تو

قلات کے میر نصیر خان بھی احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھے۔ میر نصیر خان اور ان کے سپاہیوں نے بڑی دلیری دکھائی تھی اور بہادری کے کارنامے انجام دیے تھے۔ فتح کے بعد جب احمد شاہ ابدالی افغانستان پہنچے تو انھوں نے فتح کی خوشی میں انعام و اکرام تقسیم کیے۔ انھوں نے میر نصیر خان کو اس زمانے کی رسم کے مطابق اعلیٰ خلعت اور کوئٹہ کا علاقہ دیا اور ایک شال دیتے ہوئے کہا کہ یہ میری بہن کے لیے ہے اور کوئٹہ کا علاقہ یا کوئٹہ کا قلعہ تمھارے لیے۔ اس وجہ سے اس علاقے کا نام شال کوٹ مشہور ہوا۔

دراصل کوئٹہ کی وادی چاروں طرف پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے، اور قلعے کو پہلے کوٹ کہا جاتا تھا جس کے چاروں طرف اونچی اونچی فصلیں ہوتی تھیں اور اب بھی بیسیوں ایسے مقامات ہیں جہاں پرانے زمانے میں قلعے تھے اور انھیں ایسے ناموں مثلاً سیالکوٹ، حبیب کوٹ، مٹھن کوٹ، شورکوٹ وغیرہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اور ایسے نام اب تک استعمال ہوتے آ رہے ہیں۔ کوئٹہ کی وادی بھی چونکہ ایک قلعے کی طرح پہاڑوں سے محصور ہے، اس کا نام بھی "کوٹ" یعنی قلعہ رکھا گیا ہوگا جو پشتو کے تلفظ سے کوٹہ اور پھر انگریزوں نے کوئٹہ بنا دیا، اور یہ اس وقت ہوا جب انگریزوں نے میری کے اردگرد سے پرانے آباد لوگوں کو ہٹا کر موجودہ مقام پر آباد کیا۔ اس سارے علاقے کی زمین دس بارہ روپے فی ایکڑ کے حساب سے انگریزوں نے خریدی تھی اور لوگوں کو آباد کرنے کے لیے مفت دی تھی۔

محل وقوع

کوئٹہ کی زرخیز، خوشنما، صحت بخش اور خوشگوار وادی، کوہِ تکتو، کوہِ زرغون، کوہ چلتن کی سر بفلک چوٹیوں کے دامن میں واقع ہے۔ گو یہاں کی آب و ہوا شدید سرد اور انتہائی خشک ہے، لیکن صحت آفریں ہے۔ کوئٹہ سابق برٹش بلوچستان اور موجودہ کوئٹہ ڈویژن اور ضلع کوئٹہ پشین کا صدر مقام ہے اور سطح سمندر سے پانچ ہزار پانچ سو فٹ بلند ہے۔ یہ ۳۰ء۱۰ درجے شمال اور ۶۷ درجے مشرق میں واقع ہے۔ کراچی سے اس فاصلہ پانچ سو پینتیس میل اور لاہور سے چھ سو اٹھانوے میل ہے۔ کوئٹہ، ایران کے سرحدی مقام زاہدان سے چار سو میل لمبی ریلوے لائن کے ذریعہ ملا ہوا ہے، اور افغانستان کے شہر قندھار سے ، جو تقریباً ڈیڑھ سو میل ہے، پختہ سڑک کے ذریعے ملا ہوا ہے۔ کوئٹہ سابق بلوچستان میں، جس کا رقبہ ایک لاکھ پچیس ہزار مربع میل ہے اور سب سے بڑا شہر ہے۔ پاکستان کی دیگر چھاؤنیوں کے برعکس کوئٹہ درہ بولان کے باہر سرے پر واقع ہے۔ ماضی میں کوئٹہ ہندوستان اور قندھار کے مابین ایک بڑے پڑاؤ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد میں اس نے فوجی اور تجارتی اہمیت حاصل کر لی۔ درہ خیبر کی طرح کوئٹہ کا درہ بولان صدیوں ہندوستان اور افغانستان کے درمیان تاجروں اور حملہ آوروں کے لیے شاہراہ کا کام دیتا رہا۔

افغانستان اور ایران کی سرحدوں سے ملا ہونے کی وجہ سے بلوچ اور پٹھان قبائل بڑی تعداد میں یہاں آئے اور ان میں سے اکثر یہاں آباد ہو گئے۔ یہاں کے لوگ

سادہ، مگر جواں ہمت ہیں۔ قیام پاکستان پر یہاں تیس ہزار کے قریب مہاجرین بھی آ کر آباد ہوئے۔ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں ترقی پسند رجحانات موجزن ہیں، اور وہ بھی اپنے علاقے کو پاکستان کے دوسرے علاقے کو پاکستان کے دوسرے علاقوں کی طرح پھلتا پھولتا دیکھنے کے لیے رات دن کوشاں ہیں۔

مارشل لا کے بعد کوئٹہ شہر میں جو تعمیرات ہوئی ہیں، اور ہو رہی ہیں، ان کی وجہ سے یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ کوئٹہ ترقی کر رہا ہے اور سیاحت کے لیے بھی ایک موزوں مقام ہے۔

تیسرا باب

کوئٹہ مغلیہ دور میں

تاریخوں میں ۱۵۳۰ء سے پہلے کوئٹہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اور بعد ازاں بھی کچھ عرصہ تک کہیں کہیں برائے نام ذکر آتا ہے۔ قدیم اور موجودہ تاریخ دان اس کا نام شال کوٹ لکھتے آئے ہیں۔ سب سے پہلے تاریخ میں شال کوٹ کا نام اس واقعہ میں ملتا ہے کہ " کامران مغل " نے قندھار کے زرغون خاندان کو شکست دی۔ شال کوٹ اس کے قبضے میں آیا۔ اور کامران مغل نے اس علاقے میں اپنا گورنر مقرر کیا۔ پھر علاقے پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ مگر بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے یہ علاقہ قندھار کے قبضے میں بھی رہا۔

باروزیئوں کا حملہ

بہت دن بعد جب بلوچستان میں باروزیئوں ۲ کا دور دورہ ہوا تو میر احمد خان نامی ایک سردار نے مستنگ ،(مستونگ) میں اپنے قبائل کو جمع کر کے شال کوٹ پر حملہ کیا اور قندھار کے والی کے گورنر نے قلعہ (میری) میں محصور ہو کر اپنی جان بچائی۔ مگر میر احمد خان شال کوٹ کے مضافات کو لوٹنے کے بعد پشنگ (پشین) کی طرف چلا گیا۔

۱۷۱۶ء میں میر احمد خان دوم قلات کی پرانی میری میں قتل کر کے میر عبداللہ خان قلات کے تخت پر قابض ہوا۔ اس وقت شاہ حسین خلجی حاکم قندھار کا نائب پشنگ (پشین) میں موجود تھا۔ میر عبداللہ نے اپنی سرحدات مضبوط کرنے کے لیے میر فیروز خان رئیسانی کو پشنگ فتح کرنے پر مامور کیا۔ اس نے شال کوٹ سے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

خلجی اور کلہوڑے

کچھ عرصہ بعد قندھار کے خلجی اور سندھ کے کلہوڑے میر عبداللہ کے خلاف اٹھے۔ شاہ حسین خلجی اور نور محمد کلہوڑ لشکر لے کر شالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ میر عبداللہ نے کلہوڑوں کو درہ بولان میں کے لیے میر کاکڑ خان کو بھیجا اور حاکم پشنگ (پشین) کی خلجی سپاہ کو روکنے کے لیے میر فیروز خان کو مقرر کیا۔ میر کاکڑ خان تو مارا گیا، مگر نور محمد کلہوڑہ شال کوٹ کی طرف بڑھا۔ ادھر شاہ حسین خلجی کے ہاتھوں فیروز خان قتل ہوا۔ اور دونوں ان مقتول سرداروں کی سپاہ نے شال کوٹ کے قلعہ (میری) میں پناہ لی اور محصور ہو کر بیٹھ رہیں اور شب خون مار مار کر دشمن کو پریشان کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب سردیاں شروع ہوئیں تو کلہوڑوں کو پریشانی ہوئی اور وہ سندھ واپس چلے گئے اور شاہ حسین خلجی تنہا رہ جانے کی بنا پر واپس لوٹ گیا۔ اس طرح شال کوٹ کا قلعہ میر عبداللہ خان کے پاس ہی رہ گیا۔

مسٹر چارلس میسن ۱

بہت دن تک اس علاقے پر پھر تاریکی چھائی رہی اور کوئٹہ کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اور پھر سب سے پہلے ایک انگریز سیاح مسٹر چارلس میسن نے اس علاقے کے حالات پر پھر روشنی ڈالی۔ وہ یہاں ۱۸۶۸ء میں آیا اور اس نے اس علاقے کے حالات لکھتے ہوئے شال کوٹ کے بارے میں بتایا کہ "شہری آبادی میری یا قلعے کے چاروں طرف آباد ہے۔ اس کے گرد مٹی کی دیوار ہے جو ایک فصیل کی طرح ہے۔ اور گھروں کی تعداد تین سو کے قریب ہے اور ایک مختصر سا بازار بھی ہے"۔

شالکوٹ پرحملہ

۱۸۳۳ء کے بعد سبی کا حاکم رحمدل خان افغان تھا۔اس نے قندھار کے حاکم پردل خان کے حکم پر سبی سے روانہ ہوکر شال کوٹ پر حملہ کیا اوران دنوں شالکوٹ کا حاکم میر محراب خان کی طرف سے ملک دینار مینگل تھا۔اس نے قلعہ رحمدل خان کے حوالے کر دیا۔اس طرح یہ علاقہ قندھار کے خللی گورنر کے قبضے میں آ گیا لیکن کچھ عرصے بعد یہ علاقہ پھر خان قلات کے قبضے میں آ گیا۔

انگریزوں کی آمد

ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط بڑھتا جارہا تھا اوران کی نظریں بلوچستان کے علاوہ اس پار کے علاقے یعنی افغانستان پر بھی پر رہی تھیں۔انھوں نے پہلے شمال مغربی دروں پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کی فکر کی اوراس کے لیے انھیں بہانہ بھی جلد ہی مل گیا۔انگریزوں نے افغانستان پر شاہ شجاع الملک کی حمایت میں فوج کشی کرنا چاہی مگراس کے لیے درہ بولان سے گذرنے کے لیے اس علاقے کے حاکم سے اجازت لینا ضروری تھا چنانچہ ۱۸۳۷ء میں کیپٹن الیگزینڈر برنس نے میر محراب خان کے ولی عہد میر نصیر خان کوایک خط لکھا اور درہ بولان سے گذرنے کی اجازت حاصل کی اورلڑائی کے بعد افغانستان سے ہنری پوٹنگر جو آرمی آف انڈس کا سپہ سالار تھا، کچھ اپنا لشکر لے کر شال کوٹ پہنچا اوراس نے درہ بولان کے تحفظ اور قبضے کے لیے ایک مستقل معاہدہ کرنے کے لیے لیفٹننٹ لیچ کواپنا نمائندہ بنا کر میر محراب خان کے پاس شال کوٹ سے روانہ کیا۔

غداری

انگریزوں کا ستارہ عروج پر تھا۔ قلات کے گھر کے بھیدی لنکا ڈھا رہے تھے۔ چنانچہ سید محمد شریف اور غدار موہن داس کی پرفریب چالوں اور دھوکہ بازیوں سے ذلیل شرائط پر انگریزوں کی خواہش کے مطابق میر محراب خان کو معاہدہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان غداروں کی ریشہ دوانیاں یہیں ختم نہیں ہوئیں، بلکہ انھوں نے انگریزوں کو قلات پر حملہ کے لیے بھی اکسایا[1]، اور جب میجر جنرل سر تھامس ولشائر کا بریگیڈ قندھار سے شال کوٹ پہنچا تو لارڈ آک لینڈ گورنر جنرل ہند نے اسے شال کوٹ میں حکم بھیجا کہ قلات پر حملہ کر کے میر محراب خان کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ ۳ نومبر ۱۸۳۹ء کو ولشائر قلات روانہ ہوئے۔

ہیڈ کوارٹر

اس کے بعد باقی آرمی آف انڈس کے واپس آنے پر شال کوٹ کو انگریز پولیٹکل کا ہیڈ کوارٹر بنانے کی تجویز ہوئی۔ اس سے پہلے ڈیرہ غازی خان نے پولیٹکل ایجنٹ کا ہیڈ کوارٹر تھا جو غالباً ۱۸۴۲ تک رہا بعد ازاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز یہاں سے چلے گئے اور وہ وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ ممکن ہے وجہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو۔

دوسرا انگریز سیاح

۱۸۷۲ء میں یہاں دوسرا انگریز سیاح مسٹر بیلو[2] آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جاسوس یہ انگریز سیاح ہوا کرتے تھے۔ پہلا سیاح ۱۸۲۸ء میں چارلس میسن آیا تو نو سال بعد وادی بولان میں انگریز آئے۔ اس کے بعد ۱۸۷۲ء میں دوسرا سیاح بیلو آیا تو اس کے چار سال بعد ۱۸۷۶ء میں پھر انگریز وادی بولان میں گھس آئے۔[1]

انگریزوں کا قبضہ

انگریز سیاح بیلو کے چار سال بعد یعنی ۱۸۷۶ء میں انگریزوں نے اس علاقے پر پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت قلعہ (میری) میں خان قلات کا مختصر فوجی دستہ مقیم تھا، جس میں کچھ پیادے اور بیس سوار شامل تھے۔ یہ قلعہ (میری) ہی میں متعین تھا۔ اور جب کیپٹن سکاٹ نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو شہر کی آبادی چار ہزار کے قریب تھی جس میں دو سو ہندو تھے۔ اور یہ آبادی قلعہ کے ارد گرد تھی۔

چوتھا باب

عہدنامہ مستونگ

انگریزوں نے اس علاقے پر پوری طرح تسلط جمانے کے لیے ۱۸۷۶ء میں عہدنامہ مستونگ کیا۔اس کی رو سے کوئٹہ (جسے اس وقت شال کوٹ کہتے تھے) پر عملداری حاصل کی اور پچیس ہزار روپے سالانہ (Quit Rent) خان قلات کو دینے لگے اور رابرٹ سنڈیمن جو اس وقت ڈیرہ غازی خان کا اسسٹنٹ کمشنر تھا، یہاں کا ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل اینڈ چیف کمشنر ۱۸۷۶ء میں مقرر ہوا اور سب سے زیادہ عرصہ یعنی سولہ سال ۱۸۹۲ء تک اے جی جی رہا، اور مسٹر بارنس کو پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا گیا۔

آبادی کی منتقلی

جب انگریز نے عہدنامہ مستونگ کے بعد اس علاقے پر پوری طرح تسلط جما لیا تو قلعہ یا میری کی اردگرد کی شہری آبادی کو موجودہ شہر کی جگہ منتقل کرنے کا انتظام کیا، ۱۸۷۷ء میں آر۔آئی۔ ایس بروس نے جو اس وقت اس علاقے کا اسسٹنٹ ٹو دی ایجنٹ گورنر جنرل تھا، نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۳ء کے درمیان زمین خریدی گئی، زمین کی زیادہ سے زیادہ قیمت بارہ روپے فی ایکڑ ادا کی گئی اور قلعہ یا میری کے اردگرد رہنے والوں اور باہر سے لوگوں کو بلا کر یہ زمین قطعات کی صورت میں مفت الاٹ کی گئی اور اس نئی بستی کا نام انگریزوں نے کوئٹہ رکھا اور میری قلعہ یا آرڈیننس ڈپو بنا دیا گیا اور انگریزوں کی باقی فوجیں جب افغانستان سے واپس لوٹیں تو مسٹر بروس کی جگہ مسٹر بارنس کو مقرر کیا گیا۔

چنار کے تاریخی درخت

مسٹر بارنس نے یہاں ایک اہم کام سرانجام دیا۔ اس نے قندھار سے قاضی جلال الدین کے ذریعے دو تین سو کے درمیان اونٹوں پر چنار کے درختوں کے پودے اور قلمیں منگا کراس وقت کی بڑی سڑکوں پر لگوائے۔ لٹن روڈ یا ٹھنڈی سڑک کے چار اسی نے لگوائے تھے۔ اس کام میں اس وقت کے یہاں کے افسر خزانہ مسٹر اے۔ ایںگل اور میجر جی گیسفورڈ نے ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۵ تک اس ضلعے کے حاکم تھے، مسٹر بارنس کی مدد کی۔ کئی سڑکیں اور عمارتیں بنوائیں ان کے ناموں سے بارنس روڈ کوئٹہ، بارنس ہائی سکول سبی اینگل روڈ کوئٹہ، گیسفورڈ روڈ کوئٹہ، گیسفورڈ لائبریری سبی، بروس روڈ کوئٹہ، سبی موسوم ہوئے۔ اب بروس روڈ کوئٹہ کا نام جناح روڈ اور سنڈیمن روڈ کا نام شارعِ اقبال رکھا گیا ہے۔

بازار فنڈ

شہر کے انتظام کے لیے ایک معمولی سی مشاورتی پنچایت بنائی گئی جسے بازار فنڈ بھی کہتے تھے۔ اس کے ایک ممبر حافظ غلام محمد سعید تھے جو کوئٹہ کی جامع مسجد کے امام اور متولی تھے اور نئی بستی میں پہلے حافظ قرآن تھے۔ ۱۴ ستمبر ۱۸۹۶ء میں کوئٹہ میونسپل لا کا مسودہ منظور کیا گیا اور ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۶ء میں پہلی میونسپل کمیٹی مقرر کی گئی جس کا دفتر جنگ عظیم کے بعد موجودہ گورنمنٹ کالج کے سامنے اس مقام پر تھا یہاں اب سنڈیمن سول ہسپتال کے ملازمین کے کوارٹر ہیں۔

عمارات

انھی دنوں کوئٹہ ریزیڈینسی ، ریلوے اسٹیشن ، ٹاؤن ہال، سنڈیمن جرگہ ہال، عجائب گھر، پوسٹ آفس ،سنڈیمن لائبریری ، لیڈی ڈیو سرائے، بارنس سرائے کچھری ، سنڈیمن ہائی سکول، کوئٹہ کلب ، جامع مسجد اور کئی خوبصورت عمارتیں تعمیر کی گئیں ۔شہریوں کے پینے کے پانی کے نئے دو تالاب گیسفورڈ روڈ پر بنائے گئے ۔ان میں سے ایک ہندوؤں کے لیے اور ایک مسلمانوں کے لیے تھا۔اور جب پانی کا انتظام برموں کے ذریعے ہنہ اوراوڑک میں کیا گیا تو عرصہ تک یہ تالاب خشک پڑے رہے اور ان کا نام سوکھے تالاب مشہور تھا۔پہلے ان تالابوں میں تاریخ کاریز سے بھرا جاتا تھا۔زلزلے کے بعد کچھ عرصہ پہلے ان ان تالابوں کو بھر کر مکانات بنا دیے گئے ۔عالمی شہرت کا حامل سٹاف کالج چھاؤنی کوئٹہ کی عمارت کے ساتھ شہر کی تمام عمارتیں ۱۹۳۵ء کے زلزلے میں تباہ ہوگئی تھیں۔

اہم بازار

پہلی جنگ عظیم کے وقت کوئٹہ فوجی نقل وحرکت اور تجارت کا ایک اہم مرکز بن گیا تھا۔اس وقت بڑے بڑے بازار یہ تھے۔ بروس روڈ (موجودہ جناح روڈ)،سورج گنج بازار، قندھاری بازار، سنڈیمن روڈ (موجودہ شارع اقبال) سوجی بازار، صرافہ بازار، درزی بازار،موچی بازار، مچھلی بازار، پیر بخاری مسجد بازار،توغی روڈ منصفی بازار، حبیب نالہ بازاران کے علاوہ فروٹ مارکیٹ ،سبزی، گوشت اور کپڑے کی منڈیاں الگ تھیں، کباڑی بازار میں موجودہ جناح روڈ کے مشرق میں تھا۔زلزلے کے بعد شہر میں کئی سڑکوں اور بازاروں کا اضافہ ہوا ہے۔

کوئٹہ کے محلے

کوئٹہ شہر کے مشہور محلے یہ تھے۔اسلام آباد، غریب آباد، تیل گودام، بابو محلّہ، گوالمنڈی، ہدہ، کانسی، نچاری، رام گڑھ، بعد آباد ہوئے۔ ہدہ اور کانسی دراصل شہر کے ملحقہ گاؤں تھے۔زلزلے کے بعد کئی اور محلے آباد ہوگئے اور وہ لمبی لمبی سڑکیں جو پہلے غیر آباد تھیں اور بڑے بازار ہیں۔ان کے دونوں طرف دکانیں ہیں،اور خالی پلاٹوں پر مکان بن گئے ہیں۔

منڈوا اور سینما

موجودہ مسلم آباد محلے میں سینما کی جگہ گوکل چند کا منڈوا تھا جہاں موسم گرما میں صرف تین چار ماہ کے لیے باہر سے آکر تھیٹر کمپنیاں ڈرامے دکھاتی تھیں۔سرکلر روڈ پر گائے کے گوشت کی مارکیٹ کے پاس سیٹھ عبدالستار کا سینما تھا۔اس سینما کا نام بعد میں پلیئر سینما ہوا۔ یہ منڈوا اور سینما شہر اور چھاؤنی کے لوگوں کی تفریحی ضرورت کو پوری کرتے تھے اور ہر سال موسم گرما میں ایک آدھ سرکس بھی آجایا کرتی تھی۔

شاہ امان اللہ کی آمد

۱۹۲۷ء میں افغانستان کے حکمران غازی امان اللہ خان یورپ کی سیاحت کے لیے معہ اپنے خاندان چمن کے راستے کوئٹہ آئے اور بمبئی گئے۔ وہ واپس آئے تو بچہ سقہ ا نے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ شاہ امان اللہ پھر اسی راستے سے بمبئی چلے گئے۔ بمبئی سے اٹلی جہاں وہ فوت ہونے تک رہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئٹہ میں کسی دوسرے ملک کا بادشاہ آیا۔ کوئٹہ میں ان کے دونوں مرتبہ آنے پر ہزاروں آدمی انھیں دیکھنے اسٹیشن پر گئے اور معززین شہر نے ان سے ملاقات کی۔

پہلی بار بجلی

پورے مغربی پاکستان میں سب سے پہلے ۱۸۹۱ء میں ڈی سی کے دو برقی پیدا کارے (جنریٹر) کوئٹہ سٹاف کالج میں لگائے گئے تھے جو سٹاف کالج کو بجلی فراہم کیا کرتے تھے۔ (یاد رہے کے سٹاف کالج یہاں موجود تھا لیکن اس کی عمارت ۱۹۰۵ء سے شروع ہو کر ۱۹۰۷ء میں تعمیر ہوئی تھی) اس کے تقریباً بیس سال بعد سیٹھ عبدالستار کے سینما میں جنریٹر لگا تھا۔ کوئٹہ شہر اور چھاؤنی کو پہلی بار ۱۹۲۹ء میں بجلی مہیا کی گئی اور ایک لمیٹڈ کمپنی قائم کی گئی جو ستمبر ۱۹۶۴ء تک اہل شہر اور چھاؤنی کو بجلی فراہم کرتی رہی اور اب واپڈا کا تھرمل پاور اسٹیشن جو شیخ ماندہ میں ہے، بجلی فراہم کر رہا ہے۔ اس کا افتتاح صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ۱۳ ستمبر ۱۹۶۴ء کو کیا تھا ۱۹۷۱ء میں مئی کے مہینے میں کوئٹہ الیکٹرک سپلائی کمپنی کو واپڈا کی تحویل میں حکومت نے دلا دیا کیونکہ کمپنی سے اہل شہر کو ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنی پڑتی تھیں۔

کوئٹہ میں زلزلے

کوئٹہ میں شدید نوعیت کے زلزلے ۱۸۸۵ء میں بھی آتے رہے تھے مگر اس وقت یہاں کٹر دیاں (جھگیاں) تھیں اس لیے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں جب کانگڑہ زلزلے سے غرق ہوا تو اس کے جھٹکے کوئٹہ میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔ جولائی اور اگست ۱۹۳۱ء میں وادی بولان متواتر زلزلوں کا مرکز بنی رہی۔ ان دنوں زلزلے کے ہلکے، درمیانے اور شدید نوعیت کے جھٹکے ڈیڑھ دو ماہ تک آتے رہے مگر ان زلزلوں میں ایک بھی جان کا نقصان نہیں ہوا تھا البتہ عمارتوں کی اکثر دیواروں میں شگاف پڑ گئے تھے، مکانوں کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ ان دنوں اکثر مکان کچی اینٹوں یا مٹی کے ہوا کرتے تھے۔ وہ زلزلے بند ہو گئے اور لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہو کر انھیں بھول گئے۔ ان زلزلوں سے دراصل عمارتیں بے کار ہو گئی تھیں اور ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ تباہ ہونے کا سبب یہی تھا۔

۱۹۳۲ء میں فروری کے مہینے میں روزنامہ زمیندار میں ایک دو کالمی سرخی کے تحت محمد صادق باغبانپوری منجم و جفار کی ایک پیش گوئی شائع ہوئی تھی کہ کوئٹہ مئی ۱۹۳۵ء میں زلزلوں سے تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ پیشن گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

پانچواں باب

تباہ کن زلزلہ

۱۹۳۵ء میں ۳۰، ۳۱مئی کی درمیانی رات کو تین بجکر تین سیکنڈ پر وہ خوفناک زلزلہ آیا۔ جس سے کوئٹہ شہر، اردگرد کے دیہات اور مستونگ شہر صرف ۴۵ سیکنڈ میں مٹی کے ملبے کے ڈھیر بن گئے۔ اس سرکاری رپورٹ کے مطابق جو زلزلہ کے بارے میں زلزلے سے اٹھارہ ماہ بعد مرتب کی گئی۔ اس زلزلے کا مرکز سولہ میل چوڑا اور اڑسٹھ میل لمبا تھا۔ جو بلیلی سے کوئٹہ سریاب کی وادی اور درینگڑھ سے مستونگ اور اوپر سند حاجی تک، مستونگ روڈ، قلات روڈ کے مغرب میں اس کا اثر ہوا۔ یہ جھٹکا ایک بڑے علاقے میں جس میں قلات، پشین سب ڈویژن، نوشکی، درہ بولان شامل ہیں؛ شدید نوعیت کا محسوس ہوا۔ مگر ان علاقوں میں نقصان نہیں ہوا۔ اس رپورٹ کے مطابق کوئٹہ کی آبادی اس وقت پچاس ہزار سے کچھ زیادہ تھی اور مرنے والوں کی تعداد پینتیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ خوش قسمتی سے چھاؤنی میں بہت کم نقصان ہوا، اور فوج نے صرف تین گھنٹے بعد صبح چھ بجے شہر کا انتظام سنبھال کر کام شروع کر دیا اور یہ فوج کے بس کا ہی کام تھا۔ فوج نے بچے کھچے لوگوں کو نکالا۔ زخمیوں کی امداد اور خورد و نوش کا انتظام کیا اور شہر کے گرد خاردار تار لگا کر شہر کو محفوظ رکھا اور تھوڑے دن شہر کی کھدائی اور صفائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ جوں جوں شہر صاف ہوتا جاتا تھا، آبادی کا کام شروع کر دیا جاتا تھا۔ اس مرتبہ تنگ تاریک گلیوں اور کم چوڑی سڑکوں کو وسیع کیا گیا۔ عمارتیں عارضی، ہلکی پھلکی اور زلزلہ پروف بنائی گئیں اور پھر باقاعدہ مکانوں کی تعمیر کے کوڈ مرتب کیے گئے جس کے تحت سات قسم کے مکانات بنائے جاسکتے تھے اور اب عارضی اور کچی عمارتوں کی جگہ پکی عمارتیں بنائی جا رہی ہیں۔

زلزلے سے پہلے عمارات

قارئین کی دلچسپی کے لیے یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ۱۹۳۵ء کے تباہ کن زلزلے سے پیشتر اہم اور مشہور عمارتیں کہاں واقع تھیں اور زلزلہ کے بعد تعمیر جدید میں انھیں کہاں بنایا گیا ہے۔کوئٹہ ریزیڈنسی ، جنرل پوسٹ آفس ، ریلوے اسٹیشن ، سبزی اور گوشت کی مارکیٹیں اسی جگہ تعمیر ہوئیں جہاں پہلے تھیں کوئٹہ ریلوے اسٹیشن کا نمونہ سبی ریلوے سبی اسٹیشن جیسا تھا، ٹاؤن ہال اب اس جگہ ہے جہاں پہلے کوئٹہ کلب تھی اور کوئٹہ کلب اب چھاؤنی میں ہے۔زلزلے سے پیشتر ٹاؤن ہال کی وسیع عمارت موجودہ گورنمنٹ کالج کے بالمقابل مغرب کی طرف تھی۔کالج کی جگہ صوبے کا واحد سرکاری اسکول تھا جس کا نام سنڈیمن ہائی سکول تھا۔سنڈیمن جرگہ ہال کی خوبصورت عمارت موجودہ نرسنگ ہوم کی جگہ تھی۔لیڈی ڈیوسرائے ٹاؤن ہال کے جنوب میں تھی سبزی ،فروٹ ،گوشت اور کپڑے کی مارکیٹیں جنگ عظیم اول سے پہلے جناح روڈ کے مشرق تھیں اور جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۲ء میں موجودہ مقام پر بنائی گئی تھیں۔سبزی اور گوشت کی مارکیٹ کے چھ چھ بڑے دروازے تھے ان پر سرخ رنگ کے خوبصورت گنبد تھے جو زلزلے میں تباہ ہوئے۔کباڑی بازار مشن روڈ پر بنایا گیا۔کوتوال پہلے شہر کے وسط میں تھانہ روڈ پر تھا۔اب شارع لیاقت پر اس جگہ ہے جہاں زلزلے سے پیشتر لڑکیوں کا اسکول تھا۔لڑکیوں کا ہائی سکول اب مشن ہسپتال سے آگے ہے۔تحصیل کا دفتر بارنس روڈ پر موجود بس سٹینڈ کی جگہ تھا۔موجودہ سرکٹ ہاؤس کی جگہ محکمہ تعلیم کا دفتر تھا۔تمام دفاتر اب موجودہ سیکرٹریٹ اور سیکرٹریٹ ون یونٹ میں ہیں۔ڈاک بنگلہ ریلوے اکیڈمی کے سامنے تھا۔سول ہسپتال، جی پی او کے جنوب مغرب میں تھا۔موجودہ سنڈیمن لائبریری کی جگہ عجائب گھر اور لائبریری اس کے مغرب میں تھی۔ موجودہ ڈفرن ہسپتال شارع لیاقت پر تھا اور ڈفرن ہسپتال کی جگہ ایک سرائے تھی۔

ریلوے لائن

وادی بولان کی ریلوے لائن کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کوئٹہ بذریعہ ریل کراچی، لاہور، زاہدان، مستونگ اور چمن سے ملا ہوا ہے۔ سبی سے ریلوے لائن مشکاف پہنچ کر درہ بولان کی وادی میں داخل ہوتی ہے۔ سنگلاخ مہیب اونچی چٹانوں کے دامن، پتھریلے دریاؤں، ندی نالوں اور بے آب وگیاہ نشیب وفراز میں معمولی رفتار سے چلتی ہے۔ ہانپتی، کانپتی، پیچ وتاب کھاتی، گہرے نالوں کو پلوں کے ذریعے عبور کرتی کوئٹہ پہنچتی ہے۔ تقریباً ساٹھ میل تک چڑھائی ہے اور اوسطاً ایک میل میں نوے فٹ بلندی ہے۔

ریلوے لائن کی پٹڑی چوڑی ہے اور چڑھائی کے ساتھ ساتھ اس میں اس قدر پیچ وخم اور نشیب وفراز ہیں کہ اس پر لمبے اور بھاری انجن نہیں چلے سکتے۔ چھوٹے انجن جن میں کھینچنے اور دھکیلنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے وہ گاڑیوں کو کھینچتے ہیں۔ ان چھوٹے انجنوں کے نام گیلٹ سلٹ ہوا کرتے تھے۔ مگر کچھ سالوں ڈیزل انجن کام کررہے ہیں۔

سبی سے کوئٹہ آتے ہوئے آب گم اسٹیشن سے دوسرا انجن ٹرین کے پیچھے جوڑا جاتا ہے۔ مچھ اسٹیشن پر اس کے پیچھے تیسرا انجن لگا دیا جاتا ہے۔ یعنی گاڑی کے آگے ایک انجن اور پیچھے دو انجن ہوتے ہیں۔ راستے میں بیس پچیس جگہ پہاڑ کاٹ کر ٹنل (سرنگ) بنائے گئے ہیں اور ریلوے لائن سیکڑوں چھوٹے اور بڑے پلوں سے گذرتی ہے۔

پاکستان ویسٹرن ریلوے (جو پہلے نارتھ ویسٹرن ریلوے کہلاتی تھی) کا سندھ پشین سیکشن، ابتدا میں سندھ پشین اور قندھار سٹیٹ کے ریلوے نام سے مشہور تھا؛ وہ ۱۸۸۸ء میں مکمل ہوا، اور کوئٹہ سے براستہ ہرنائی، بوستان لائن ملائی گئی جو ایک سال پہلے ۱۹۸۷ء میں مکمل ہوئی تھی۔ بوستان سے چمن تک لائن ۱۸۹۱ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں

چمن کے قریب پاک و ہند کا سب سے بڑا ٹنل ہے، تین میل لمبا ہے اس پر اس زمانے میں ۱۸ لاکھ چوبیس ہزار روپے لاگت آئی تھی۔ دوسری ریلوے لائن بولان ریلوے ۱۸۸۷ء میں شروع ہوئی اور ۱۸۹۶ء میں مکمل ہوئی۔

سڑکیں

کوئٹہ پکی سڑکوں کے ذریعے فورٹ سنڈیمن، لورالائی، زیارت، چمن، نوشکی، سبی اور مستونگ سے ملا ہوا ہے اور تعمیر جدید میں کوئٹہ ڈویژن کے دیہات صاف موسم کی سڑکوں کے ذریعے ملتے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے اپنی مدد آپ کے اصول پر بے شمار سڑکیں بنائی ہیں۔

آبادی

اس علاقے کی فوجی اور اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزوں نے یہاں چھاؤنی ڈالی تھی۔ خوشگوار آب و ہوا اور کشش روزگار معاش نے لوگوں کو اس طرف کھینچا مگر آبادی تیزی سے نہیں بڑھی جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔
۱۸۷۷ء کوئٹہ کی آبادی قلعہ (میری) کے اردگرد چار ہزار تھی۔ ۱۸۹۱ء میں آبادی گیارہ ہزار دوسو، ۱۹۰۱ میں تیرہ ہزار پانچ سوسات، ۱۹۰۸ء میں چوبیس ہزار ایک سو انتیس، ۱۹۲۱ء میں ستائیس ہزار دوسوبیس، ۱۹۳۵ء میں زلزلہ سے پہلے آبادی پچاس ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔

نظامِ حکومت

ون یونٹ سے پہلے کوئٹہ ڈویژن صوبہ بلوچستان کہلاتا تھا اور یہاں کا حاکم اعلیٰ ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل اینڈ چیف کمشنر (اے جی جی) ہوا کرتا تھا۔ ہر ضلع میں ایک پولیٹیکل ایجنٹ (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) ایک اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اور ایک تحصیل میں ایک ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوا کرتا تھا اور اس کے ماتحت نائب تحصیلدار، قانون گو، پٹواری ہوا کرتے تھے۔ اے جی جی کے ماتحت کمشنر اور ایک اسسٹنٹ ریونیو کمشنر ہوا کرتے تھے۔

قبائلی جھگڑوں کو نمٹانے کے لیے تحصیل، ڈسٹرکٹ، شاہی جرگے ہوا کرتے تھے۔ شہری جھگڑوں کے لیے سول کورٹس تھیں لا اینڈ آرڈر کے لیے شہروں میں پولیس اور دیہات میں لیویز ہوتی تھیں۔

قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلے مسلمان اے جی جی ۱۹۴۹ء میں اور ون یونٹ کے بعد سب سے پہلے کمشنر مسٹر معزالدین احمد مقرر ہوئے۔

چھٹا باب

اصل آبادی

کوئٹہ کی اصل آبادی پٹھان بلوچ لوگوں پر مشتمل ہے۔ان کے قبائل افغانستان اور ایران سے زمانہ قدیم میں یہاں آ کر چھوٹے چھوٹے دیہات میں آباد ہوئے تھے، جو تقسیم کے بعد یہاں سے چلے گئے اور تیس ہزار کے قریب یہاں مہاجرین آ کر آباد ہوئے، جو اب یہاں کے مستقل باشندے ہیں، ہزاروں کے علاوہ کچھ پارسی وعیسائی یہاں آباد ہیں ۔ ہندو تو چند ہی ہیں۔قیام پاکستان سے پہلے ہندو اور سکھ یہاں ہر شعبہ حیات پر چھائے ہوئے تھے اور ان کی یہی کوشش ہوا کرتی تھی کہ مقامی مسلمانوں کو کسی ادارے میں داخل نہ ہونے دیں مگر ہندوستان کے دوسرے حصوں میں آئے مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے اس فریب سے مقامی لوگوں کا آگاہ کیا اور انھیں ان کے تناسب کے لحاظ سے ہر محکمے اور ادارے میں نمائندگی دلانے کی جدوجہد کی۔لیکن ہندو اور سکھ قیام پاکستان تک اپنی اسی پالیسی پر چلتے رہے۔لیکن قیام پاکستان پر ان کی بالادستی سے یہاں کے مسلمانوں کو چھٹکارا ملا۔اور لوکل اور نان لوکل کا مسئلہ بھی ہر محکمہ پر چھائے ہوئے غیر مسلموں نے اس لیے کھڑا کیا تھا کہ مقامی اور باہر سے آئے ہوئے مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اور ہندو اور سکھ بدستور ہر محکمے اور ادارے پر چھائے رہیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ مسئلہ پیدا نہیں کرتے تو مسلم اور غیر مسلم کا سوال اٹھتا، جو ان کے لیے نقصان دہ تھا۔انھیں تو مسلمانوں کو لڑاتے رہنا اور اپنا الو سیدھا رکھنا مدنظر تھا۔

پیشے

یہاں کے لوگوں کے بڑے پیشے زراعت، باغبانی، مویشی بانی ہیں اور قیام پاکستان کے بعد تجارت کو یہاں کے لوگوں نے بڑی عمدگی سے سنبھالا، ٹھیکیداری، ملازمت بھی پیشے ہیں۔اوراب صنعت وحرفت اور دستکاری کی طرف بھی خاص توجہ دے رہے ہیں۔

اخلاق

یہاں کے لوگ خدا ترس، خدا پرست، ہمدرد اور بلند اخلاق ہوتے ہیں۔نماز روزے کے سختی سے پابند، غیور، محنت کش، بلند ہمت، جفاکش اور مخلص ہوتے ہیں۔اپنے قول کے پکے اور راست رو ہیں، آب و ہوا، سادہ خوراک اور محنت کی وجہ سے تنومند جسم اور قد آور ہوتے ہیں۔ایک خاص خوبی یہاں بیان نہ کرنا بخل کے مترادف ہوگا وہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کی مہمان نوازی بہت مشہور ہے۔چاہے کوئی کتنا ہی اجنبی اور غیر ہو۔مہمان کی حیثیت سے ان کے گھر چلا جائے تو کیا مجال کہ ماتھے پر شکن تک آئے، بلکہ مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے مہمان کا استقبال کرتے ہوئے اس کی آسائش کا حتی المقدور خیال رکھا جاتا ہے۔شہر میں تو کم مگر دیہات میں اسی مقصد کے لیے غریب سے غریب آدمی کے گھر کے ساتھ مہمان خانہ ہوتا ہے۔آپس کے جھگڑوں اور تنازعوں کو جرگہ میں رسم ورواج اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرانا پسند کرتے ہیں۔

بیاہ شادی

یہاں کے لوگوں کے رسم ورواج یہ زیادہ ہیں اور نہ ہی پیچیدہ ہیں۔ باقاعدہ شادی سے پہلے منگنی کی رسم ادا کی جاتی ہے جسے پشتو میں " کوژدہ" کہتے ہیں اور بلوچی میں "سانگ" کہتے ہیں۔ شادی سے پہلے لڑکی والے لڑکے والوں سے کپڑا، زیور اور دنبوں کی صورت میں اور نقد روپیہ لیتے ہیں، اسے "ولور" کہتے ہیں۔ مگر اب یہ رسم ترک کی جارہی ہے۔ یہاں ایک سے چار تک شادیاں کرنے کا رواج شریعت کے مطابق ہے۔ بیاہ شادی کے موقع پر خوشی منائی جاتی ہے۔ عورتوں میں عورتیں دائرہ، ڈف یا ڈھول کے ساتھ لوک گیت گاتی ہیں۔ یہ بات مدنظر رہے کہ عورتیں سختی سے پردے کی پابند ہیں۔ مرد اتن یا چاپ نامی لوک رقص میں حصہ لیتے ہیں۔ اس طرح کہ ایک شخص ڈھول بجاتا ہے اور جوان، بوڑھے اور لڑکے ڈھول بجانے والے کے گرد دائرہ بنا کر تال پر قدم آگے پیچھے ہٹتے، گھومتے، سر کو جنبش دیتے ہیں۔ اور خالی ہاتھ یا رومال ہاتھ میں لے کر تال کے ساتھ ہاتھ ہلاتے جاتے ہیں۔ یہ رقص بہت دیر تک جاری رہتا ہے۔ اور آخر میں ڈھول کی تال اور رقص کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے۔

شادی بیاہ اور لڑکے کی پیدائش اور دوسری خوشیوں کے موقع پر بندوق یا پستول کے ہوائی فائر کر کے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

سیاہ کاری

سب بڑی معاشرتی برائی جنسی بے راہ روی ہوتی ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے یہاں ایک رواج ہے۔ یعنی سیاہ کاری میں ملوث عورت اور مرد دونوں کا قتل۔ اگر کسی

مرد اور عورت کے ناجائز تعلق کا شبہ ہو یا یقین ہو جائے ، یا دونوں کا ایک جگہ قابل اعتراض حالت میں ہوں تو دونوں کو قتل کر دیا جاتا ہے ۔ گناہ کی روک تھام اور معاشرے میں پاکیزگی کے لیے اسے اہم رواج سمجھا جاتا ہے، مگر بعض دفعہ اس رواج کا انتقاماً استعمال کیا جاتا ہے اور کسی دشمنی کی بنا پر خواہ مخواہ ایسا جھوٹا الزام لگا کر مرد یا عورت کو، یا دونوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ یہ اس رواج کا برا پہلو ہے۔

قتل کا بدلہ قتل

بعض اوقات کسی تنازعے یا جھگڑے میں اگر کہیں کوئی قتل ہو جائے تو اس کا قصاص پشت در پشت تک لیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو یہ انتقام ڈیڑھ سو سال تک لیا جاتا رہا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ فریقین مقتول کا خون بہا لے کر یہ سلسلہ ختم کر دیتے ہیں ورنہ دونوں فریق تاک میں رہتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے اپنے مخالف کو قتل کر دیتے ہیں اور بدلے کا یہ سلسلہ پوتوں اور پڑپوتوں تک جار رہتا ہے۔

میڑھ لے جانا

بعض اوقات قتل یا اس سے کم اہمیت کے تنازعوں اور جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے ایک فریق کے آدمی دوسرے فریق کے پاس اپنے کسی بزرگ یا ملک ارباب، سردار معتبر کے ہمراہ چلے جاتے ہیں۔ اسے میڑھ کہتے ہیں۔ اس طرح قصوروار کو معاف کر دیا جاتا ہے اور صلح ہو جاتی ہے اسے "مرکہ" یا "ننوات" بھی کہتے ہیں۔

ساتواں باب

تفریحی مشاغل

چونکہ زراعت، باغبانی جیسے سخت اور مشقت طلب کاموں کی وجہ سے لوگوں کو ورزش کی ضرورت نہیں رہتی پھر بھی نوجوان کبھی کبھی زور آزمائی میں دلچسپی لیتے ہیں۔ سابق سندھ اور پنجاب کی کشتی سے یہاں کی کشتی مختلف ہوتی ہے۔اس میں حصہ لینے والے ایک دوسرے کے کمر بند پکڑ کر زمین سے اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور داؤ لگا کر جو اپنے مدمقابل کو زمین سے اٹھا لتا ہے، وہ جیت جاتا ہے۔اس میں اکھاڑے کی ضرورت نہیں ہوتی۔اسے "غیشر" کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ بعض اوقات بڑا سا پتھر لے کا را سے پھینکتے ہیں، بالکل گولہ پھینکنے کی طرح جس کا پتھر آگے گرتا ہے، وہ جیت جاتا ہے۔بعض جگہ گھوڑے کی سواری اور دوڑ کا مقابلہ ہوتا ہے۔ نیزہ بازی میں سبقت لے جانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دوڑ اور سائیکل دوڑ کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ بندوق اور پستول سے نشانہ بازی کا مقابلہ ہوتا ہے۔شکار تو ایک عام مشغلہ ہے۔اس کے علاوہ مرغ، بٹیر، تیتر، چکور اور کتے لڑانا بے کار لوگوں کے شغل ہیں۔

آلاتِ موسیقی ولوگ گیت

الغوزہ، نڑ وبنسری، سارنگی، اکتارہ، دائرہ، دف، رباب، وغیرہ یہاں کے مشہور آلات موسیقی ہیں۔نوجوان مرد اور بڑے لڑکے فرصت کے اوقات میں لوک گیت اکیلے یا کورس میں گا کر دل بہلاتے ہیں۔

لباس

لباس یہاں کے لوگوں کا ڈھیلا اور زیادہ گھیر والی شلوار اور ڈھیلے ڈھالے کرتے سفید پگڑی یا لنگی پر مشتمل ہوتا ہے۔قمیض پر صدری بھی پہنی جاتی ہے۔سردی کے موسم میں پوستین اور خوسیے پہلے عام ہوتے تھے۔مگر اب کرٹ، اوورکوٹ پہنے جاتے ہیں۔ سرکاری اور قومی تقریبات میں شامل ہونے والے قبائلی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔

زبان

کوئٹہ ڈویژن میں پشتو، بروہی، بلوچی، اردو، پنجابی، سرائیکی، فارسی، سندھی، کشمیری، انگریزی زبانیں بولی جاتی ہیں، زیادہ استعمال ہونے والی زبانیں، پشتو، بروہی، بلوچی ہیں۔اردو قومی زبانی ہر جگہ سمجھی اور بولی جاتی ہے۔اور مختلف زبانوں کے لوگوں کے آپس میں اظہار خیال کا ذریعہ "اردو" ہی ہے۔

خوراک

یہاں لوگ عام طور پر گوشت اور گندم کی خمیری اور فطیری روٹی استعمال کرتے ہیں۔ دنبے، بکرے کا گوشت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ سردیوں میں سوکھا ہوا گوشت جسے "لاندھی" کہتے ہیں اور سوکھا ہوا دہی جسے " کرت " کہتے ہیں، استعمال ہوتا ہے۔ دیہاتوں میں " سجی "لازمی سمجھی جاتی ہے۔ باقی کھانے عام طور پر دہی ہوتے ہیں جو پاکستان میں مروج ہیں۔ یہاں کے لوگ لسی جسے پشتو میں "شڑ مبے " کہتے ہیں جو بھیڑ بکری کے دودھ سے بنتی ہے بہت پسند کرتے ہیں "شوربا" ایک خاص کھانا ہے۔

مویشی

یہاں کی معاشرتی زندگی میں گھوڑے، بیل، اونٹ اور گدھے نے بار برداری کے اہم فرائض ادا کیے ہیں اور یہ جانور اب بھی کافی تعداد میں اپنے فرائض اد کر رہے ہیں۔ بیل نے زمین جوت کر اناج فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بھیڑ، بکری تو یہاں کے دیہات کا اصل سرمایہ ہیں۔

پیداوار

یہاں کی خاص پیداوار پھل ہیں انگور، سیب، بادام، خوبانی، آڑو، ناشپاتی، انار، شہتوت، (کئی قسم کے) پلم، سینٹ روزہ، آلوچہ، آلو بخارہ، پستہ، اخروٹ، کشمش، منقیٰ، خربوزہ (گرما) تربوزہ، سردہ ان پھلوں کے علاوہ سنجد، چلغوزے، شینہہ (زیتون) اور رواش بھی یہاں کے خاص پھل ہیں۔ اناج گندم، جو، جوار، مکئی اور چارے میں لوسرن اور سفتل بہت پیدا ہوتے ہیں۔ موسم گرما میں ہر قسم کی سبزیاں بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔ آلو

اور پیاز بہت پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض علاقوں میں خودرو پھول موسم بہار میں رنگ و بو کا طوفان بپا کیے ہوتے ہیں۔ بعض علاقوں میں کارآمد جنگلی جڑی بوٹیاں بھی پیدا ہوتی ہیں جن میں "اومان" خاص طور پر قابل ذکر ہے، جسے انگریزی میں ایفیڈرا کہتے ہیں، یہ دوا ہزاروں من کی مقدار میں باہر جاتی ہے۔ یہ دمے کی بیماری میں کام آتی ہے۔ پہاڑوں پر ہینگ اور کالا زیرہ بھی اعلیٰ درجے کا بہت پیدا ہوتا ہے۔

آب رسانی

کوئٹہ چونکہ خشک خطہ ارضی میں واقع ہے اس لیے یہاں پانی کی بہت قلت ہے۔ پانی کی بہم رسانی کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے ہے کہ گذشتہ پچاس سالوں میں برف باری اور بارشیں کم ہوتی چلی گئی ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں یہاں بدترین خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا تھا جبکہ یہاں صرف چھ انچ بارش ہوئی تھی۔ لیکن دوسرے سال ۱۹۱۶ میں یہاں ۲۳ انچ بارش ہوئی۔ چالیس سال بعد ۱۹۵۲ء میں پھر اتنی بارش ہوئی۔ ۱۹۱۶ء کے بعد دستیاب ہونے والے ریکارڈ موجب ہر دس سال کے عرصے میں بمشکل پانچ انچ بارش ہوئی اور اس کا اوسط تقریباً دس انچ سالانہ تھا۔ ۱۹۵۶ء اچھا سال تھا۔ پھر ۵۷۔۱۹۵۶ء میں تیئس انچ بارش ہوئی بلکہ اس سے زیادہ لیکن اس کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ پھر کم بارش کے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ ابرسانی کے لیے ولی تنگی اور سراخلا کے بند باندھے گئے ہیں، تیسرا کچھ بند تعمیر ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ کوئٹہ کے شہر کے علاوہ بہت سے نل کنویں بھی لگائے گئے ہیں۔

معدنیات

معدنیات میں یہاں سب اولیت کوئلے کو حاصل ہے۔ جس کی سنجاوی، ڈیگاری، سورینج، شاہرگ، مچھ میں کانیں ہیں۔ ایک نیم سرکاری اور بیسیوں پرائیویٹ کمپنیاں یہاں کوئلہ نکالنے میں مصروف ہیں۔ اور کوشش کی جارہی ہے کہ ہر سال یہاں کی کانوں سے پندرہ لاکھ ٹن کوئلہ نکالا جا سکے۔ ان کے علاوہ اس علاقے میں کرام، سنگ مرمر اور گندھک بھی پائی جاتی ہے۔ کوئلے کی صنعت کو ترقی دینے کے لیے نیم سرکاری کمپنی کے اور خان بہادر ایچ ایم حبیب اللہ کمپنی نے یہاں سب سے پہلے جدید مشینری سے کانوں میں کام لینا شروع کیا ہے۔ یہ کمپنی اپنے مینجنگ پارٹنر نوجوان میاں سیف اللہ خان پراچہ کی نگرانی میں سائنٹیفک طریقوں سے کوئلے کی صنعت کو یہاں فروغ دینے میں مصروف ہے۔

آٹھواں باب

کوئٹہ کی ایک تصویر

جہاں تک صحافت کا تعلق ہے، کچھ ایسی باتیں کوئٹہ کے متعلق رہ جاتی ہیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے۔ زلزلہ ۱۹۳۵ء سے پہلے عام حالات جو یہاں تھے ان کا مختصر خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جیکب آباد سے ریل گاڑی کوئٹہ کی جانب روانہ ہوتی اور ریلوے اسٹیشن پر پہنچتی تو ایک رعب اور خوف سا مسلط ہو جاتا تھا پولیس اور سی آئی ڈی (جنھیں ان دنوں خفیہ والے کہا جاتا تھا) کی باز پرس شروع ہو جاتی۔ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کوئٹہ میں کس کے پاس ٹھہرو گے؟ کن کن لوگوں سے ملو گے، ان لوگوں سے کیوں ملو گے؟ کتنے دن ٹھہرو گے؟ کسی سیاسی جماعت سے تعلق ہے؟ یہی نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے متعلق بھی سوالات کیے جاتے جن کے پاس کوئٹہ آنے والوں کو ٹھہرنا ہوتا تھا۔ ایسے حالات سے مسافروں کو بے حد ذہنی کوفت اور پریشانی اٹھانی پڑتی تھی۔ کوئٹہ اسٹیشن پر تو یہ باز پرس اور بھی سنگین ہو جاتی تھی۔ بعض حالات میں تو ضمانت مانگی جاتی۔ اگر ضامن نہ ملتا تو تھانے پہنچا دیے جاتے۔ ناممکن تھا کہ کوئی اجنبی مقصد بتائے بغیر پلیٹ فارم پر اتر سکے۔ سیکڑوں مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی بے چارا مسافر گھبراہٹ یا بوکھلاہٹ میں کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکا تو اسے کوئٹہ سے شام کے وقت واپس جانے والی ٹرین سے

واپس جیکب آباد پہنچا دیا جاتا۔کئی مرتبہ تو آنے کے لیے پرمٹ لینے کی پابندی بھی عائد کی گئی اور پرمٹ حاصل کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اگر ہندوستان کے کسی علاقہ میں کوئی متعدی بیماری پھیلی ہوتی، چاہے وہ مدراس یا بنگال ہی میں کیوں نہ ہوتی اور آنے والا پنجاب یا سندھ کا ہوتا تب بھی اسے راستے میں کورنٹیں (قرنطینہ) میں ایک ہفتہ تک ٹھہرا کر دوائیں پلائی جاتیں اور انجکشن لگا کر جراثیم سے پاک کیا جاتا تھا۔اس کے تمام نئے اور پرانے کپڑے جراثیم کش دواؤں میں بھگوئے جاتے۔یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا تھا کہ کوئٹہ چھاؤنی میں مقیم انگریز فوج کو موذی امراض سے بچایا جاسکے۔

کوئٹہ اسٹیشن کی باز پرس کے بعد مسافر باہر نکلتا تو تانگے کے سوا اور کوئی سواری نہیں ملتی تھی۔لٹن روڈ سے گذر کر شہری آبادی میں پہنچے، مختصر سے قصبے جتنی ہوا کرتی تھی۔شہر اور بازاروں کی عمارتیں بہت کم پکی اور اکثر دو منزلہ ہوا کرتی تھیں۔ان دنوں کچے اچھے کشادہ چار پانچ کمروں کے مکان پانچ چھ روپے اور پکے مکان آٹھ دس روپے ماہوار کرایہ پر مل جاتے تھے۔نہ پیشگی کرایہ کا دستور تھا اور نہ کوئی "پگڑی" کی لعنت سے واقف تھا۔

لٹن روڈ یا ٹھنڈی سڑک، جسے اب خیابان سکندر کہا جاتا ہے، دنیا کی بہترین اور خوبصورت سڑک تھی۔ جو اونچے اونچے چناروں سے ڈھکی ہوئی تھی اور اس کے دونوں طرف دیسی گلاب کے پودے لگے ہوئے تھے۔ایک طرف فٹ پاتھ کی بجائے کچی سڑک تھی جس پر زیارت کے جونیپر درختوں کی ملائم چھال بچھی ہوئی تھی۔ یہ سڑک "گورے صاحب" اور "میم صاحب" کی گھڑ سواری کے لیے وقف تھی۔

ریس کورس کا میدان یہی تھا، جو اب ہے۔اس میدان میں پولو گالف اور

کرکٹ کے میدان بھی تھے۔ ریس کے موسم میں یقین کیجئے کہ لٹن روڈ سے ریس کورس تک سڑک اوراس کے دونوں طرف لگے ہوئے درخت دھلا کرتے تھے۔صرف اس لیے کہ اس روز "لاٹ صاحب" (اے جی جی) اور اسٹیشن کمانڈر (جی او سی) اور دوسرے بڑے بڑے فوجی افسران ریس کھیلنے ریس کورس جایا کرتے تھے۔

موجودہ ٹاؤن ہال کی جگہ انگریزوں کا کلب تھا۔جس کا نام " کوئٹہ کلب" تھا۔ یہ بڑے رعب اورٹھاٹھ کی جگہ تھی جس میں کسی دیسی آدمی کا گذرنا ممکن تھا۔صرف بیرے اورخدمت گار سفید کینوس کے جوتے پہن کر ورنہ ننگے پاؤں کلب میں داخل ہوسکتے تھے، دیسی یا کالے لوگ اس کلب کی دیوار کے پاس سے گذرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔غیر مسلموں کے غلبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کلب کے دفتر کا عملہ تیس کے قریب افسراورکلرکوں پرمشتمل تھا جن میں چپڑاسی تک غیرمسلم ہندواورسکھ تھے۔

شہرمیں تجارت اورسرکاری ملازمتیں قطعاً غیرمسلموں کے لیے وقف تھی۔جناح روڈ پر(جس کا نام اس وقت بروس روڈ تھا) انگریزوں کی ضروریات کا سامان فروخت ہوا کرتا تھا۔سنڈیمن روڈ جسے اب شارع اقبال کہا جاتا ہے میں سیاہ زیرہ، پوستین، کشمش ،بادام، منقیٰ، اخروٹ کا پھل، پستہ، کھجور اور مشکوں میں بھرے ہوئے خراسانی گھی کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔

بازاروں میں زیادہ تر نانبائیوں اور قہوہ فروشوں کی چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں جہاں پیتل کے چمکدار سماواروں میں پانی کھولتا اور روسی یا چینی چینکوں میں چاہے جوش کھاتی رہتی تھی۔سڑکوں کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چائے فروش بیٹھے نظر آتے تھے، جو دو پیسے میں ایک کوپ (کپ) چائے فروخت کیا کرتے تھے۔خدمت گاروں، بیروں، خانساماؤں پر بازار کی رونق منحصر تھی جن کی تعداد کئی ہزار تھی۔

سردیوں میں بازار سرشام ہی سناٹوں کی لپیٹ میں آجاتے تھے۔ زندگی کے آثار مفقود ہو جاتے۔ چاندنی راتوں میں گھروں کی چمنیوں کے دھواں اگلنے کا منظر بڑا دلچسپ ہوتا تھا۔ رات کو کبھی کبھی پولیس کے سپاہیوں کے بھاری بوٹوں کی آواز سے سکوت و جمود ٹوٹتا۔ رات بھر شہر شہر اور چھاؤنی میں پولیس کی حکومت ہوا کرتی تھی اور جب شدت کی سردی ہوتی اور "قندھاری" ہوا چلتی تو ایک آدھ پولیس کا سپاہی صبح اکڑا ہوا سردی سے منجمد ملا کرتا تھا۔ ایسے واقعات ہر سال سردیوں میں دس بارہ ضرور ہوا کرتے تھے۔ بجلی کا اس وقت نام ونشان نہیں تھا سڑکوں پر مٹی کے تیل کی لالٹین اور چھاؤنی کی سڑکوں پر گیس کے ہنڈے جلا کرتے تھے۔ اس زمانے میں تیز تر سواری بائیسکل تھی یا فوجی افسروں کی موٹر سائیکل، کبھی کبھی اعلیٰ سول یا فوجی افسر کی اونچی باڈی کی موٹر بھی نظر آجاتی تھی۔ چھاؤنی کے تمام بنگلے سرسبز و شاداب پھلدار درختوں کے گنھیرے سایوں سے ڈھکے ہوئے گلاب اور سیکڑوں قسم اور رنگ کے پھولوں کی خوشبوؤں سے مہکے رہتے تھے۔ ان بنگلوں کے مالی یوپی کے ہندو، پوربیئے "بھیا" ہوا کرتے تھے۔

رابرٹ سنڈیمن، میکموہن، گیسفورڈ اور رابرٹ بروس کا یہ کوئٹہ تھا۔ جہاں مقامی باشندے اور باہر سے آئے ہوئے مسلمان بے کسی، مفلسی کی چلتی پھرتی تصویریں تھیں اور ہندو سکھ، سیٹھ، بابوجی، دکاندار، لالہ اور ٹھیکیدار ہوا کرتے تھے۔

یہاں ایک سینما بہت بعد میں بنا۔ اس سے پہلے ایک منڈرا تھا۔ اس کے علاوہ دو تین بلیئرڈ روم بھی ہوا کرتے تھے۔ دو تین بنکوں کی شاخیں تھیں جن میں سارے کا سارا لین دین ہندوؤں اور سکھوں کا تھا۔

شہری آبادی کا تکیہ چند حکیموں اور تعویز دینے والے سیانوں پر تھا۔ انگریزی دوا کا نام تک لوگ نہیں جانتے تھے اور کسی اسپتال میں علاج کے لیے جانے سے ڈرتے تھے۔ اور جو شخص وہاں علاج کے لیے جاتا تو اس کے لیے سمجھا جاتا تھا کہ وہ اب نہیں بچے گا۔

یہاں پیدل فوج میں گورہ پلٹن، گورہ بیٹری، لانسر، سیپرز اینڈ مائنرز، بکرا پلٹن، گورکھا پلٹن، بلوچی رجمنٹ، ہزارہ پلٹن، ڈوگرہ پلٹن اور کئی پلٹنیں ہوا کرتی تھیں۔

سٹاف کالج گو پہلے قائم ہو چکا تھا مگر اس کی عمارت ۱۹۰۷ء میں بنی اور جنگ عظیم کے دوران ہوائی فوج کا اضافہ ہوا۔ ہوائی اڈہ موجودہ ڈسٹرکٹ جیل کے سامنے ہوا کرتا تھا۔ زلزلے کی رات کو اس ہوائی اڈے کے ہینگر میں کل ۴۷ جہاز تھے جن میں کل تین صبح کے وقت کارآمد نکلے تھے۔

انگریزوں نے یہاں قحبہ خانوں کی لعنت بھی مسلط کی تھی۔ انگریزی حکومت نے اپنے ٹامیوں کے لیے سورج گنج بازار میں اور دیسی سپاہیوں کے لیے درزی بازار، صرافاں بازار اور کئی بازاروں میں قحبہ خانے قائم کیے۔ قیام پاکستان کے بعد سے ہی اس لعنت کو ختم کرنے کے لیے عوام بار بار مطالبہ کرتے چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ ایک آرڈیننس حکومت نے جاری کیا اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء کے دن پولیس نے آرڈیننس کے تحت کوئٹہ کے چکلے کی ناکہ بندی کر دی اور پچیس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی تا کہ وہ ان طوائفوں کی بحالی اور ان کو شریفانہ زندگی بسر کرنے میں مدد دے۔

۱۹۳۵ء تک عام طور پر کوئٹہ کے شہری بے شمار سہولتوں اور بنیادی انسانی حقوق تک محروم تھے۔ تمام سہولتیں انگریزوں اور غیر مسلموں کے لیے وقف تھیں۔

صوبے میں صرف ایک سرکاری ہائی سکول تھا۔ بعد میں اسلامیہ ہائی اسکول، خالصہ ہائی اسکول، سناتن دھرم ہائی اسکول، گرامر ہائی سکول، ڈی اے وی ہائی اسکول قائم ہوئے۔ ویسے خدا آباد رکھے مسجدیں آباد تھیں ساری، جہاں مسلمان بچے دینی، عربی، فارسی اور اردو تعلیم حاصل کرتے تھے اور انھی مسجدوں کے پڑھے لکھے بعد میں ای اے سی بنے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ۱۹۶۴ء تک کوئٹہ کی کسی عدالت میں کوئی پیش نہیں ہو سکتا تھا۔اس کے تین چار سال بعد ایک قتل کے مقدمے میں سر عبدالقادر مرحوم یہاں تشریف لائے تھے۔

علامہ اقبال کا ورود

علامہ اقبال ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۹ء میں دو مرتبہ کوئٹہ تشریف لائے۔آپ بسنت سنگھ لین میں بابو عبدالحق جو زبردست ویٹ لفٹر اور گھوڑا اٹھایا کرتے تھے اور فضل الٰہی جن کا یہاں پہلا موٹروں کی مرمت کا کارخانہ تھا، کے پاس مقیم ہوئے۔یہ دونوں علامہ اقبال کے عزیز تھے اور علامہ یہاں صرف تین یا چار دن تک مقیم رہے۔

نواں باب

مستونگ

جہاں تک وادی بولان کی صحافت کا تعلق ہے، کوئٹہ کے بعد قلات ڈویژن اور قلات کا صدر مقام مستونگ دوسرا اہم شہر ہے جسے اخبارات کی اشاعت کے لحاظ سے کوئٹہ کے بعد ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ مستونگ سے ایک درجن سے زائد اخبارات جاری ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: کوہستان، بولان، مبلغ ریاست، چلتن، پرچم اتحاد، ہمارا اسکول میگزین، نوائے بولان، یونین، بولان ایکسپریس، (انگریزی) ساربان، تعمیر بلوچستان اور ایلم وغیرہ۔

محلِ وقوع

مستونگ کوئٹہ سے ۳۲ میل دور جنوب میں قلات ڈویژن میں واقع ہے یہ ۶۶ء۴۸ درجے مشرق میں واقع ہے۔ سطح سمندر اس کی بلندی ۵۵۹۰ فیٹ ہے۔ مستونگ قلات ڈویژن کا سب سے بڑا شہر ہے اس کی آب و ہوا سرد اور فرحت بخش ہے اور یہ اپنے بہترین پھلوں اور گندم کے لیے مشہور ہے۔ مستونگ کوئٹہ سے میٹل روڈ اور مستونگ روڈ ریلوے لائن کے ذریعے ملا ہوا ہے۔ مستونگ روڈ ریلوے اسٹیشن پاکستان ویسٹرن ریلوے کے کوئٹہ زاہدان سیکشن پر واقع ہے۔ مستونگ روڈ سے مستونگ شہر چھ میل دور ہے۔ لک پاس کوئٹہ اور مستونگ کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ پہلے مستونگ کے ارد گرد مٹی کی دیوار کی فصیل بھی ہوا کرتی تھی جواب گر چکی ہے۔ شہر پھلوں کے خوبصورت باغوں اور تاکستانوں سے گھرا ہوا ہے شہر میں دوسو کے قریب دوکانوں پر مشتمل ایک بازار ہے جس میں عام طور پر ہر قسم کی ضروری اشیاء مل جاتی ہیں ان میں کافی دکانیں ہندوؤں کی ہیں۔

شاہی باغ

مستونگ شہر کے جنوب مغرب میں شاہی باغ ہے جو بہت پر فضا اور خوبصورت ہے۔اس کے ساتھ ایک باغ اور وسیع سبزہ زار ہے جس کے کنارے رنگ رنگ کے پھول موسم گرما میں بہت پر لطف منظر پیش کرتے ہیں باغ کے مشرق کی طرف اونچے مقام پر بنگلہ بنا ہوا ہے جہاں خان قلات ٹھہرا کرتے تھے یہ عمارت زلزلہ میں گر گئی تھی اس جگہ بعد میں زلزلہ پروف بنائی گئی ہے۔قلات کی اہم تقریبات بھی یہیں منعقدہ ہوتی ہیں۔

مشہور عمارت

یہاں پرانی عمارتوں میں میری یا قلعہ ہے جس میں آج کل سٹیٹ بنک آف پاکستان کی شاخ ہے۔ یہاں ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ کالج بھی ہے۔ پبلک ہائی اور سرائے بھی قابل ذکر ہیں۔اس شہر کو راجہ احمد خان کے دور میں بہت ترقی دی گئی تھی۔ سڑکیں اور نالیاں پختہ بنوائی گئیں۔بچوں کے لیے چلڈرن پارک بھی بنوایا گیا ہے۔

اصلی باشندے

اس شہر کے اصلی باشندے خواجہ خیل، زرخیل (ترین پٹھان) دیہوار سید اور ملازئی قبائل ہیں۔مستونگ کے سب سے قدیم باشندے چمک زئی کہلاتے ہیں۔ان کا گاؤں موجودہ شہر سے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں کے اصلی باشندے نوشیروان کے زمانے میں ایران اور عرب سے آئے تھے اور پہلے قفص ا(صوبہ

مکران) میں آباد ہوئے۔ بعد میں وہ ارد گرد پھیلتے ہوئے پنجگور تک پہنچے جسے عربی میں فیسنور کہا جاتا ہے۔

نام

تاریخ دانوں کی رائے میں قدیم شہر کا نام اورنگ آباد تھا۔ اس کے کھنڈر اب تک مشرق یا شمال مشرق میں پائے جاتے ہیں۔ مستونگ کا دوسرا نام "خدا آباد" ان سندات سے ظاہر ہوتا ہے جو قلات کے احمد زئی خوانین نے وقتاً فوقتاً جاری کی تھیں لیکن اب مستونگ کے یہ دونوں نام متروک ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام "مستنگ" لکھا ہوا ملتا ہے۔ میری شہر کا پرانا قلعہ یا محل تھا۔ مستونگ سے پانچ میل دور "اسپئے بلند" کے مقام پر پانی کا چشمہ ہے جس کا گرم پانی جلدی امراض کے لیے اکسیر بتایا جاتا ہے۔

سام پور کے قدیم کھنڈر موجودہ مستونگ سے چار میل دور مغرب کی طرف واقع ہیں۔ یہ کھنڈر ڈیڑھ ہزار برس پہلے ایران کے مشہور پہلوان سام اور دیگر پہلوانوں کے مسکن بتائے جاتے ہیں۔

مغلیہ دور

اکبر کے زمانے میں مستونگ، قندھار کا مشرقی صوبہ تھا جیسا کہ آئین اکبری میں درج ہے۔ یہ علاقہ اکبر سلطنت میں شامل تھا اور سالانہ دس تومان، آٹھ ہزار دینار خروج اور ۳۴۰ سوار پانچ سو پیادے بوقت ضرورت مہیا کرتا تھا۔

میر نصیر خان دوم

۱۸۳۹ء میں جب خان محراب خان مارے گئے تو شجاع الملک نے مستونگ میں ایک نائب مقرر کیا جسے دوسو روپیہ سالانہ تنخواہ دی جاتی تھی اور مستونگ ہی وہ شہر ہے جہاں لیفٹینٹ لوڈے اور میسن کو ساراوان کے سرداروں کی بغاوت کے بعد قید کیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد حسن جو میر نصیر خان دوم کے نام سے مشہور ہے اس علاقے کا فرمانروا بنایا گیا اور آخر کار ۱۸۷۶ء میں رابرٹ سنڈیمن نے مستونگ میں خان میر خداداد خان اور براہوی سرداروں سے صلح کی اور عہد نامہ مستونگ طے پایا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اس کے بعد قیام پاکستان کے بھی کچھ عرصہ بعد مستونگ ریاست قلات کا ایک حصہ رہا۔

دسواں باب

پیداوار

مستونگ میں آبپاشی کاریزوں اور بندوں کے ذریعے ہوتی ہے اس علاقے کی پیداوار گندم، آلو، پیاز، تمباکو بہت اعلیٰ قسم کی ہیں یہاں تمباکو ورجینیا تمباکو کا مقابلہ کرتا ہے۔ایک مرتبہ یہاں ورجینیا تمباکو کی کاشت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔مستونگ میں انگور، آڑو، سیب، خرمانی، شہتوت، بادام، تربوز، خربوزہ اور سردہ کثرت سے ہوتے ہیں۔ ریشم کے کیڑے بھی پالے جاتے ہیں جن سے ریشم حاصل ہوتا ہے۔

ڈویژنل جرگہ اور میلہ

ہر سال مستونگ میں ایک بڑا میلہ بھی لگتا ہے۔اس میلے میں صنعت وحرفت زراعت اور بلوچی کشیدہ کاری کے اعلیٰ نمونوں کی نمائش کے علاوہ کھیل اور جسمانی مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ان میں شرکت کے لیے مکران، خاران، کچھی، جھالاوان اور ساراوان تمام علاقوں کے لوگ آتے ہیں۔گھڑ دوڑ، نیزہ بازی، کشتی، نشانہ بازی، دوڑیں اور دیگر مقابلے ہوتے ہیں جو نوجوانوں ان مقابلوں میں کامیابی حاصل کرتے ہیں ان کی بہادری کی شہرت دور دور تک پھیل کر عوام میں رشک ، ہمت، الوالعزمی ، جوانمردی، بہادری، مستقل مزاجی پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے۔انگریزی دور میں تو دربار اور اب ڈویژنل جرگہ ہر سال منعقد ہوتا ہے اس میں سرداروں اور سرکاری ملازمین اور ان لوگوں کو سندیں انعامات اور خلعتیں دی جاتی ہیں جو عوام اور ملک کی نمایاں اور بہترین خدمات سر انجام دیتے ہیں۔

ڈویژنل جرگہ کے موقع پر ہر سال مویشی منڈی بھی لگتی ہے اس موقع پر قلات ڈویژن کے مشہور مویشی یہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہاں کے بھاگ ناڑی نسل کے بیل بہت مشہور ہیں۔ یہ بیل سبی اور لاہور کی قومی نمائش میں اول رہ کر انعامات حاصل کرتے ہیں۔ جھالاوان کی بھیڑیں بھی بہت مشہور ہیں۔

ثقافتی اجتماعات

اس موقع پر یہاں ثقافتی اجتماعات بھی ہوتے ہیں۔ جن میں مختلف زبانوں کا ملا جلا مشاعرہ، مقامی موسیقی و لوک گیت، طلبا کے تقریری مقابلے، علاقائی کشتی، لوک رقص بھی منعقد ہوتے ہیں۔

مستونگ کے لوگ

مستونگ کے لوگ بلند اخلاق، روزے نماز کے پابند، مہمان نواز، بہادر اور غیور ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگ غریب ہیں۔ تعلیم کم ہے۔ مگر بااخلاق اور محنتی ہیں بلوچ مختلف قبائلی تنظیموں، گروپوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر گروہ یا فرقے کا علیحدہ سردار ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ مستقل باشندے ہیں۔ کچھ خانہ بدوشوں ہیں جو گرمیوں میں یہاں آجاتے ہیں اور سردیوں میں چارے اور روزگار کی تلاش میں گرم علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔ ان کے یہ دورے کچھی اور سندھ کے علاقوں تک ہوتے ہیں ۔ یاد رہے کہ قلات ڈویژن کا علاقہ مشرقی پاکستان کے پورے علاقے سے بڑا اور مغربی پاکستان کا تیسرا حصہ ہے۔ اس کی آبادی ۵۳۰۸۹۳ ، اور ۷۲۹۴۴ مربع میل ہے۔ اور ایک مربع میل میں صرف سات افراد بستے ہیں۔

حال احوال

یہاں کے لوگوں میں ایک رواج ہے کہ جب دو آدمی ملتے ہیں سفر میں یا کہیں ایک دوسرے کا حال دریافت کرتے ہیں۔ حال سے مراد وہ خبریں ہوتی ہیں جو سفر کرنے والے کے گھر سے روانہ ہونے سے پہلے کی ہوں جب ایک شخص کا حال سنا چکتا ہے تو پھر دوسرا حال سنتا ہے۔ یہ خبریں بڑی مفصل ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک علاقے کی خبریں دوسرے علاقے تک پہنچتی رہتی ہیں۔ معلومات کا یہ سلسلہ بہت طویل ہوتا ہے۔ جس میں عورتوں اور بیویوں کا ذکر نہیں آتا۔

دو اچھی رسمیں

بلوچ اچھے اور برے وقت میں ایک دوسرے کا پورا پورا ساتھ بھی دیتے ہیں۔ اگر کسی پر کوئی مصیبت آئے، فصل تباہ ہو تو قبیلے کے تمام افراد آپس میں چندہ جمع کر کے اس کی مدد کرتے ہیں۔ اس رسم کو مستونگ کے لوگ یا بلوچ "پھوڑی" کہتے ہیں۔ بیاہ شادی کے موقع پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کو "بجار" کہتے ہیں۔

لباس اور زیور

بلوچ ایک لمبا کرتہ پہنتے ہیں اسے "پشک" کہتے ہیں۔ ان کی شلوار بڑے گھیر کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈھائی گز لمبی چادر بھی کندھوں پر ڈالتے ہیں جسے

"پشی" کہتے ہیں۔ دس پندرہ گز لمبی پگڑی باندھتے ہیں۔ جوتے عام طور پر گھر کے بنے ہوتے ہیں۔تلوار بندوق اور خنجر کے بغیر ان کا لباس مکمل نہیں سمجھا جاتا،عورتوں کے لمبے کرتوں پر بہترین بلوچی کڑھائی کا کام ہوتا ہے چوٹی باندھتی ہیں۔عام زیور کنگن، چاندی کا ہوتا ہے۔ ناک میں سونے کی کیل، کانوں میں چاندی یا سونے کی کم ازکم چھ بالیاں ہوتی ہیں، گلے میں ایک وزنی زیور ہوتا ہے جسے "طرق" کہتے ہیں۔

لوگوں کا کردار

لوگ عام طور پر سادہ لوح، سچے اور معتدل مزاج کے ہوتے ہیں اور تعصب سے پاک ہوتے ہیں۔شجاعت اور بھلائی کے کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ان باتوں کے بلوچ حد سے زیادہ پابند ہوتے ہیں۔خون کا بدلہ خون، پناہ دیے گئے شخص کی حفاظت جان کی قربانی تک سے کرنا۔اسے "باہوٹ" یا ہمسایہ کہتے ہیں۔جو جائیداد ان کی تحویل میں دی جائے اس کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دینا۔مہمان نوازی، مہمان کی قدر ومنزلت اور مہمان کی حفاظت کرنا،عورتوں، ہندوؤں اور بچے، جو ابھی پاجامہ نہ پہنتے ہوں، قتل کرنے سے گریز کرنا، اس شخص کو، جس نے مسجد میں پناہ لی ہو، مارنے سے گریز کرنا، اسی طرح اس آدمی کو، جس نے دوران جنگ امان طلب کی ہو یا ہتھیار ڈال دیے ہوں، مارنے سے یا گزند پہنچانے سے گریز کرنا، فریقین کا اس وقت جنگ بند کر دینا جب کوئی سید مرد یا عورت قرآن شریف لے کر ان کے درمیان آ جائے، بدکار مرد اور عورت کا لازمی قتل۔

نظامِ حکومت، زبانیں، جرگہ

اس ضلع کا نظام حکومت ڈپٹی کمشنر کے سپرد ہے۔ یہاں عام طور پر بروہی، بلوچی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ پشتو، سندھی، فارسی کا بھی رواج ہے۔ اردو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس علاقے کے شعرا اپنا منظوم کلام بلوچی یا براہوی میں کہنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو میں بھی آسانی سے کر لیتے ہیں۔ یہاں کے تمام اخبارات اردو میں شائع ہوتے ہیں، سوائے ایلم کے جو بروہی زبان میں شائع ہوتا ہے مگر اس میں بھی نصف حصہ اردو میں ہوتا ہے۔ اس علاقے میں بھی لوگ اپنے جھگڑوں کے فیصلے جرگہ کے ذریعے کرنا مناسب سمجھتے ہیں اور یہاں تحصیلدار، ناظم وغیرہ کی تو عدالتیں تھیں مگر سول جج وغیرہ کی نہیں تھیں۔

اشتہاری اخبارات

کوئٹہ اور مستونگ کے حالات پڑھنے کے بعد آپ یہ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زلزلہ ۱۹۳۵ء تک کوئٹہ مقامی اخبارات سے تقریباً محروم تھا۔ لے دے کے جو اخبار یہاں سے نکلتے تھے انھیں اخبار نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ اشتہاریوں کے اخبار ہوا کرتے تھے اور بس، اور یہاں کے حالات، فضا اور ماحول کچھ ایسے تھے کہ اخبار جاری کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا، اور ایک اس حقیقت سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں صحافت کا وجود کیسے قائم ہوتا جبکہ سب سے بڑی خبر سی آئی ڈی کے لیے یہ ہوتی تھی کہ وہ کسی شخص کو

باہر سے آئے ہوئے کسی اخبار کو پڑھتے یا خرید تے دیکھ لے۔ مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۵ء تک وادی بولان میں صرف "اشتہاری صحافت" تھی۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انگریزوں نے ۱۸۷۶ء میں اس علاقے پر قبضہ حاصل کیا۔ اور آپ آئندہ پڑھیں گے کہ یہاں سے پہلا اخبار ۱۸۸۸ء میں "منتھلی بلوچستان ایڈورٹائزر" کے نام سے نکلا۔ اس پہلے اخبار کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ اشتہارات کا پمفلٹ ہوتا ہوگا۔ "بارڈر ویکلی نیوز"، "بلوچستان گزٹ"، "ڈیلی گزٹ"، "راست گو" ان سب میں اشتہارات، فوجی افسروں کے تقرر و تبادلے، ترقی و تنزلی کے احکامات درج ہوا کرتے تھے۔ اور جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو ان نام نہاد اخباروں سے صرف جنگ کے پروپگینڈے کا کام لیا جاتا تھا اور بس۔ "قندیل خیال" اور اس کے بیس اکیس سال بعد "نوشیروان" جاری ہوا۔ ان دونوں میں ادبی مضامین اور شعراء کا کلام ہوا کرتا تھا اور کوئی بات نہیں ہوا کرتی تھی۔ "بلوچستان ہیرلڈ" اور " کوئٹہ نیوز"، نام تو صحیفوں کے مگر ان کے صفحات پر صحافت کی جگہ اشتہارات بکھرے ہوئے ہوا کرتے تھے۔

ریاست قلات کے سب سے بڑے شہر مستونگ میں تو کوئی اشتہاری پرچہ بھی نہیں تھا۔ انگریزوں کا دور اور پھر قلات ایک ریاست، ایک کریلہ اور دوسرا نیم چڑھا، وہاں تو اخبار جاری کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وادی بولان میں صحافت کا وجود تھا بھی کہ نہیں۔ صورتحال یہ تھی جو بیان کی گئی۔

گیارھواں باب

اِنقلاب

آسمان کو چھونے والے جھلسے ہوئے سے سنگ خارا کے پہاڑ، ٹیڑھے میڑھے، سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے عمیق سیلابی نالوں، ندیوں، جوئباروں، چشموں کی سنگ زار اور متضاد آب و ہوا کی سرزمین، وادی بولان بھی ازل سے صحیفہ قدری کا اہم اہم ورق رہی ہے۔ اس تاریخی درہ بولان میں جہاں امن کے زمانے میں تجارتی قافلے خانہ بدوشوں کے کارواں آتے جاتے رہے، وہاں لڑائیوں کے زمانے میں شاہوں کی بارگاہوں کے اٹالے، سامان رسد اور اسباب جنگ اونٹ گھوڑے، بیل اور گدھوں کی پیٹھ پر لدے ہوئے گذرا کرتے تھے۔

نئی زبانیں

زمانے گذرتے گذرتے جب انیسویں صدی کے آخر تک پہنچا تو وادی بولان میں ایک انقلاب آیا۔ اور یہ انقلاب یا تغیر ایک بیرونی قوم لائی۔ جسے انگریز یا فرنگی کہتے ہیں۔ یہاں انگریزوں نے اپنی روایتی مکاری سے کام لے کر اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۸۷۶ء میں نظام حکومت بدلا۔ ریل کی پٹڑی ڈالی گئی، سڑکیں بنیں اور محدود آمدورفت شروع ہوئی تو اس علاقے کے لوگوں کو اپنی زبانوں کے علاوہ دو تین اور زبانوں سے واسطہ پڑا جو انگریزی، اردو اور پنجابی تھیں۔

اُردو

اردو چونکہ آسان زبان تھی اوراس علاقے کی زبانوں کے بے شمار الفاظ پائے جاتے تھے۔ اس لیے اپنی اس خوبی کی بنا پر وہ اس علاقے میں تیزی سے پھیلنے لگی۔ انگریزی پہلے یہاں آئی، پھراردواور سب سے پہلے یہاں کے اخبار بھی انگریزی میں جاری ہوئے۔انگریزوں کی سرپرستی اوراس کی اشاعت کانتیجہ ہوناچاہیے تھاکہ انگریزی پھیلتی،مگر وہ نہیں پھیلی،اردواپنی مخصوص لچک،مقبولیت،وسعت پسندی اور سریع الاثر ہونے کے علاوہ یہاں کےلوگوں کی ہم ثقافت اورہم مذہب لوگوں کی زبان تھی۔اس زبان کے یہاں پھیلنے میں جومدملی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس لشکری زبان کووجود میں لانے والےلشکر(دیسی فوجیں) یہاں بڑی تعداد میں مقیم تھیں۔ اگر پریڈ میں چھاؤنی کے علاقے میں انگریز افسروں سے فوجی"لیفٹ رائٹ"ہی سننے کے عادی تھےمگر چھٹی کے دن جب فوج کے دیسی سپاہی تفریح،سیر،مزیدوفروخت کے لیےشہرمیں آتے،شہریوں سے ملتے جلتے تواردو ہی ان کے اظہارخیال کا ذریعہ ہوتی تھی۔ اسطرح اردوپھیلی اور ۱۹۲۵ء کے بعد یہاں مشاعرےشروع ہوئے۔جوباقاعدگی سے پہلے بزم ادب اور بزم سخن کے زیراہتمام ہرماہ منعقدہ ہونے لگےاور ۱۹۳۵ء کے بعد جب یہاں صحافت کی ابتدا ہوئی تو اردوصحافت پر چھاگئی،اورآج یہ صورت ہے کہ ایک آدھ اخبار کے سواتمام اخبارات اردو ہی میں شائع ہوتے ہیں۔ بزم ادب کے سرپرست وزیرزادہ عبدالاحدخان تھےاور بزم سخن کے بہادر عین الدین خان،شعرامیں وقارانبالوی،محمد صادق شافہ،ارشدامروہی،مدحت زبیری،غلام محمدجمیل،عبدالحکیم سیماب،الماس نے یہاں بہت کام کیاہے۔

رکاوٹیں

انگریزی دور میں وادی بولان یعنی برٹش بلوچستان اور ریاست قلات کی صحافت کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بے جا پابندیاں عائد رہیں۔ حوصلہ شکنی، تحریف، سب کچھ فرنگی استبداد کا نتیجہ تھا خوف و دہشت کا دور دورہ تھا، زبان بندی تھی۔ ایسے دور میں کسے اخبار جاری کرنے کا حوصلہ ہوسکتا تھا۔ ان کے علاوہ یہاں رسل و رسائل کی سہولتیں مفقود تھیں۔ تعلیم کا فقدان تھا۔ عوام پسماندہ اور غربت زدہ تھے، اوران پر بے حسی اور جہالت مسلط رکھی گئی تھی آبادی کم اور دور دور بکھری ہوئی تھی۔ لیڈرشپ اور رہنمائی کی جرات کرنے کا مطلب خود کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کرنا تھا۔ جو لوگ باہر سے آئے ہوئے اخبارات کو چھپ کر پڑھنے کا بھی حق نہیں رکھتے تھے تو اخبار یہاں جاری کرنا تو ایک بہت بڑی بات تھی۔

ان کٹھن اور سنگین حالات کے بعد جب تھوڑی سی ڈھیل ملی تو صحافت نے اپنی شاندار تاریخ مرتب کی اور قیام پاکستان کے بعد اخباروں، اخبار نویسوں اور قومی اخبارات کے نمائندوں کی تعداد میں ایسا حیرت انگیز اضافہ ہوا کہ شاید دنیا کے کسی ملک کی تاریخ میں ایسا اضافہ ہوا ہو۔

فرنگی پالیسی

سابق بلوچستان اور ریاست قلات قبائلی اور سرحدی علاقے کہلاتے تھے۔ انگریزوں کی پالیسی یہ تھی کہ ان علاقوں کو ہر لحاظ سے پسماندہ رکھ کر اپنا قبضہ اور تسلط مستحکم

رکھا جائے۔ فرنگی چاہتے تھے کہ یہاں کے عوام میں کسی طرح کی بیداری اور سیاسی شعور ہی پیدا نہ ہو۔ اس مقصد کے تحت انھوں نے اس علاقے کی ثقافت، تعلیم، تجارت، صنعت، زراعت، آبپاشی، غرضیکہ کسی شعبہ حیات کو ترقی دینے کا کوئی موثر اقدام نہیں کیا۔ انھوں نے کوئٹہ کو جو ترقی دی تو صرف اس لیے کہ ان کی فوجوں کو سہولتیں حاصل ہوں اور ان اقدامات سے یہاں کے لوگوں کو کچھ فایدہ حاصل ہوا تو اتفاق یہ ایسا ہوا۔ ورنہ انگریزوں کا کوئی ارادہ یہاں کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا نہیں تھا۔

اس علاقے کے غیور، جفاکش، بلند کردار اور محنتی لوگوں کو پسماندہ رکھنے کے لیے انگریزوں نے یہ پالیسی اختیار کی کہ یہاں کے لوگوں کو اپنے وسائل پر بھروسہ کر کے انھیں ترقی دے کر اپنے آپ کو ترقی یافتہ بنانے کی ترغیب دینے کی بجائے اپنا دست نگر بنائے رکھنے اور عوام ان کے سربراہوں کو ہر کام کے لیے حکومت کی طرف دیکھتے رہنے کا خوگر بنانے کی کوشش کی۔

یہاں کے آزاد منش بہادروں کو قابو رکھنے کے لیے انگریزوں نے کچھ لوگوں کو مالی امداد، وظائف اور اعزاز سے اپنا حامی بنانے کی کوشش کی۔ یہ چند لوگ انگریزی استبداد کے خوفناک چنگل سے اپنے آپ کو اس لیے بچا نہیں سکتے تھے کہ حکومت سے ٹکر لینی پڑتی تھی۔ مگر یہاں کے لوگوں نے اکثر فرنگی استبداد کے سامنے سر جھکانے کی بجائے جہاد کا علم بلند کیا۔ اور یہاں تک کے انگریزوں نے اپنی اصطلاح میں انھیں باغی یا فراری کہا، گو یہ مجاہد جنھیں انگریز فراری کہتے تھے اکثر انگریزوں کو پریشان کرتے رہتے مگر فرنگی کی وسیع حکومت اور افواج کے سامنے وہ بے بس اور مجبور تھے۔ ایسے مجاہد اکثر رتبہ شہادت کو بھی پہنچے۔ اس کے علاوہ انگریز جنھیں فراری یا باغی کہتے تھے (جو دراصل مجاہد تھے) ان کے لواحقین کو قید و بند میں مبتلا کرنا اور پریشان کرنا تو فرنگیوں کی عام شیوہ تھا مگر آہ وہی غیور لوگ ہر کام کے لیے حکومت کی طرف نہیں دیکھتے، بلکہ اپنی آزادی، تحفظ، خوشحالی اور

فارغ البالی کے لیے "اپنی مدد آپ" کے اصول کے تحت رات دن کام کر کے اپنی پسماندگی کو دور کرنے میں مصروف ہیں اور چونکہ حکومت اپنی ہے ۔اس لیے ترقیاتی کاموں پر بے دریغ رقومات خرچ کرنے سے نہیں جھجکتی۔

انگریز اور اخبارات

"انگریز اخبارات کی طاقت کو جانتے تھے ۔ وہ اخبارات جاری کرنے کی اجازت تو کجا، وہ برصغیر میں پریس لگانے کی حمایت میں بھی نہیں تھے۔وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ انھوں نے ایک غیر ملک کو اپنی مکاریوں ،فریب، دھوکہ بازیوں سے قبضہ کر کے اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ چکے ہیں۔وہ جانتے تھے کے انگریزی حکومت بغیر اخبار کے تو چل سکتی ہے۔اخبارات کے ساتھ اس کا چلنا ناممکن ہے۔اور یہاں کے اخبارات انگریزوں اور انگریزی حکومت کے لیے وبال جان بن جائیں گے۔اس لیے انگریز یہ چاہتے ہی نہیں تھے ۔ کہ یہاں کوئی اخبار جاری ہو۔اور اسی خدشے کا ذکر ایک مرتبہ سر جان مالکھم نے ان الفاظ میں کیا تھا؛

"............ کیا یہ امید کرنا عقلمندی ہے کہ جن لوگوں کی حکومت، عزت، ثروت اور دولت کا خاتمہ ہوا ہے ۔ کیا وہ ہماری حکومت سے دشمنی، نفرت اور حقارت برتنے سے باز رہیں گے، کیا یہ حقارت دشمنی اور نفرت ان کے دلوں سے خود بخود زائل ہونے کا کوئی امکان ہے؟ اگر نہیں تو پھر ان کے ہاتھوں میں اخبارات جیسی آزادی (ہتھیار) دے دینا، کیا قرین مصلحت ہے اور کیا یہ دانشمندی ہے............؟

"سرجان مالکھم کے ان الفاظ سے اندازہ لگایئے کہ انگریزوں کی کیا پالیسی تھی۔ چنانچہ اسی پالیسی پر حیدرآباد کے نظام کو جب لارڈ منٹو کے عہد میں ایک مرتبہ ایک "پریس" تحفہ کو طور پر دیا گیا۔ اور اس کا علم جب چیف سیکرٹری کو ہوا تو وہ غصے کے مارے بلبلا اٹھا۔ اس نے اس اقدام کو انتہائی خطرناک قرار دیا اور وہ ریذیڈنٹ سے انتہائی خفگی اور ناراضگی سے پیش آیا۔ اس کے باوجود ہندوستان میں کئی اخبارات جاری ہوئے جو عام طور پر انگریزوں نے جاری کیے"۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں جو اخبار انگریزوں اور انگریزی حکومت پر نکتہ چینی کرنے سے باز نہ آتا تو پہلے تو ڈاک سے اخبار بھیجنے کی رعایت ختم کر دی جاتی تھی۔ یہ بھی ایک نہایت تکلیف دہ اقدام ہوتا تھا۔ اس پر بھی ایڈیٹر باز نہ آتا تو اسے جلاوطن کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح اخبار خود بخود بند ہو جاتا تھا۔ اسے سے اندازہ لگایئے کہ انگریز کو تو اخبار جارنے کرنے کی اجازت تھی مگر کسی ہندوستانی کو اجازت نہیں تھی۔ اور جن انگریزوں نے ابتدا میں اخبار جاری کیے وہ دراصل ایسٹ انڈیا کمپنی کے راندۂ درگاہ تھے۔ آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ ۱۹۳۷ء تک یہاں پریس ایکٹ لاگو ہی نہیں تھا۔ چنانچہ زلزلے کے بعد خان عبدالصمد خان اچکزئی نے جب استقلال جاری کرنے کے لیے منظوری مانگی تو انھیں بتایا گیا کہ یہاں پریس ایکٹ لاگو نہیں۔ چنانچہ انھوں نے پنجاب جا کر اس کے لیے جدوجہد کی اور پریس ایکٹ آیا۔

گسٹاپو کا دور

عوام کی سماجی اور سیاسی بیداری ہرگز منظور نہ تھی۔ چنانچہ سارے ہندوستان میں جب کانگریس، مسلم لیگ، جمعیت العلما، خلافت خاکسار، احرار، نیلی پوش، شدھی اور شدھی کے خلاف جیسی سیاسی تحریکیں اور بھی کئی اہم تحریکیں چل رہی تھیں۔ ان دنوں کسی بھی سیاسی تحریک سے ذرا سا لگاؤ رکھنے والا کوئی شخص کوئٹہ آتا تو اول تو اسے اسی روز کوئٹہ سے جانے والی گاڑی سے شہر چھوڑنے کا حکم دیا جاتا۔ اور اگر کسی انگریزوں کے پٹھو (جن کو ان دنوں عوام "ٹوڈی" کہتے ہیں) کی سفارش پہنچ جاتی تو اسے زبان بندی کے احکام دے کر شخصی ضمانت پر زیادہ سے زیادہ دو چار روز کے لیے کوئٹہ میں رہنے دیا جاتا مگر وہ یہاں دو چار دن بھی آرام سے نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ وہ ہر وقت خفیہ پولیس کی باقاعدگی نگرانی میں رہتا تھا اور جن لوگوں کے پاس وہ کوئٹہ میں ٹھہرتا تھا ان کی جان بھی عذاب میں رہتی تھی۔

اور تو ہندوستان کے دوسرے شہروں سے جو اخبارات آتے تھے۔ مثلاً "زمیندار"، "سیاست"، "انقلاب"، "دیر بھارت"، "تیج"، "پر پرتاب"، وغیرہ ان کے پڑھنے والے بھی سی آئی ڈی کی نظروں میں رہتے تھے۔ شہر میں تقسیم کرنے سے پیشتر ان اخباروں کی پڑتال کر لی جاتی تھی۔ بعض دفعہ اخبار ضبط بھی کر لیے جاتے تھے۔ سی آئی ڈی کے لیے کسی بھی شخص کو اخبار پڑھتے دیکھ لینا بہت بڑی خبر ہوا کرتی تھی۔ سیاسی باتیں کرنا جرم تھا۔ دراصل وہ دور گسٹاپو کا دور تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں کی صحافت کیا تھی اور کیا ہو سکتی تھی۔

صحافت کا مرکز

اس سے پیشتر کہ اخبارات کے حالات بیان کیے جائیں، یہاں پر بتا دینا ضروری ہے کہ کوئٹہ اور قلات دونوں ڈویژنوں میں کوئٹہ ہی ایک ایسا مقام ہے جسے صحافت اور ادب کی مرکزیت کا فخر حاصل رہا ہے۔ وادی بولان کے تمام اخبارات کوئٹہ میں ہی چھپتے ہیں اور ان میں سے اکثر یہیں سے شائع ہوتے ہیں۔ دوسرے درجے پر قلات ڈویژن کا شہر مستونگ ہے یہاں سے تیرہ چودہ کے قریب اخبارات شائع ہوئے، مگر ایک آدھ کے سوا سب کوئٹہ میں بھی میں چھپتے ہیں۔

تین ادوار

وادی بولان کی کی صحافت کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور انگریزوں کی حکومت کی ابتدا سے ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کے زلزلے تک۔ اس دور میں یہ اخبارات شائع ہوئے۔

ا۔ منقلی بلوچستان ایڈورٹائزر۔ ۲۔ بارڈرویکلی نیوز۔ ۳۔ بلوچستان گزٹ۔ ۴۔ بلوچستان گزٹ ڈیلی۔ ۵۔ راست گو۔ ۶۔ قندیل خیال۔ ۷۔ بلوچستان ہیرلڈ۔ ۸۔ کوئٹہ نیوز۔ 9۔ نوشیروان ماہنامہ۔

دوسرے دور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء میں یہ اخبارات جاری ہوئے۔ ایڈورٹائزر، کوئٹہ ٹائمز، استقلال، پاسبان، چشمہ، ہماری بہترین کوششیں، دلبستان، الاسلام، اخبار بلوچستان، کوہستان، تنظیم، جمہور، خورشید الحق، دولت بلوچستان سماچار، آئینہ، زمانہ اور نسوانی دنیا۔

تیسرے دور ۱۹۴۷ء سے دسمبر ۱۹۶۴ء تک یہ اخبارات جاری ہوئے:

میزان، پکار، رہبر نسواں، کلمتہ الحق، بولان، پاکستان مرر، نوائے بلوچستان، ترجمان، صداقت، حقیقت، کوہسار، باغ و بہار، معلم، مبلغ، کاروان، تعمیر بلوچستان، ریاست (چلتن) پیغام، دجمہوریت ژرغ، پیغام جدید، شاہین، بچوں کا شاہین، نعرۂ حق، سربان، نوائے وطن، ہلال، خاور، ایثار، روزنامہ اتحاد، قاصد، ارتقاء، دشمن بولان، جمالستان، ہیواد، ظفرالاسلام، پرچم اتحاد، خبرونہ، کارکن، ایلم، بولان ایکسپریس، بلوچستان جدید، ہمارا اسکول، اولس پشتو، اولس بلوچی، اسلامیہ ہائی سکول میگزین، نوکیں دور، اکیڈمی آف اسلامک سٹڈیز نیوز بلیٹن، مجلہ اکیڈمی علوم اسلامیہ، بولان، مینار، بولانیر ڈاک، زرغون، ڈیلی گروپ۔

کل اخبارات

۱۸۸۸ء سے ۱۹۶۴ء تک چھہتر سال کے عرصے میں میں وادی بولان میں اکانوے اخبار۔ رسالے وغیرہ جاری ہوئے۔ ان سارے اخبارات میں سے چوبیس اخبار اور رسالے زندہ ہیں جن میں تیرہ ہفتہ وار، دو پندرہ روزہ، تین روزنامے اور چھ ماہوار سہ ماہی رسالے ہیں۔

پریس ایکٹ

بلوچستان میں انڈیا پریس ایکٹ ۱۸۶۷ء کا نفاذ نہیں تھا بلکہ اخبارات کو نوٹفکیشن ا۔۲۶۵۱ مورخہ ۲۵ جون ۱۸۹۱ء کے تحت اشاعت کی اجازت دی جاتی تھی۔

بارھواں باب

پہلا دور

۱۸۸۸ء سے ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء تک

انگریزوں نے وادی بولان پر ۱۸۷۶ء میں قبضہ حاصل کیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شال کوٹ "میری کوٹ" موجود قلعے کے باہر چاروں طرف آباد تھا۔ قبضے کے کچھ عرصہ بعد موجودہ شہر کی جگہ بستی آباد کی گئی اور اس کا نام کوئٹہ رکھا گیا۔ درہ بولان کے اہمیت کے پیش نظر اس کے سرے پر چھاؤنی ڈال دی گئی۔

ذرائع رسل و رسائل و مواصلات محدود، مشکل اور گراں تھے۔ ان مشکلات کے باوجود بمبئی، کلکتہ، لاہور، علی گڑھ اور آلہ آباد سے اخبار یہاں آنے لگے۔ ان کے یہاں پہنچنے میں ہفتے اور مہینے لگ جاتے تھے اور ان میں یہاں کے حالات بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے یہاں کے اخبار کی ضرورت محسوس کی جو ان کی پھیلتی ہوئی سلطنت کے متعلق خبریں مہیا کیا کرے اور سیاسی خبروں سے پاک ہو۔ صرف انگریز فوجی افسروں کو اپنے دوستوں، احباب، عزیزوں۔ اپنے علاقے، فوج اور سول افسران کی تقرری اور تبادلوں کے متعلق خبریں فراہم کر سکے۔ مگر خبریں مہیا کرنے والے ذرائع گراں، دِقت طلب اور بہت محدود تھے۔

۱۔ دی منتھلی بلوچستان ایڈورٹائزر

سب سے پہلے یہاں "دی منتھلی بلوچستان ایڈورٹائزر" یکم نومبر ۱۸۸۸ء میں جاری ہوا۔ دراصل یہ اخبار تھا نہ رسالہ۔ بلکہ اس پرچے میں صرف اشتہارات ہوا کرتے تھے۔

۲۔ بلوچستان گزٹ

بلوچستان گزٹ کے نام سے یہاں ۱۸۸۸ء میں ہفتہ وار انگریزی اخبار چھپا اس کے ایڈیٹر مسٹر منچر جی (پارسی) تھے جو اس کی ادارت کے فرائض ۱۹۰۸ء تک انجام دیتے رہے۔ اس اخبار کے کئی انگریز اور دو انگریز خواتین مسز بریکٹ اور مسز نالی بھی یکے بعد دیگرے ایڈیٹر رہیں۔ ان کے بعد مسٹر اینسکومب ایڈیٹر مقرر ہوئے جن کے نام سنڈیمن ہسپتال کے مغرب میں ایک سڑک ہے جس کا نام اینسکومب روڈ ہے۔ انگریزوں کے بعد مسٹر فیروز منچر جی اس کے ایڈیٹر رہے۔ اور وہ کوئٹہ کے تباہ کن زلزلے تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ بلوچستان گزٹ میں انگریز فوجی افسروں کے تقرر و تبادلے کی خبریں، اور چھوٹے چھوٹے تجارتی اشتہارات بھی ہوا کرتے تھے۔

۳۔ بارڈر ویکلی نیوز

۲۳ اگست ۱۸۸۹ء میں "بارڈر ویکلی نیوز" کے نام سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار جاری کیا گیا مگر اس اخبار اور "منتھلی بلوچستان ایڈورٹائزر" دونوں کے متعلق اس سے زیادہ معلومات باوجود کوشش کے اب تک حاصل نہیں ہوسکیں۔

۴۔ ڈیلی بلوچستان گزٹ

ڈیلی بلوچستان گزٹ کے نام سے بلوچستان گزٹ ہفتہ وار کو ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم شروع ہونے پر دوسرے ہی دن جاری کر دیا گیا اور تھوڑے دن بعد جب جنگ شباب پر تھی اس کے دو ایڈیشن صبح اور شام شائع ہونے لگے۔ اس میں جنگ کے متعلق تصاویر بھی شائع ہوا کرتی تھی۔ ۱۹۱۵ء میں امروہہ کے خلیل الرحمان صدیقی نے اس کا انتظام سنبھالا۔ یہ پہلے مسلمان تھے جو یہاں کی صحافت میں آئے۔ اس اخبار میں جنگ کے بارے میں خبریں اور پروپگنڈا ہوا کرتا تھا۔

۵۔ راست گو

ڈیلی بلوچستان گزٹ کے چند دن بعد لڑائی کے حالات اور پروپگینڈے کے لیے پہلا اردو روزنامہ "راست گو" کے نام سے جاری کیا گیا۔ یہ ٹائپ میں چھپتا تھا۔ اس کے لیے بمبئی سے رائٹر کی خبریں حاصل کی جاتی تھیں اور بمبئی سے بذریعہ ٹیلی گرام خبریں منگانے کا انتظام تھا۔ انگریزی حکومت کا یہ ترجمان ۱۹۱۸ء میں جب صلح ہوئی تو بند کر دیا گیا اور ڈیلی بلوچستان گزٹ کو سہ روزہ کر دیا گیا اور کچھ دن بعد پھر ہفتہ وار کر دیا گیا۔

۶۔ قندیلِ خیال

چونکہ بلوچستان میں بیسویں صدی کی چوتھائی تک کوئی لیتھو پریس قائم نہیں ہو اتھا اس لیے یہاں علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں بھی نظر نہیں آتی تھیں۔ اردو یہاں تیزی سے پھیلتی جارہی تھی۔ کچھ ادبی ذوق اور شغف رکھنے والے لوگوں نے شعرا کے طرحی کلام اور کچھ ادبی علمی خبروں کی اشاعت کے لیے ۱۹۰۸ء میں ایک مختصر سا رسالہ "قندیل

خیال" کے نام سے لورالائی سے جاری کیا۔اس رسالے کی تدوین وترتیب کے علاوہ اردو کے فروغ کے لیے جولوگ کام کر رہے تھے ان کے نام یہ ہیں: سردار محمد یوسف خان، خان بہادر، نبی بخش خان اسد، مولوی الٰہی بخش، وزیرزادہ عبدالاحد خان اور کرانی کے سید عابدشاہ۔ان کے علاوہ انبالوی ایڈیٹر احسان بھی اردو کے فروغ اور "قندیل خیال" کی ترتیب وتدوین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ وقار صاحب نے اپنے تین تخلص یہاں اختیار کیے۔شاکر، ناظم اور عاصف۔مگر وقار سب پر غالب رہا۔" قندیل خیال "سال سوا سال شائع ہوتا رہا اور ۱۹۰۹ء میں بند ہو گیا۔

۷۔ بلوچستان ہیرلڈ

۱۹۱۸ء میں البرٹ پریس کے منتظمین نے البرٹ پریس سے ایک روزنامہ "بلوچستان ہیرلڈ" کے نام سے جاری کیا۔انگریزی میں چھپتا تھا لیکن پنپ نہ سکا اور انھی دنوں بلوچستان گزٹ ہفتہ وار کر دیا جو ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء تک جاری رہا اور پھر زلزلے کی نذر ہو گیا۔

۸۔ کوئٹہ نیوز

بلوچستان ہیرلڈ کے کچھ دن بعد کرزن پریس کے مالکوں نے ایک ہفتہ وار اخباری انگریزی میں کوئٹہ نیوز کے نام سے جاری کیا مگر اس کا حشر بھی" بلوچستان ہیرلڈ "جیسا ہوا۔

۹۔ ماہنامہ نوشیروان

۱۹۳۰ء میں ادبی، علمی، تعلیمی ماہنامہ "نوشیروان" کے نام سے اردو میں جاری ہوا۔اس کے ایڈیٹر صحرائی سروری تھے جن کا اصل نام بلدیرائے سہائے تھا۔اس رسالے کی ترتیب و تدوین میں مسٹر مدحت زبیری اور افاس مرحوم کا بہت حصہ تھا۔ یہ ماہنامہ ۳۱مئی ۱۹۳۵ء کے بعد بند ہو گیا۔اس رسالے کا ٹائٹل کا صفحہ نیلے رنگ میں چھپتا تھا اور اس پر جام کی مناسبت سے ترازو کی تصویر ہوا کرتی تھی۔

تیرھواں باب

دوسرا دور

۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک

۱۹۳۵ء کے تباہ کن زلزلے کے وقت کوئٹہ کی آبادی پچاس ہزار سے کچھ زیادہ تھی اورلزلے کے متعلق ایک سرکاری رپورٹ کی رو سے پینتیس سے چالیس ہزار کے درمیان آبادی لقمہ اجل بنی۔ بچے کچے لوگ ہندوستان کے مختلف شہروں میں ایک سال گذار کر واپس لوٹے۔شہر صاف کر دیا گیا تھا اور پھر اسی مقام پر شہر کا ایک ایک مکان، دکان تعمیر کی گئیں، پابندیاں بدستور تھیں لیکن دس پندرہ ہزار لوگ ہندوستان کے مختلف شہروں میں رہ کر سیاسی طور بیدار ہو کر اور سیاست سے واقف ہو کر آئے تھے۔اس لیے سیاسی بیداری کو نہیں روکا جا سکتا تھا۔سیاسی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو صحافت میں بھی بیداری کے آثار نمودار ہونے لگے اور یکے بعد دیگرے اخبارات شائع ہونے لگے۔ گو دوسرے دور میں بھی اخبارات پر نگرانی موجود تھی مگر اس میں نرمی تھی۔ دوسرے دور کی کل مدت تقریباً دس سال ہے مگر اس دور میں پہلے دور کی نسبت تقریباً تین گنا اخبارات و رسائل جاری ہوئے، جبکہ پہلے دور کی مدت پچاس سال تھی اور اس میں کل نو اخبار جاری ہوئے تھے۔

۱۔ ایڈورٹائزر

زلزلے کے بعد سب سے پہلا اخبار ۱۹۳۶ء میں البرٹ پریس نے ایڈورٹائزر کے نام سے ہفتہ وار جاری کیا۔ انگریزی میں شائع ہونے والے اس پرچے میں صرف اشتہارات ہوا کرتے تھے جو بہت مختصر ہوتے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں اس پرچے کو بند کردیا گیا۔

۲۔ کوئٹہ ٹائمز

۱۹۳۸ء میں ایڈورٹائزر کی جگہ ہفتہ وار کوئٹہ ٹائمز انگریزی میں جاری کیا گیا۔ یہ پرچہ پہلے پرچے سے زیادہ ضخیم اور بہتر تھا۔ اس نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ یہ اخبار اب بھی مسٹر شادک رستم جی کی ادارت اور زیرنگرانی باقاعدہ جاری ہے۔ یہ واحد انگریزی ہفتہ وار اخبار ہے جسے سب سے قدیم ہونے کا شرف حاصل ہے۔

۳۔ استقلال

جنوری ۱۹۳۸ء میں عزیز پریس سے ہفتہ وار اردو استقلال کے نام سے جاری ہوا۔ اس اخبار کی پالیسی کانگریس کی حمایت اور انجمن وطن اور نیشنل پارٹی کی ترجمانی تھی۔ اس کے سب سے بڑے ایڈیٹر قدوس صہبائی تھے۔ پھر عبدالصمد خان اچکزئی نے جو بلوچستانی گاندھی مشہور تھے، اس کی ادارت کی۔ ان کے بعد اللہ بخش سلیم ایڈیٹر بنے۔ پھر شیر محمد خان مدیر مقرر ہوئے۔ ان کے بعد محمد یعقوب غلزئی اور محمد حسن نظامی نے ادارت کے فرائض سرانجام دیے۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۷ اگست ۱۹۵۰ء تک عبدالصمد خان درانی اس کے ایڈیٹر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد اس کی پالیسی شدید ہوگئی اور مخالفت شروع ہوگئی۔

1951ء میں یہ اخبار بند ہو گیا۔ یہ پرچہ اپنی پالیسی کی مناسبت سے معیاری پرچہ تھا۔ آخر میں عبدالصمد خان درانی کو اس پرچے کی بجائے کوئی آزاد پالیسی کا پرچہ مل جاتا تو یہاں کی صحافت کا معیار بلند کرنے کے لیے وہ بڑی اہم نئی راہوں سے روشناس کراتے۔ اس میں پشتو مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔

۴۔ دی نیوز کوئٹہ

طلبا کے لیے پہلا ماہنامہ ۱۹۳۸ء میں اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ نے اردو اور انگریزی میں جاری کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر خواجہ عبدالحیٔ اور اسسٹنٹ ایڈیٹر و مینجر کمال الدین احمد تھے (جو ان دنوں اس اسکول میں سکول کلرک تھے) دو سال بعد خواجہ عبدالحیٔ فوج میں چلے گئے اور کمال الدین احمد محکمہ تعلیم میں لے لیے گئے تو یہ رسالہ بند ہو گیا اور اس کے فارغ التحصیل طلبا بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے اور شہرت حاصل کی۔ بچوں کے لیے پہلا ماہنامہ بھی اسی ادارے نے جاری کر کے مثال قائم کی۔ یہ رسالہ نہ صرف دلچسپ تھا بلکہ اس کے صفحات بیش بہا معلومات۔ اور اکثر بچوں کے اپنے مضامین سے مزین ہوا کرتے تھے۔ اس کا سالانہ چندہ صرف دو روپے ہوا کرتا تھا۔

۵۔ پاسبان

ہفتہ وار اخبار "پاسبان" کے نام سے جون ۱۹۳۹ء میں جاری ہوا، بعد میں اسے پندرہ روزہ کر دیا گیا۔ اس اردو میں پرچے کے ایڈیٹر اور مالک مولوی محمد عبداللہ اور اسسٹنٹ ایڈیٹر مولوی عبدالاحد ہیں۔ "پاسباں" یہاں کا ایک ایسا پندرہ روزہ ہے جسے اخبار اور میگزین دو سال دونوں نام دیے جا سکتے ہیں۔ اس پرچے کا معیار شروع سے اب تک قائم ہے۔ اس کی ضخامت کے لحاظ سے اس میں مختلف نوع کے کافی کالم ہوتے ہیں۔ مولونا محمد عبداللہ کی وفات کے بعد اس کے ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر مولانا عبدالاحد ہیں۔

۶۔ چشمہ

"چشمہ" کے نام سے ۱۹۳۹ء میں سرکاری اور پرائیویٹ پرائمری اسکولوں کے طلبا اور طالبات کے لیے محکمہ تعلیم نے پندرہ روزہ اردو رسالہ جاری کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مسٹر سالک، ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز تھے۔ یہ چار صفحات کا رسالہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لیے دلچسپ کہانیاں، لطیفے اور دیگر معلومات فراہم کیا کرتا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں یہ رسالہ بند کر دیا گیا۔

۷۔ ہماری بہترین کوششیں

"ہماری بہترین کوششیں" کے نام سے ۱۹۳۹ء میں خالصہ ہائی اسکول کے طلبا کے لیے اردو رسالہ شائع ہوا تھا۔ غالباً سال میں ایک بار شائع ہوتا تھا۔ اس کے انگریزی حصے کا نام (OUR BEST EFFORT) "آور بیسٹ ایفرٹس" تھا۔

۸۔ دلبستان

"دلبستان" بھی ۱۹۳۹ء میں سرکاری اور غیر سرکاری مڈل اور ہائی اسکولوں کے طلبا اور طالبات کے لیے اردو، انگریزی ماہوار رسالہ جاری کیا گیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر اور نگران سید انور علی شاہ (مرحوم) ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۴۳ء میں بند کر دیا گیا۔

۹۔ الاسلام

۱۹۳۶ء میں بلوچستان مسلم لیگ قائم ہو چکی تھی لیکن اس جماعت کا یہاں کوئی ترجمان نہیں تھا۔ ۱۹۴۰ء میں مولانا ابوالجمیل عبدالکریم صاحب کی ادارت میں مسلم لیگ کا یہ ترجمان الاسلام کے نام سے جاری ہوا۔ ہفتہ وار اردو پرچہ تھا۔ مولانا عبدالکریم اسلامیات، عربی، فارسی اور اردو کے عالم تھے۔ انھوں نے اپنے علمی تبحر اور محنت سے اسے ایک معیاری

اور ہر دلعزیز اخبار بنایا۔ حصول پاکستان کے لیے جدو جہد شروع ہو چکی تھی۔ الاسلام نے اس سلسلہ میں بہت کام کیا۔ مولانا عبدالکریم کا تعلیمی تجربہ اور سیاسی سوجھ بوجھ اس چار چاند لگاتی رہیں۔ اس میں آل انڈیا مسلم لیگ اور مقامی صوبائی خبریں ہوا کرتی تھیں۔ کانگریس اور دیگر نظریہ پاکستان کی مخالف جماعتوں کے اعتراضات کے مدلل جواب اور تعلیمی اور معلوماتی مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں جب مولانا عبدالکریم نے اپنا ذاتی پرچہ ہفتہ وار "میزان" کے نام سے جاری کیا تو اس کے ایڈیٹر فضل احمد غازی مقرر ہوئے۔ انھوں نے اس اخبار کو خوبی سے چلانے اور اس کا معیار بلند رکھنے کی کوشش کی وہ دو سال تک ایڈیٹر رہے۔ ان کے بعد ایوب احمد کرمانی الاسلام کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس کے ایڈیٹر شبیہ الحسن اور ان کے کچھ دن کے بعد کریم الدین احمد اس کے ایڈیٹر رہے۔ بعد میں یہ پرچہ بند ہو گیا۔ مسلم لیگ کے اس پہلے ترجمان کے پروپرائیٹر، پرنٹر اور پبلشر قاضی محمد عیسیٰ خان صدر بلوچستان مسلم لیگ تھے۔

۱۰۔ اخبارِ بلوچستان

یہ ہفتہ وار اخبار محکمہ اطلاعات بلوچستان نے جاری کیا تھا۔ حکومت کا ترجمان تھا۔ ۱۹۵۵ء میں اسے بند کر دیا گیا۔ اس میں حکومت کے ہینڈ آؤٹ اور پریس نوٹ شائع ہوا کرتے تھے اور مسٹر سلطان محمد نیازی انفارمیشن آفیسر کی نگرانی میں شائع ہوا کرتا تھا۔

۱۱۔ کوہستان

۱۹۴۰ء کے آخر میں کوہستان کے نام سے خان آف قلات نواب میر احمد یار خان نے ایک ہفتہ وار اخبار اردو میں جاری کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر محی الدین قائد تھے۔ اس کے صرف چند پرچے شائع ہوئے پھر بند گیا۔ یہ قلات سٹیٹ کا سرکاری ترجمان تھا۔

۱۲۔ تنظیم

یہ اخبار میر جعفر خان جمالی نے اردو ہفتہ وار جاری کیا تھا اور اس کے ایڈیٹر نسیم حجازی تھے جو بعد میں کوہستان کے ایڈیٹر بنے۔ نسیم حجازی صاحب کے بعد اس کے ایڈیٹر مسٹر رشید بھٹی بنے اور پھر ۱۹۴۹ء میں محمد حسن نظامی اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ بعد میں ۱۹۵۷ء میں وہی اس کے ایڈیٹر اور مالک بنے۔ یہ اخبار اب تک جاری ہے۔

۱۳۔ جمہور

۱۹۴۵ء میں ہفتہ وار اردو پرچہ ملک محمد اعظم خان نے جاری کیا تھا۔ یہ پرچہ طلبا کی فیڈریشن کا ترجمان تھا۔ اس کے ایڈیٹر مسٹر محمد رفیق خان پراچہ تھے اور اسسٹنٹ ایڈیٹر کچھ دن سلیم جہانگیر بھی رہے۔ یہ پرچہ ۱۹۵۳ء میں بند ہوا۔ اس کے ادارہ تحریر میں مسٹر مسعود غزنوی اور ملک عبدالرؤف بھی شامل رہے۔ سب سے پہلے اس میں کام مسٹر مسعود غزنوی نے کیا تھا۔

۱۴۔ خورشید

طلبا کی فیڈریشن کا یہ دوسرا ترجمان یکم ستمبر ۱۹۴۶ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مسٹر فضل احمد غازی تھے۔ یہ پرچہ ۱۹۵۰ء میں بند ہوا۔ یہ ہفتہ وار اردو پرچہ تھا۔ اس کے مدیر معاون بھی مسٹر سلیم جہانگیر تھے۔ پشتو کے مضامین بھی چھپا کرتے تھے۔ عبدالحق بوستانی ترتیب دیا کرتے تھے۔

۱۵۔ الحق

بستی دلہادی خان ضلع سبی سے ۱۹۴۰ء میں میر عطا محمد خان مرغزانی نے ہفتہ وار جاری کیا جو کسی خبر کی اشاعت پر دو ہزار روپے ضمانت نہ ادا کرنے کی صورت میں بند کر دیا گیا۔ ملک محمد رمضان نے بھی اس پرچے میں کام کیا تھا۔ عطا اللہ بخاری اور میر خداداد بھی مدیر اور نائب مدیر رہے۔

۱۶۔ دولت

ہفت روزہ دولت اردو اخبار ایک ہندو نے ۱۹۴۶ء میں جاری کیا تھا اس کے ایڈیٹر کا نام دولت رام تھا۔ یہ اخبار کانگریس کا ترجمان تھا۔ تھوڑے دن جاری رہنے کے بعد یہ پرچہ بند ہو گیا۔

۱۷۔ بلوچستان سماچار

بلوچستان سماچار ہفتہ وار اخبار اردو میں سول ملٹری پریس کے مالک گوچرن داس ڈھوڈی نے ہندو اور سکھوں کی ترجمانی کے لیے شائع کیا تھا۔ اس کی پالیسی مہا سبھائی تھی ۱۹۴۶ء میں جاری ہوا اور قیام پاکستان پر گورچرن داس ڈھوڈی بھارت چلا گیا۔ اور یہ کانگریس کا ترجمان بند ہو گیا۔ اس کا اپنا پریس تھا۔

۱۸۔ آئینہ

مسٹر نثار احمد محشر اس کے مدیر تھے، یہ پرچہ تقریباً دو سال جاری رہا اور پھر بند ہو گیا۔

۱۹۔ زمانہ

مسٹر برکت علی آزاد نے جون ۱۹۴۷ء میں زمانہ کے نام سے ایک ہفتہ وار اردو اخبار جاری کیا۔ کچھ دن اس کی ادارت کرتے رہے۔ پھر ان کے بعد اس کے ایڈیٹر مسٹر محمود احمد بھی رہے جو یہاں اس وقت "ڈیلی ڈان" کے نمائندے تھے۔ پھر یہ پرچہ سید فصیح اقبال کے سپرد ۱۹۵۳ء میں کیا مگر کچھ عرصہ بعد اسے سہ روزہ کر دیا گیا۔ پھر یہ ہفتہ وار ہوا۔ آخر کار جون ۱۹۶۰ء میں اسے باقاعدہ روزنامہ کر دیا گیا۔ اس کا اپنا پریس ہے۔ اس اخبار میں یہاں کے ان حضرات نے کام کیا۔ مسٹر عبدالکریم شورش، مسٹر کامل قادری، مسٹر جاوید احمد، مسٹر تاج نعیم، مسٹر اختر علی خان، مسٹر شعیب حزین، مسٹر غریق احمد، مسٹر ارشاد علی راؤ، مسٹر فرحت، مسٹر عبدالرحمان غور، عبدالصمد ذاکر، عزیز بھیٹچ، پرویز چشتی، محمد اصغر، زمرد حسین، صلاح الدین ناسق اور عظیم سرور فیچر رائٹر، نذیر احمد آرٹسٹ ہیں۔ اس اخبار کے کراچی، لاہور، حیدرآباد، جیکب آباد، سبی میں بزنس کارسپانڈنٹ اور رپورٹر مقرر رہیں۔

۱۹۔ نسوانی دنیا

مولوی محمد شریف ایڈیٹر حقیقت نے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا تھا۔ یہ پرچہ غالباً سال بھر جاری رہا۔ اس کے بعد بند ہو گیا۔

چودھواں باب

تیسرا دور

اگست ۱۹۴۷ء تا دسمبر ۱۹۶۴ء

وادی بولان کی صحافت کا تیسرا دور قیام پاکستان سے شروع ہو کر دسمبر ۱۹۶۴ء تک ہے۔ اس دور میں تو یہاں صحافت کی تاریخ روز بروز ضخیم ہوتی چلی گئی۔ پہلا دور پچاس سال کی مدت کا تھا۔ اس میں کل نو اخبار جاری ہوئے۔ دوسرا دور دس سال کا ہے اس میں کل بیس اخبار جاری ہوئے۔ تیسرا دور سترہ سال کا ہے اس میں اکسٹھ اخبار جاری ہوئے۔ تیسرے دور کے ہر اخبار کا مختصر حال درج ذیل ہے۔

ا۔ میزان

تیسرے دور میں سے پہلا اخبار یکم ستمبر ۱۹۴۷ء میں مولانا ابوالجمیل عبدالکریم صاحب نے "میزان" کے نام سے جاری کیا۔ یہ ہفتہ وار اردو اخبار ہے۔ اس کو جاری رکھنے اور اس کی اشاعت بڑھانے میں مولانا صاحب نے بہت محنت کی اور استحکام پاکستان، پاکستان کے ترقیاتی کاموں کی تشہیر اور عوام کی ترجمانی کے فرائض انجام دیے۔ انھوں نے اپنی متوازن پالیسی رکھی۔ دسمبر ۱۹۴۸ء سے جون ۱۹۵۳ء تک کمال الدین احمد اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔ آج کل اس کے ایڈیٹر مسٹر جمیل الرحمن ہیں جو مولانا عبدالکریم کے بڑے صاحبزادے ہیں۔

۲۔ پکار

خواجہ عبدالکریم بٹ نے نومبر ۱۹۴۷ء میں ہفتہ وار اردو پرچہ جاری کیا۔ یہ اخبار خاکسار اصولوں کا ترجمان ہے۔ اور اس کی تنقید مدلل اور بے باک ہوتی ہے۔ یہ پرچہ دو ماہ بعد بند رہ کر پھر جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر نے اشتہارات حاصل کر کے پرچے کو ترقی دینے کی کوشش کی۔

۳۔ کلمہ الحق

" کلمتہ الحق" کے نام سے ایک ہفتہ وار اردو اخبار ۱۹۴۸ء میں کراچی سے پھر ۱۹۵۰ء میں سبی سے عطا محمد مرغزانی مرحوم نے جاری کیا۔ یہ پرچہ اب بند ہے۔ اس میں محمد عثمان ڈ۔ پ۔ ایڈ، ملک محمد رمضان اور کامل القادری نے بھی ادارت کے فرائض سرانجام دیے۔

۴۔ رہبر نسواں

رہبر نسواں ۱۹۴۸ء میں مسٹر اللہ رکھا جمالی نے ماہنامہ جاری کیا۔ کچھ عرصہ بعد پندرہ روزہ ہوا اور اب ہفتہ وار ہے۔ یہ اخبار خواتین کی ترجمانی کے لیے جاری ہوا تھا۔ اس اخبار میں مندرجہ ذیل خواتین علی الترتیب خاتون ایڈیٹر رہیں: مس لطیفہ، شیریں دوتانی، ذکیہ فضل الٰہی، صفیہ ایوب اور شکیلہ بیگم۔

۵۔ بولان

۱۹۴۸ء میں مستونگ سے مسٹر محمد حسن نظامی نے بولان نام سے ہفتہ وار اردو پرچہ جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر محمد حسین عنقا بھی رہے مگر یہ کچھ عرصہ بند ہو گیا۔ اس نام سے کراچی سے بھی ایک ہفتہ وار اخبار جاری ہوا تھا۔

۶۔ پاکستان مرر

مسٹر مطیع الرحمان نے ہفتہ وار انگریزی اخبار "پاکستان مرر" کے نام سے جاری کیا۔اس کے کل چار پانچ پرچے شائع ہوئے۔ پھر مالی مشکلات کی بنا پر جاری نہ رکھا جا سکا۔مسٹر مطیع الرحمان نے ایک مرتبہ کتابت کے مسطر پر اخبار ہاتھ سے لکھا اور اسے لیتھو پریس پر چھپوایا مگر یہ تجربہ کامیاب نہ رہا۔مسٹر مطیع الرحمان ایک ہونہار اور قابل صحافی تھے۔ مگر مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ ناکام رہے۔

۷۔ نوائے بلوچستان

یہ ہفتہ وار اخبار فروری ۱۹۴۹ء میں جاری ہوا۔اس کے مالک میر نبی بخش زہری تھے۔اس کے پہلے ایڈیٹر مسٹر کمال الدین احمد، پھر گل خان نصیر اور غلام محمد شاہوانی ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ کچھ دن بعد یہ پرچہ بند کر دیا گیا۔اس کے متعلق اہلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس اخبار کا پہلا پرچہ ضمیمے کی صورت میں شائع ہوا تھا۔

۸۔ ترجمان

قاضی نور الحق خان نے جون ۱۹۴۹ء میں ایک ہفتہ وار اردو پرچہ پہلے سبی سے بعد میں کوئٹہ سے شائع کیا۔ایک معیاری پرچہ تھا۔ بعد میں بند ہو گیا۔قاضی نوالحق خان بھی قابل اور ذہین ایڈیٹر تھے۔

۹۔ صداقت

یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۵۰ء میں رشید ملک نے جاری کیا۔ پھر اسے نواب بگٹی نے لے لیا۔اور ایک ایسے شخص کے حوالے کیا جو یہ جانتا ہی نہ تھا کہ اخبار نویسی کیا ہوتی ہے۔ پھر اس کے کئی ایڈیٹر مقرر ہوئے۔آخر میں اس کے ایڈیٹر شمیم مسعود نے بقول ان کے اس

اخبار کی توسیع واشاعت کی بہت کوشش کی اور جب اخبار ذرا چمکا تو اس وقت کے مالک منافع کے لالچ میں برابر کے شریک ہو گئے مگر اپنے حصے کے کام میں مسلسل کوتاہی کرتے رہے۔ ان حالات میں شمیم مسعود بددل ہو گئے اور پھر یہ پرچہ مئی ۱۹۶۳ء میں بند ہو گیا۔

۱۰۔ حقیقت

یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۹۵۰ء میں پہلے سبی سے اور پھر بھاگ سے شائع ہونے لگا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر مولوی محمد شریف تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ پرچہ بند ہو گیا۔

۱۱۔ کوہسار

مولوی عبدالعزیز نے ۱۹۵۰ء میں ماہنامہ جار کیا۔ پھر پندرہ روزہ ہوا۔ اب ہفتہ وار ہے۔

۱۲۔ باغ وبہار

اس نام سے فیض اللہ انصاری نے ۱۹۵۰ء میں بچوں کا ماہنامہ جاری کیا تھا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ لہٰذا اسے ہفتہ وار پرچے میں تبدیل کر دیا گیا جو ۱۹۵۸ء میں بند ہو گیا۔

۱۳۔ معلم

مولانا عبدالباقی خان درخانی نے ۱۹۵۰ء میں سریاب سے ماہنامہ جاری کیا۔ مگر ۱۹۶۱ء میں بند ہو گیا۔ یہ اردو میں شائع ہوتا تھا۔

۱۴۔ مبلغ

مولانا عبدالغفور درخانی نے ۱۹۵۰ء میں مستونگ سے جاری کیا۔ یہ ماہنامہ بھی ۱۹۱۶ء میں بند ہو گیا۔ یہ اردو میں شائع ہوتا تھا۔

۱۵۔ کاروان

مسٹر عبدالحئی نے ۱۹۵۰ میں پندرہ روزہ جاری کیا۔ کچھ عرصہ بندرہا۔ اب دوبارہ جاری ہوا ہے۔ اس کے بھی کئی ایڈیٹر رہے۔

۱۶۔ تعمیر بلوچستان

مسٹر گل محمد ایروی نے ۱۹۵۲ء میں مستونگ سے ہفتہ وار اردو میں جاری کیا۔ اب تک باقاعدہ جاری ہے۔ پہلے یہ اخبار حیدر آباد سے نکلتا تھا۔ بعد میں مستونگ آیا۔ آج کل اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر دلی رام حاجی شہری ہیں۔ حیدر آباد سے کوئٹہ لاکر شائع کرنے کی کوشش ناکام رہی تو مستونگ سے شائع کیا۔

نوٹ:۔ یہ وادی بولان صحافت میں ۱۹۵۰ء میں ایک ایسا سال تھا جس میں آٹھ نئے اخبار صرف ایک سال میں جاری ہوئے۔

۱۷۔ پیغام

پیغام جون ۱۹۵۱ء میں عبدالصمد خان درانی کی ادارت میں ہفتہ وار جاری ہوا۔ یہ ایک معیاری پرچہ تھا۔ یہ ۱۹۵۶ء میں بند ہوگیا۔ اس کے مالک پہلے حاجی یوسف مالک اسلامیہ پریس تھے۔ بعد اس کے مالک میر شاہباز خان نوشیروانی بنے۔

۱۸۔ جمہوریت ژغ

۱۹۵۱ء میں پشتو ماہوار رسالہ جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر سید محمد میوند افغانستان کے پاکستان میں پناہ گزین تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۵۳ء میں بند ہوا۔ پشتو کا یہ پہلا رسالہ تھا۔

۱۹۔ پیغام جدید

۱۹۵۲ء میں یہ ہفتہ وار عبدالصمد خان درانی کی ادارت میں جاری ہوا۔ یہ ہفتہ وار پرچہ ۱۹۵۴ء میں بند ہوا۔

۲۰۔ شاہین

شاہین کے نام سے ۱۹۵۲ء میں سید منظور شاہ بخاری مرحوم نے ایک ادبی ماہنامہ جاری کیا تھا جس کے صرف تین پرچے چھپے پھر دیکھنے میں نہیں آیا۔

۲۱۔ بچوں کا شاہین

جن دنوں شاہین کا ڈیکلریشن داخل ہوا، انھی دنوں کمال الدین احمد نے بچوں کے ماہنامے کا ڈیکلریشن "شاہین" کے نام سے داخل کیا تھا اور جب فروری ۱۹۵۲ء میں اس کے دو پرچے شائع ہو چکے تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دفتر کو اپنی غلطی محسوس ہوئی کہ انھوں نے ایک نام کے دو رسالوں کی منظور دے دی ہے۔ اس وقت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خان بہادر شیر زمان خان تھے۔ انھوں نے اثر و رسوخ سے متاثر ہو کر بچوں کے ماہنامے شاہین کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا اور کسی دوسرے نام سے ڈیکلریشن داخل کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ کمال الدین احمد نے "بچوں کا شاہین" کے نام سے دوسرا ڈیکلریشن داخل کیا اس طرح رسالے کے ٹائٹل کا پانچ رنگا بلاک ضائع ہوا جو بنوا لیا گیا تھا۔ حالانکہ شاہین بتیس صفحات پر باقاعدہ شائع ہوتا تھا اور جب کمال الدین احمد نے جون ۱۹۵۳ء میں روزنامہ اتحاد کی ادارت سنبھالی تو کام اور مصروفیت ہونے کی وجہ سے یہ رسالہ جاری نہ رکھا جا سکا۔ اور اگست ۱۹۵۳ء میں بند ہو گیا۔ اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مسٹر شمیم مسعود تھے۔

۲۲۔ نعرۂ حق

یہ پرچہ سکھر سے ۱۹۳۹ء میں جاری ہوا۔ یہ پرچہ غالباً اپریل ۱۹۵۲ء میں سکھر سے کوئٹہ آیا۔ یہ بیک وقت کوئٹہ اور سکھر سے شائع ہوا کرتا تھا۔اس کے ایڈیٹر میاں گلزار محمد تھے۔۲۲ جولائی ۱۹۶۲ء سے یہ روزنامہ ہوا۔ باقاعدہ جاری ہے۔اس کے مینیجنگ ایڈیٹر مسٹر افتخار یوسف ہیں جو میاں محمد گلزار کی وفات کے بعد اس کے مالک و مدیر بنے۔

۲۳۔ ریاست

گوربخش لال کالڑا نے اردو میں اس نام سے مستونگ سے جاری کیا۔مگر بھارت کے ریاست کے ایڈیٹر دیوان سنگھ مفتون نے انھیں نوٹس دیا تو بعد میں اس کا نام بدل کر چلتن رکھ دیا گیا۔ ریاست جون ۱۹۵۳ء میں جاری ہوا تھا۔اس کے مدیر معاون رفیق راز تھے۔اسی سال بند ہوا۔

۲۴۔ چلتن

اگست ۱۹۵۳ء میں ریاست کے بدلے جاری ہوا۔اس کے ایڈیٹر اور مالک گوربخش لال کالڑا تھے اور اسسٹنٹ ایڈیٹر رفیق راز۔ یہ ہفتہ وار ۱۹۵۴ء میں بند ہوا۔ مسٹر انجم قزلباش اس کے ایڈیٹر رہے۔

۲۵۔ ساربان

ساربان ملک محمد رمضان بلوچ نے ۱۹۵۳ء میں مستونگ سے ہفتہ وار اردو میں جاری کیا۔ یہ ہفتہ وار اب تک باقاعدگی سے جاری ہے ۔اور قلات کے عوام کی اچھی ترجمانی کررہا ہے۔

۲۶۔ ہلال

ڈاکٹر صلاح الدین نے ہفتہ وار اردو اخبار "ہلال" کے نام سے جاری کیا۔ اس کے کئی ایڈیٹر رہے۔ خواجہ محمد فاروق بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔ مگر آخر میں ایسا ایڈیٹر مقرر ہوا جس نے یہاں کی صحافت اور صحافیوں کو بدنام کیا۔ آخر کار مسٹر صلاح الدین نے اس کی کارستانیوں کی بنا پر اسے برطرف کردیا۔ یہ اخبار ۱۹۵۶ء میں بند ہوگیا۔

۲۷۔ خاور

۱۹۵۱ء میں آثم ملک نے جاری کیا تھا۔ ہفتہ وار اردو مہاجرین کا ترجمان تھا۔ اس کے ایڈیٹر حافظ انوار الہدیٰ اور مسز مریم آثم ملک تھیں۔ بعد میں کامل القادری مدیر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ بند ہوگیا۔ یہ رسالہ مہاجرین کی آبادکاری کے ساتھ ساتھ مقامی تہذیب وتمدن کی نشونما اور نشاۃ کے لیے کوشاں رہا۔

۲۸۔ ایثار

آثم ملک نے دوسرا ہفتہ وار اردو پرچہ مہاجرین کی ترجمانی کے لیے "ایثار" کے نام سے ۱۹۵۳ء میں جاری کیا۔ یہ اخبار بیگم آثم ملک اور مسٹر کامل القادری کی ادارت میں شائع ہوا تھا۔ یہ اخبار بھی اواخر ۱۹۵۴ء میں بند ہوگیا۔

۲۹۔ روزنامہ اتحاد

قیام پاکستان کے بعد آزادی کی فضا میں پہلا روزنامہ تھا جو ۱۵ جولائی ۱۹۵۳ء میں جاری ہوا۔ اس کے مینیجنگ ایڈیٹر خلیل الرحمان صدیقی تھے۔ ایڈیٹر کمال الدین احمد، اسسٹنٹ ایڈیٹر غلام محمد شاہوانی اور مینیجر شمیم مسعود صدیقی تھے۔ اور اس کے کارٹونسٹ اور تصویری کہانی کے مصور ضیا صدیقی تھے۔ یہ اخبار چودہ ماہ تک باقاعدہ جاری اور اس کی

اشاعت دو ہزار سے زیادہ تھی ۔ بازار میں اس کی خوب مانگ تھی۔ اس کے دونوں ایڈیٹروں نے پہلے تین ماہ بلا تنخواہ کام کیا تھا۔اور جب یہ پرچہ چل نکلا تو انھوں نے تنخواہ لینا منظور کیا۔ یہ سیاسی کم اور کمرشل زیادہ تھا۔ پرچہ سو فیصد منافع دے رہا تھا کہ دونوں ایڈیٹروں نے سٹاف میں دو آدمیوں کا اضافہ کرنے کے لیے کہا۔مگر خلیل الرحمان صدیقی نے کوئی توجہ نہیں دی۔اس پر ۳۱ اگست ۱۹۵۴ء کو دونوں ایڈیٹروں نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ پھر بھی ان کے مطالبہ منظور نہ ہوا۔کام بہت زیادہ تھا اور اس کا اثر دونوں ایڈیٹروں کی صحت پر بہت برا پڑ رہا تھا۔مجبوراً دونوں ایڈیٹر علیحدہ ہو گئے۔اسی روز یہ اخبار یعنی یکم ستمبر کو ہفتہ وار کر دیا گیا۔اسے چلانے کی کوشش کی گئی اور مسٹر شمیم مسعود، خواجہ محمد فاروق اور جاوید احمد بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔مگر یہ پرچہ جاری نہ رہ سکا۔روزنامے کی حیثیت سے ایک معیاری پرچہ تھا اور بہت مقبول تھا۔اس اخبار میں "اندھیرے اجالے" کے عنوان سے مزاح وطنز کا کالم مرزا گلخند کے نام سے مسٹر نظر محمد لکھا کرتے تھے۔اس پرچے کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۶۳ء تک جب اسے بند ہوئے نو سال ہو چکے تھے، اس میں اشاعت کے لیے اشتہارات آتے رہے۔ "روزنامہ اتحاد" کے یہاں کے کہنہ مشق شاعر ارشد امروہی صاحب قطعہ نویس تھے۔ وحدت مغربی پاکستان کی حمایت میں وادی بولان میں سب سے پہلا اداریہ اتحاد میں شائع ہوا تھا۔

۳۰۔ نوائے وطن

غلام محمد شاہوانی مرحوم نے ۱۹۵۳ء میں ہفتہ وار اردو میں نوائے وطن کے نام سے جاری کیا۔اس ذہین اور زیرک ایڈیٹر کی ادارت میں اس اخبار نے بہت ترقی کی، لیکن کچھ عرصہ بعد ایک مراسلے کی اشاعت کے سلسلے میں جو ایک ڈاکٹر کے خلاف تھا، ذریعہ اطلاع نہ بتانے پر مقدمہ قائم کیا گیا۔ادھر غلام محمد شاہوانی نے نسائیت کے احترام اور عفت کے مدنظر سزا بھگتنا مناسب سمجھا اور مراسلہ نگار کا نام نہیں بتایا۔اور اس تاریخی

مقدمے میں مرحوم کو سزا ہو گئی۔ مرحوم نے جرمانے کے بدلے سزا بھگتنے کی کوشش کی مگر ان کے ماموں حاجی محمد حسین نے ان کی ضمانت داخل کر کے رہائی دلائی۔ اس سے پیشتر غلام محمد شاہوانی روزنامہ "اتحاد" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اور ہفتہ وار میزان میں بھی کام کر چکے تھے۔ مقدمے کی وجہ سے نوائے وطن بند کر دیا گیا تھا اور دوبارہ جاری نہ ہو سکا۔ کچھ دن بعد غلام محمد شاہوانی اپنڈ لیسائٹ کے آپریشن کے بعد جوانی میں فوت ہو گئے، غلام محمد شاہوانی مرحوم ایک عظیم صحافی تھے۔ ان کے ہم پلہ صحافی اب تک وادی بولان کو نصیب نہیں ہوئے۔ وہ بے باک اور حق باز ایڈیٹر تھے۔

۳۱۔ قاصد

۱۹۵۳ء میں "قاصد" ہفتہ وار جاری ہوا۔ یہ اخبار جماعت اسلامی کی ترجمانی کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر فتح محمد خان اور مسٹر تاج محمد نعیم تھے۔ اور پرچہ بے قاعدہ تھا۔ ۱۹۵۶ء میں مسٹر ابراہیم خلیل نے یہ پرچہ حاصل کیا اور غیر جانب دار آزاد پالیسی کی بنیاد پر اسے شائع کرنا شروع کیا۔ سات سال تک مسٹر ابراہیم اسے ہفتہ وار شائع کرتے رہے اور بہت جدوجہد کی۔ آخر کار دس مئی ۶۳ء کو انھوں نے اسے روزنامہ کیا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ چوتھا اور ون یونٹ کے بعد تیسرا روزنامہ ہے۔ اس کا اپنا شاندار دفتر ہے جو جناح روڈ پر واقع ہے۔

۳۲۔ ارتقا

یہ پہلا اخبار سید علی نظامی نے ۱۹۵۳ء میں جاری کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ماہنامہ بنا اور پھر ۱۹۵۷ء میں بند ہو گیا۔ اس کے ایڈیٹر نے اس اخبار کے ذریعے یلو جرنلزم سے یہاں کی صحافت کو بدنام کیا اور وہ کچھ دن بعد یہاں سے چلا گیا۔

(نوٹ) ۱۹۵۳ء میں یہاں سے دس اخبار جاری ہوئے۔

۳۳۔ دشمن

۱۹۵۴ء میں "دشمن" کے نام سے عزیز اللہ حیدرآبادی نے ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔اس صحافی نے ہلال سے زیادہ اپنے اس اخبار کو بلیک میلنگ کے لیے کھلم کھلا استعمال کیا۔اور یہاں کے صحافیوں اور صحافت کے وقار کو مجروح کیا۔مگر بلیک میلنگ کے سلسلے میں اس پر ایک مقدمہ قائم ہوا تو روپوش ہوگیا اور اخبار بھی بند ہوگیا۔

۳۴۔ صبح نو

۱۹۵۵ء میں ۱۹ اکتوبر کو اس نام سے کوثر علی زیدی نے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا، جو کچھ عرصہ بند رہا۔پھر جاری ہوا۔اب اس کے ایڈیٹر عبدالصمد ذاکر بٹالوی ہیں۔ ان سے پہلے اسی اخبار کے مالک نے مسٹر شمیم مسعود کو ایک سال کے لیے اخبار دیا اور بقول مسٹر شمیم مسعود اسے محنت کر کے اس پرچے کی اشاعت بڑھائی مگر اس کے مالک نے اپنے اقرار کا پاس کیے بغیر تجارتی شرائط پیش کر دیں مگر مسٹر شمیم نے ان پابندیوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور پرچہ جاری رکھنے پر رضامند نہ ہوئے تو آخر میں یہ پرچہ عبدالصمد بٹالوی کے سپرد ہوا۔

۳۵۔ یونین

۱۹۵۶ء میں مسٹر جعفری نے مستونگ سے قلات کے عوام کی ترجمانی کے لیے جاری کیا تھا اس کے ایڈیٹر بھی وہ خود ہی تھے اب یہ اخبار بند ہے۔اس کے کچھ ابتدائی پرچے کمال الدین احمد نے ایڈٹ کیے تھے۔

۳۶۔ غازی

۱۹۵۷ء میں مسٹر محمد قاسم ملک غازی نے پندرہ روزہ اخبار اس نام سے جاری گیا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد یہ اخبار بند ہو گیا۔

۳۷۔ عقاب

۱۹۵۷ء میں غلام حسین مرحوم نے عوامی لیگ کی ترجمانی کے لیے ہفتہ وار جاری کیا مگر وہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔

۳۸۔ گلستان

جنوری ۱۹۵۷ء میں مسٹر فضل احمد غازی نے جاری کیا تھا۔ یہ پشتو کا ماہوار رسالہ تھا جو فروری ۱۹۶۰ء میں بند ہو گیا۔ یہ پرچہ ۱۹۶۰ء میں بند نہ ہوتا تو پشتو ادب کے لیے قابل رشک خدمات انجام دیتا۔

۳۹۔ پشتو

جولائی ۱۹۵۷ء میں پشتو زبان کا ایک ماہوار رسالہ کمال خان شیرانی نے جاری کیا تھا یہ ایک سال بعد بند ہو گیا۔

۴۰۔ میثاق الحق

مسٹر عبدالحق غور نے ۱۹۵۷ء میں ہفتہ وار اخبار اردو میں جاری کیا۔ تقریباً پونے چار سال جاری رہا اور ۱۹۶۱ء میں بند ہو گیا۔ اس کے بند ہونے وجہ مالی وسائل کا مہیا نہ ہونا تھا۔

۴۱۔ نوائے بولان

عبدالرحمان کرد نے دس اکتوبر ۱۹۵۷ء میں پہلے مستونگ اور پھر کوئٹہ سے ہفتہ وار جاری کیا جو بعد میں ۱۹۶۱ء میں بند ہو گیا۔

۴۲۔ جمالستان

۲۱ اپریل ۱۹۵۹ء میں محمد عمر قمبرانی نے اوستہ محمد سے ہفتہ وار اخبار اس نام سے جاری کیا جو کچھ دن بعد بند ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مارشل لا کے دوران لاہور میں شائع شدہ مضمون کو اس پرچے میں چھاپ دیا گیا تھا چنانچہ جو مضمون "لاہور" کے لیے جائز تھا وہ جمالستان کے لیے ناجائز بنا۔ مارشل لا حکام نے باز پرس کی اور پرچہ بند ہو گیا۔

۴۳۔ کارکن

جولائی ۱۹۵۹ء میں سہ ماہی رسالہ محکمہ ترقی دیہات نے جاری کیا تھا۔ اس کے نگران راجہ احمد خان تھے۔ اس میں پشتو، اردو، بلوچی کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے جو ترقی دیہات کے محکمے کی کارگزاریوں کی بابت ہوا کرتے تھے۔ یہ رسالہ ۳۰ جون ۱۹۶۱ء تک جاری رہا۔ پھر بند ہو گیا۔ اس کے ایڈیٹر تاج محمد نعیم تھے۔ تاج نعیم کے بعد انور زمان ایڈیٹر بنے۔

۴۴۔ ہیواد

۱۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں مسٹر سلطان صابر نے پشتو زبان کا چوتھا پرچہ اس نام سے جاری کیا۔ معیاری پرچہ ہے اور اچھا چل رہا ہے۔

۴۵۔ ظفرالاسلام

اس نام سے پشتو زبان کا پانچواں رسالہ ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء میں مسٹر ظفراللہ خان نے جاری کیا۔ کچھ دن بعد یہ ہفتہ وار رہا۔ اور بعد ازاں ۶ نومبر ۱۹۶۲ء سے یہ کوئٹہ اور پشاور سے بیک وقت شائع ہونے لگا۔ مگر یکم اگست ۱۹۶۳ء میں بند کر دیا گیا۔ پھر کوئٹہ سے جاری ہوا اور اب تک جاری ہے۔

۴۶۔ پرچم اتحاد

قلات ڈویژن کے شہر مستونگ سے اسی سال سیلانی شریفی نے جاری کیا۔ نو دس ماہ جاری رہا۔ پھر بند ہو گیا۔

۴۷۔ خبرونہ

پشتو کا ایک ماہوار رسالہ محکمہ اطلاعات نے نومبر ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔ اس کی چھپائی سائیکلوسٹائل مشین پر ہوئی۔ بعد میں جاری نہ رکھا جا سکا۔ پشتو کا یہ چھٹا اخبار تھا جو سید حسنات احمد اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کے زمانے میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں بند ہوا۔

۴۸۔ ایلم

"ایلم" براہوی زبان میں پہلا پندرہ روزہ نور محمد پروانہ نے مستونگ سے ۲۴ فروری ۱۹۶۰ء میں جاری کیا۔ اب ہفتہ وار ہے اور اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مسٹر فضل احمد ہیں۔

۴۹۔ بولان ایکسپریس

ہفتہ وار انگریزی پرچہ سید فصیح اقبال نے ۲۸ مارچ ۱۹۶۰ء میں مستونگ سے جاری کیا تھا۔ جو کچھ دن جاری رہ کر ۱۹۶۱ء میں بند ہوا۔ اس کی ادارت کامل القادری کرتے تھے۔

۵۰۔ بلوچستان جدید

یہ روزنامہ مارچ ۱۹۶۰ء میں کراچی سے یہاں آیا۔ اس کے مدیر نسیم تلوی مرحوم تھے۔ وہ بڑے دھڑلے کے آدمی تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ "میں نے ہر بڑے اخبار نویس کو پکوڑے بیچتے دیکھا ہے۔ مسٹر نسیم تلوی کی اچانک موت پر ۱۹۶۱ء میں یہ پرچہ بند ہو گیا۔

۵۱۔ ہمارا اسکول

گورنمنٹ ہائی اسکول مستونگ نے ماہ ستمبر ۱۹۶۱ء میں اس نام سے ماہوار رسالہ جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر محمد اسحاق اختر تھے۔ یہ رسالہ بعد میں بند ہو گیا۔ مستونگ کے طلبا کے لیے تھا۔

۵۲۔ اولس پشتون

اولس پشتو ستمبر ۱۹۶۱ء میں محکمہ قبائلی نشر و اشاعت کوئٹہ و قلات ریجن کی طرف سے مسٹر امیر عثمان خان ڈپٹی ڈائریکٹر ٹرائیبل پبلسٹی کی نگرانی میں جاری کیا گیا۔ پہلے اس ماہوار رسالے کے ایڈیٹر عبداللہ جان اسیر تھے اور اب قاضی سعید محمد صاحب ہیں۔ یہ پشتو کا ساتواں جریدہ ہے۔

۵۳۔ اولس بلوچی

دسمبر۱۹۶۱ء میں امیر عثمان خان ڈپٹی ڈائریکٹر ٹرائیبل پبلسٹی کی نگرانی میں محکمہ قبائلی نشر واشاعت نے جاری کیا۔اس ماہوار بلوچی رسالے کے پہلے ایڈیٹر مسٹر امان اللہ گچکی تھے۔

۵۴۔ اسلامیہ ہائی سکول میگزین

اسلامیہ ہائی سکول نے اپنا ماہنامہ طلبا کے لیے ۱۹۶۱ء میں جاری کیا۔ایڈیٹروں کا بورڈ اس کی نگرانی کرتا ہے۔اس اسکول کا دوسرا ماہنامہ ہے۔ پہلا ماہنامہ "دی نیوز کوئٹہ" کے نام سے ۱۹۳۸ء میں جاری ہوا تھا اور بعد میں بند ہو گیا۔

۵۵۔ نوکین دور

بلوچی زبان کا پہلا ہفتہ اور دوسرا جریدہ ۸ جون ۱۹۶۲ء کو مسٹر عبدالکریم شورش نے جاری کیا۔انھوں نے اس پرچے کے ذریعے رومن سے لوگوں کو بلوچی سکھانے کی بھی کوشش کی۔اس میں بلوچی کے ساتھ ساتھ اردو میں خبریں اور مضامین بھی شائع ہوتے ہیں۔ایک اچھا پرچہ ہے۔

۵۶۔ اکیڈمی آف اسلامک سٹڈیز بلیٹن

اکیڈمی علوم اسلامی نے اس نام سے ایک بلیٹن انگریزی زبان میں ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر سید عابد حسین بلگرامی کی نگرانی میں جاری کیا۔اس میں معلوماتی اسلامی مضامین کے علاوہ اکیڈمی علوم اسلامی کی سرگرمیاں بھی شائع ہوتی تھیں۔اکیڈمی علوم اسلامی کے بہاول پور منتقل ہونے پر یہ رسالہ بند ہو گیا۔

۵۷۔ مجلّہ اکیڈیمی علوم اسلامیہ

اکیڈیمی علوم اسلامیہ نے اپنا ایک مجلّہ اگست ۱۹۶۲ء میں شائع کیا تھا۔ یہ مجلّہ ایک ادارتی بورڈ کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ اوراس کے نگران ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی اور مدیر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی تھے۔ یہ ماہوار رسالہ اردو میں شائع ہوا کرتا تھا۔ اکیڈیمی کے بہاولپور منتقل ہونے پر یہ رسالہ بھی بند ہو گیا۔

۵۸۔ بولان

گورنمنٹ بوائز کالج کا یہ ضخیم سہ ماہی رسالہ ہے۔ اردو، انگریزی دونوں میں شائع ہوتا رہا۔

۵۹۔ مینار

اردو انگریزی ماہوار رسالہ مسلم پبلک اسکول نے جنوری ۱۹۶۳ء میں جاری کیا۔ اس کا پہلا شمارہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے بجائے مولویوں کے لیے ہے۔ اسے بچوں کا رسالہ کہا ہی نہیں جا سکتا۔ جو لوگ اس رسالے کو مرتب کرتے ہیں انھیں پہلے اصول تعلیم اور بچوں کو نفسیات سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رسالہ محض جلب زر کا ذریعہ ہے۔

۶۰۔ بولانیر ڈاک

بولانیر ڈاک کے نام سے اردو، بنگالی اور انگریزی میں سہ ماہی رسالہ بنگلہ ساہتیہ سمیلانی کے زیر اہتمام جون ۱۹۶۳ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کی چیف ایڈیٹر خانم شمی احمد تھیں۔ یہ ایک اچھی کوشش ہے۔ اس پرچے کے انگریزی حصے کی ادارت کے فرائض مسٹر شمس الحق خان انجام دے رہے تھے۔

۶۱۔ زرغون

گورنمنٹ گرلز کالج کوئٹہ کا یہ اردو، انگریزی رسالہ جون ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر مس یوسف اور وائس پرنسپل مس تاجدار بانو (جو کچھ عرصہ پرنسپل بھی رہیں) کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔

۶۲۔ ڈیلی گروپ

یہ کوئی اخبار نہیں، دراصل ایک سکیم سید حسنات احمد اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کے زمانے میں ۱۵ اگست ۱۹۵۹ء میں بنائی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں ہفتہ وار اخبار اس طرح باری باری چھپا کریں کہ ہر روز قارئین کو ایک اخبار مل سکے۔ چنانچہ سات ہفتہ وار اخباروں کا ایک گروپ بنایا گیا۔ اور یہ گروپ کام کرنے لگا۔ مگر کچھ عرصہ بعد یکے بعد دیگرے دو اخبار جو اس گروپ کے ممبر تھے، روزنامے بن گئے تو یہ اسکیم ختم ہوگئی۔ اس گروپ کو خبریں مہیا کرنے کے لیے مسٹر شمس الحق خان (نمائندہ ڈان) رپورٹر مقرر ہوئے تھے۔

پندرھواں باب

باہر کے اخبارات

وادی بولان کے عوام کی ترجمانی کے لیے ہندوستان کے دوسرے شہروں سے بھی اخبارات جاری ہوئے۔ انگریزی دور میں اخبارات کے ہندوستان سے جاری ہونے کی وجہ یہ تھی کہ برٹش بلوچستان اور ریاستی بلوچستان سرحدی علاقے تھے اور یہاں انگریزوں اور ان کے تحت والیان ریاست کے ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرنا یا احتجاج کرنا غداری کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے حکومت پر تنقید کرنے والے اخبار یہاں سے جاری کرنے کا کسی میں حوصلہ ہی نہ تھا اور دوسرے شہروں میں یہاں کی نسبت بہت آزادی اور لکھائی چھپائی کی سہولتیں زیادہ میسر تھیں۔ اگر ہندوستان کے دوسرے شہروں جتنی یہاں آزادی اور سہولتیں ہوتیں تو دوسرے شہروں سے اخبارات جاری کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اس لیے وادی بولان کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے۔ یہاں آزادی کے دامن کو کوتا، پاکر کراچی، دہلی، جیکب آباد، حیدرآباد اور سکھر پہنچے۔ اور وہاں سے اخبارات جار کر کے یہاں کی عوام کی ترجمانی کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ایسے اخبارات کی تعداد ایک درجن سے زیادہ تھی جو ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:۔

۱۔ ینگ بلوچستان

محمد نسیم تلوی مرحوم نے دہلی سے ایک ہفتہ وار اخبار "ینگ بلوچستان" کے نام سے جاری کیا تھا جو کچھ عرصہ جاری رہے کے بعد بند ہو گیا۔

۲۔ کاروان

محمد نسیم تلوی مرحوم نے دوسرا اخبار "کاروان" ہفتہ وار کراچی سے جاری کیا۔ وہ بھی کچھ عرصہ رہنے کے بعد بند ہو گیا۔

۳۔ بلوچستان جدید

تیسرا اخبار بھی محمد نسیم تلوی مرحوم نے کراچی سے "بلوچستان جدید" کے نام سے جاری کیا۔ اس میں مولانا عبداللہ صاحب ایڈیٹر پاسبان نے بھی کچھ عرصہ کام کیا تھا۔ یہ روزنامہ اخبار بعد میں کوئٹہ آیا اور مرحوم نسیم تلوی کی وفات تک جاری رہا۔

۴۔ قومی آواز

مسٹر علی محمد مکرانی نے "قومی آواز" کے نام سے اس علاقے کی ترجمانی کے لیے اخبار جاری کیا۔ جو بہت عرصہ جاری رہا۔ مارشل لا کے دور میں بند رہا مگر بعد میں دوبارہ جاری ہوا۔

۵۔ بلوچستان

مسٹر ایس ایس شموزئی نے کراچی سے "بلوچستان" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جو اب بھی باقاعدہ جاری ہے اور ماہوار پرچہ ہے۔ اس اخبار میں عام طور پر

اکثر و بیشتر خبریں کوئٹہ اور قلات ڈویژن کی ہوتی ہیں۔ یہ اخبار ۱۹۴۷ء میں ہفتہ وار جاری ہوا تھا۔

۶۔ تعمیر بلوچستان

مسٹر گل محمد ایروی نے حیدر آباد سندھ سے ایک اخبار جاری کیا تھا جس کا نام "تعمیر بلوچستان" تھا۔ یہ اخبار ۱۹۵۰ء میں مستونگ آیا اور اب تک باقاعدہ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔

۷۔ نعرۂ حق

میاں محمد گلزار نے سکھر سے ایک اخبار ’’ نعرۂ حق ‘‘ کے نام سے جاری کیا۔ کچھ عرصہ تک یہ کوئٹہ اور سکھر سے بیک وقت شائع ہوتا رہا پھر کوئٹہ آیا۔ اور اب روزنامہ ہے۔

۸۔ اتحادِ بلوچاں

"اتحاد بلوچاں" کے نام سے خلیفہ محمد اسماعیل بلوچ نے کراچی میں پرچہ جاری کیا تھا۔

۹۔ اومان

اومان بلوچی زبان کا پرچہ تھا اور حکیم احمد نے کراچی سے جاری کیا تھا یہ مولانا خیر محمد ندوی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

۱۰۔ بلوچی

بلوچی کے نام سے آزاد جمالدینی نے کراچی سے ایک پرچہ جاری کیا تھا جو دو سال بعد بند ہو گیا۔ یہ خالص بلوچی زبان میں شائع ہوتا تھا۔

۱۱۔ بلوچی دنیا

اس نام سے مولوی نور احمد خاں فریدی نے اپریل ۱۹۵۷ء سے ملتان سے ایک پرچہ شائع کر رہے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ پرچہ بلوچ قوم کا ترجمان ہے۔ ۱۹۶۱ء سے اب تک اس کے مدیر چاکر خان رند ہیں۔

۱۲۔ الحنیف

وادی بولان کی ترجمانی کے لیے جیکب آباد سے جاری کیا گیا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا محمد حسین کھاوڑ تھے۔

۱۳۔ کمال ہند/نوجوان

ان کے علاوہ دو پرچے کمال ہند اور نوجوان بھی اس علاقے کی ترجمانی کرتے رہے۔ یہ دونوں پرچے یکے بعد دیگرے جیکب آباد میں شائع ہوتے رہے اور ۱۹۴۲ء میں بند ہوئے۔

دیگر اخبارات

ہندوستان کے دیگر اخبارات ، خاص طور پر لاہور کے اخبارات زمیندار، سیاست ، انقلات نے ہمیشہ وادی بولان کے عوام کی ترجمانی کی اور اس علاقے کے مسائل کے بارے میں بہت کچھ لکھتے رہتے تھے۔ ہندو اور سکھوں کے لیے تیج، دیر بھارت، پرتاب۔ ملاپ یہاں آتے تھے۔ مگر وہ ہمیشہ اس علاقے کی ترقی اور بہبود کے متعلق زمیندار، سیاست، انقلاب کے علی الرغم منفی رویہ رکھتے تھے۔ پڑھے لکھے لوگوں اور انگریزوں کے لیے سول ملٹری گزٹ، سٹیٹس مین، ٹریبون انگریزی اخبارات آتے تھے۔

قومی اخبارات

قیام پاکستان کے بعد قومی اخبارات روزنامہ جنگ کراچی، انجام کراچی، ڈان کراچی، پاکستان ٹائمز لاہور، سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور، سندھ آبزرور کراچی، نوائے وقت لاہور، امروز لاہور، کوہستان لاہور نے بھی اس علاقے اور یہاں کے عوام کی ترجمانی کا فرض پورا کیا۔ ان اخبارات میں جو موجود ہیں وہ باقاعدہ اس علاقے کی ترجمانی میں مصروف ہیں۔ حریت کراچی۔ اور مشرق لاہور و کراچی ابھی یہاں نو وارد ہیں۔

روزنامہ جنگ کی خدمات

اس علاقے کی ترقیوں، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں، سیاسی تقریبوں کی تشہیر میں قومی اخبار روزنامہ جنگ کراچی سب سے پیش پیش رہا ہے۔ جنگ نے اس علاقے کو پاکستان کے دوسرے حصوں سے متعارف کرانے کا سب سے اہم کردار انجام دیا ہے۔ پاکستان بھر کے تمام اخبارت سے زیادہ روزنامہ جنگ کراچی میں وادی بولان کی خبریں، مکتوب کوئٹہ، قلات ڈویژن، اس علاقے کے متعلق ہر شعبہ حیات کے متعلق مضامین اور تقریبات کی تصاویر شائع ہوتی ہیں اس لیے وادی بولان کے نزدیک اور دور کے علاقوں میں یہی عوام کا مقبول ترین اخبار ہے۔ اور روزنامہ جنگ نے اس علاقے کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں اور اسی لیے اس کی اشاعت بھی یہاں دیگر عام اخبارات سے زیادہ ہے۔ جنگ وادی بولان کے کونے کونے میں پہنچتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس سے اس اخبار کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سولھواں باب

موجودہ اخبارات

وادی بولان میں (دسمبر ۱۹۶۴ء تک) کل نوے اخبارات اور رسالے جاری ہوئے لیکن ان سے صرف اٹھارہ اخبارات اور چھ ماہوار رسالے، جن میں دو سہ ماہی ہیں۔اب تک زندہ ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں کے تینوں روزنامے پہلے ہفتہ وار جاری ہوئے مگر ترقی کر کے روزنامے بنے اور کئی موجودہ ہفتہ وار اخبار اور ماہوار رسالے بھی ترقی کر کے ہفتہ وار ہوئے لیکن ان کے برعکس روزنامہ اتحاد نے ترقی معکوس کی۔وہ بڑی شان سے روزنامہ اور چودہ ماہ میں حیرت انگیز ترقی کر کے ہفتہ وار بنا۔پھر سہ روزہ ہوا۔اور پھر ہفتہ وار بن کے بند ہوگیا۔یہاں اکثر اخبارات جو جاری ہو کر بند ہوئے ان سب کی بڑی مشکل مالی وسائل مہیا نہ ہونا تھا۔اور دوسری وجہ علاقہ کی تعلیمی پسماندگی ہے۔جو اخبارات اس وقت شائع ہوتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

موجودہ روزنامے

آج کل یہاں تین روزنامے ہیں۔روزنامہ زمانہ، نعرۂ حق اور قاصد۔

ہفتہ وار

وادی بولان میں ہفتہ وار اخبارات کی کل تعداد تیرہ ہے۔ان کے نام یہ ہیں:

۱۔میزان ۲۔کوئٹہ ٹائمز ۳۔تنظیم ۴۔کوہستار ۵۔رہبر نسواں ۶۔صبح نو ۷۔پکار ۸۔ ہیواد ۹۔نوکیں دور ۱۰۔ظفر الاسلام ۱۱۔ساربان ۱۲۔تعمیر بلوچستان ۱۳۔ایلم

پندرہ روزہ

یہاں صرف دو پندرہ روزہ اخبار ہیں: پاسبان اور کاروان۔

قدیم ترین اخبار

وادی بولان کا قدیم ترین اخبار" کوئٹہ ٹائمز" ہے جو ۱۹۳۸ء میں جاری ہوا تھا اور اردو اخبارات میں ہفت روزہ" استقلال"، پندرہ روزہ" پاسبان" قدیم اخبار ہیں جو بالترتیب ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء میں جاری ہوئے۔" استقلال" بند ہو چکا ہے جب کہ" پاسبان" اب تک شائع ہو رہا ہے۔

زبان

یہاں چھ زبانوں میں اخبار اور رسالے چھپتے ہیں۔ اردو، بنگالی، انگریزی، بلوچی، پشتو اور بروہی۔

اردو روزنامے

اردو کے یہ تین روزنامے ہیں: زمانہ، نعرۂ حق اور قاصد۔

اردو کے ہفتہ وار

اردو میں شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار یہ ہیں: میزان، تنظیم، کوہسار، پکار، رہبر نسواں، تعمیر بلوچستان، صبحِ نو، ساربان۔

اردو کے پندرہ روزے

اردو میں شائع ہونے والے صرف دو پندرہ روزہ اخبار ہیں : جن کے نام "پاسبان" اور " کاروان" ہیں۔

اردوانگریزی

کالج اور اسکولوں کے رسالے اردو اور انگریزی میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: اسلامیہ ہائی اسکول میگزین، بولان، زرغون، مینار اور گریمیرین۔

انگریزی کا اخبار

اردو، بنگالی، انگریزی میں صرف ایک رسالہ جو سہ ماہی ہے، شائع ہوتا ہے اس کا نام "بولانیرڈاک" ہے۔

پشتو کے اخبار

پشتو میں دو ہفتہ وار اخبار اور ایک رسالہ شائع ہوتا ہے ہفتہ وار "ہیواد "اور "ظفر الاسلام " ہیں اور ماہوار "اولس پشتو" ہے جو محکمہ قبائلی نشر واشاعت شائع کرتا ہے۔

اردو بلوچی

اردو اور بلوچی میں صرف ایک ہفتہ وار اخبار" نوکین دور" شائع ہوتا ہے۔ "بلوچ اولس "ماہوار رسالہ ہے، جو محکمہ قبائلی نشر واشاعت شائع کرتا ہے۔

اردو بروہی

اردو اور بروہی میں صرف ایک اخبار ہفتہ وار "ایلم " شائع ہوتا ہے۔

اخبارات کے سائز

یہاں عام طور پر اخبارات ۲۰x۳۰/۲ پر شائع ہوتے ہیں اور عام طور پر چار صفحوں کے ہوتے ہیں۔ کوئٹہ ٹائمز، پکار، قاصد، پاسبان، ایلم وغیرہ ۲۰x۳۰/۴ صفحات پر چھپتے ہیں۔ جہازی سائز کا ایک بھی اخبار نہیں ہے۔

خاص نمبر یا ایڈیشن

قومی تیوہاروں، خاص تقریبات پر یہاں کے اخبارات کے خاص نمبر ایڈیشن بھی شائع ہوتے ہیں اور ان پر بہت محنت کی جاتی ہے۔ نمبر یا ایڈیشن میں معلوماتی مضامین کے ساتھ تصاویر بھی ہوتی ہیں۔

ضمیمے

یہاں کے اخبارات خاص موقعوں پر ضمیمے بھی شائع کرتے ہیں۔ مثلاً مڈل اور میٹرک کے نتائج یا کسی خوشی یا غمی کے موقع پر۔ انتخابات میں پروپگنڈے یا کسی امیدوار کی کامیابی پر یا کسی ترقیاتی منصوبے کے افتتاح یا تکمیل پر ضمیمے شائع ہوتے ہیں۔

تصویریں

گو یہاں بلاک سازی کا انتظام نہیں ہے۔ پھر بھی یہاں کے روزنامے "زمانہ"، "نعرۂ حق"، "قاصد" اور ہفتہ وار اخباروں میں " کوئٹہ ٹائمز"، "میزان" وغیرہ اہم تقریبات، قومی رہنماؤں، حکومت کے اعلیٰ افسران، وزراء، سیاسی اور سماجی مشہور رہنماؤں کی تصاویر کے بلاک یا ان کے چربے بھی شائع کرتے ہیں۔

کتابت چھپائی

یہاں کے اخبارارت کی کتابت گوارا ہے۔ چھپائی بھی بری نہیں۔ بعض اخبارات کی سیٹنگ (ترتیب) بہت دل کش ہوتی ہے اور بعض کی بعض دفعہ بڑی ناگوار، عام طور سیٹنگ کا معیار بدلتا رہتا ہے۔

صفحے میں کالم

پہلے یہاں کے اخبارات کے ایک صفحے میں چھ کالم ہوا کرتے تھے۔ اب ایک صفحے میں سات کالم ہوتے ہیں۔

اخباروں کے مسطر

یہاں کے اخباروں کے مسطر ۷۵، ۸۰، ۹۰ سطری ہیں۔ جن اخباروں کے مسطر کی سطریں کم ہیں ان کی لکھائی، چھپائی زیادہ تر خوشنما معلوم ہوتی ہے مگر اس میں مواد کم ہوتا ہے اور جن کی سطریں زیادہ ہیں ان کی چھپائی خوشنما نہیں ہوتی۔ دراصل کتابت اور چھپائی کے دونوں کے معیار اوسط درجے کے ہیں جن کو بلند کیا جا سکتا ہے۔

سطر میں الفاظ

یہاں کے اخباروں میں ایک سطر میں عام طور پر چھ سے آٹھ تک الفاظ ہوتے ہیں جو بہت کم ہیں۔ قاصد، نعرۂ حق میں سات آٹھ الفاظ اور زمانہ میں بارہ تیرہ الفاظ ہوتے ہیں۔ ہفتہ وار اخباروں میں بھی ایک سطر میں سات آٹھ الفاظ ہوتے ہیں۔ ہر سطر میں کم از کم تیرہ الفاظ ہونے چاہئیں تا کہ قارئین کو پڑھنے کے لیے زیادہ مواد میسر آ سکے۔

اہم مقامی اخبارات

یہاں تین روزنامے ہیں" زمانہ" نعرۂ حق" اور" قاصد"۔ ان کہ اہمیت کم وبیش ایک جیسی ہے۔ ان کے علاوہ ہفتہ وار اخباروں میں "میزان"، "پکار"، "ہیواد"، "ایلم"، "ساربان"، "نوکیں دور"، " کوئٹہ ٹائمنر"، پندرہ روزہ میں "پاسبان" اہم اخبار سمجھتے جاتے ہیں۔ ان میں "پاسبان"، "میزان" اور" کوئٹہ ٹائمنر" کا حلقہ اثر بہت وسیع ہے۔ ان کے علاوہ "ہیواد"، "ظفرالاسلام"، پشتو کا اور "ایلم" کا بروہی اور "نوکیں دور" کا بلوچی بولنے والے حلقوں میں اثر ہے۔ اس کے باوجود ان مخصوص حلقوں میں اردو کے مقامی اورقومی اخبارات کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔ اپنے سنسنی خیز انکشافات اور بے باکی بناء پر بعض دفعہ روزنامہ " قاصد" سارے شہر کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ ان میں "استقلال"، "الاسلام"، " اتحاد"، "خورشید"، " ترجمان"، "جمہور"، "نوائے وطن"، "ایثار"، "نوائے بلوچستان" بہت اہم اخبار ہیں۔

سترھواں باب

کچھ اور باتیں

گذشتہ باب میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا، ان کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی یہاں کی صحافت کے بارے میں بتانی ضروری ہیں۔ چنانچہ اس باب میں ان اہم امور پر روشنی ڈالی جارہی ہے جن کے بغیر یہ مضمون تشنہ رہ جاتا ہے۔

تعداد اشاعت

اخبارات کی صحیح تعداد اشاعت اس لیے معلوم نہیں ہوسکتی کہ اشاعت آئے دن کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ لے دے کے آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی بتائی ہوئی تعداد پر انحصار ہوتا ہے۔ یہاں اخبارات کے آرڈیننس کے تحت آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کے کارکن جب آئے تو صرف دو اخبارات ہفتہ وار "میزان" اور ہفتہ وار "پکار" نے تعداد اشاعت کی پڑتال کرائی۔ اور ان کے پاس سٹرٹفکیٹ آف سرکولیشن بھی ہیں۔ باقی اخبارات نے یہ مطالبہ کیا کہ یہاں پسماندگی کا اثر اخبارات پر بھی ہے۔ اس لیے انھیں پڑتال سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ ہر مقامی اخبار کی تعداد اشاعت (دسمبر ۱۹۶۴ء تک) کے متعلق مستند اعداد و شمار راقم الحروف کے پاس موجود ہیں۔ لیکن مصلحتاً ان کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔ اس سلسلے میں دلچسپی رکھنے والے اخباروں کے دفاتر سے ان کے ریٹ کارڈ منگا کر تعداد اشاعت معلوم کر سکتے ہیں۔ اخبارات کی تعداد اشاعت عام طور پر ضرورت اور حالات کے مطابق گھٹتی بڑھتی ہے۔

مقامی اخبارات کے قارئین کی تعداد

چونکہ کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں کی آبادی کم ہے اور دور دور بکھری ہوئی ہے۔ ذرائع رسل ورسائل محدود اور دشوار ہیں اور اکثر جگہ ہفتہ میں ایک بار اور کئی مقامات پر پندرہ دن میں ڈاک پہنچتی ہے۔اس لیے اخبارات اندرونی علاقوں میں دیر سے پہنچتے ہیں۔اس کے علاوہ تعلیمی لحاظ سے یہ علاقہ پسماندہ ہے پڑھے لکھے لوگ کم ہیں۔اس لیے جس قدر اخبارات ہیں اور ان کی جو تعداد ہے، اس سے جتنے لوگ مستفید ہونے چاہئیں،نہیں ہوتے۔

اخبارات کے مالک

کوئٹہ، قلات ڈویژن کے تمام اخبارات کے مالک ان کے ایڈیٹر یا ایڈیٹر مالک ہیں۔وہی ان کے سیاہ وسفید کے مختار اور پالیسی مرتب کرتے ہیں اور اپنے عملے کے تقرر اور برخاست کرنے کے مجاز ہیں۔جن اخباروں کا عملہ ہی واحد مالک ایڈیٹر ہیں وہاں عملے کے تقرر اور برخاست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تنظیموں کے اخبار

یہاں پر کسی صنعت، زراعتی، سیاسی ادارے، ٹریڈ یونین، پبلک سروس یا کسی مذہبی تنظیم کا کوئی پرچہ نہیں ہے۔اس سلسلے میں یہاں کی تمام تنظیمیں بے حس ہیں۔ یہاں تک کہ اس علاقے میں کسی سیاسی پارٹی تک کا اپنا کوئی ترجمان نہیں۔اس کے علاوہ جو اخبار ہیں وہ فرد واحد کی ملکیت ہیں۔کسی اخبار کا نہ کوئی ٹرسٹ ہے اور نہ یہاں اخبار کی کوئی لمیٹڈ کنسرن ہے۔

اخباروں کی پالیسی

عام طور پر یہاں کے تمام اخبارات کی پالیسی نظریہ پاکستان کی حمایت اور پرو گورنمنٹ ہے۔لیکن جہاں ضرورت ہوتی ہے اکثر اخبارات حکومت، افسران بالا پر تعمیری تنقید سے بھی گریز نہیں کرتے۔اخبارات انتظامیہ اور حکومت کو مشورے بھی دیتے ہیں۔کسی اچھے اور برے اقدام پر مدلل بحث کر کے اس کی حمایت یا مخالفت کرنے میں آزاد ہیں۔

مقامی اخبارات کے عامل صحافی

یہاں کے ہفتہ وار اور روزانہ اخباروں کے مالک اپنے اخباروں کے لیے ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر یا سب ایڈیٹر بھی مقرر کرتے ہیں، جن کی حیثیت عامل صحافیوں کی سی ہوتی ہے۔ان ایڈیٹروں کو زبانی طور پر حساب کتاب کے رجسٹروں میں اسسٹنٹ ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر، سب ایڈیٹر کہا اور لکھا جاتا ہے لیکن ان کے نام اخبار کے ٹائٹل پر نہیں ہوتے حالانکہ انھیں پریس کانفرنس، تقریبات اور جلسوں میں کاروائی نوٹ کرنے کے لیے بھی بھیجا جاتا ہے۔اس کے برعکس لطف کی بات یہ ہے کہ بعض ہفتہ وار اخباروں کے ٹائٹل پر ان کے اسسٹنٹ یا سب ایڈیٹر کے نام درج ہوتے ہیں، حالانکہ وہ کام نہیں کرتے۔

مدیران جرائد مقامی

کوئٹہ قلات ڈویژن کے تمام اخبارات کے مالک اور ایڈیٹر مقامی ہیں۔ڈومی سائلڈ یا تقسیم کے بعد یہاں آ کر مستقل سکونت اختیار کر چکے ہیں اس لیے تمام صحافی مقامی ہیں۔

اہم مقامی مدیران

یہاں کی صحافت میں مولوی عبداللہ ایڈیٹر پاسبان، میر محمد حسن نظامی ایڈیٹر تنظیم، مولانا عبدالکریم ایڈیٹر میزان، میاں گلزار محمد ایڈیٹر نعرۂ حق، خواجہ عبدالکریم بٹ ایڈیٹر پکار، ملک محمد رمضان ایڈیٹر سربان، سید فصیح اقبال ایڈیٹر زمانہ، مسٹر ابراہیم خلیل ایڈیٹر قاصد یہاں کے اہم ایڈیٹر شمار ہوتے ہیں اور جو صحافی یہ پیشہ ترک کر چکے ہیں ان میں سے اہم عبدالصمد خان درانی ایڈیٹر استقلال و پیغام، مسٹر فضل احمد غازی ایڈیٹر اسلام، خورشید، میر گل خان نصیر ایڈیٹر نوائے بلوچستان ونوائے وطن، قاضی نور الحق خان ایڈیٹر ترجمان بہت اہم اور قابل ایڈیٹر تھے۔ خواتین میں بیگم آ ثم ملک ایڈیٹر ایثار کا درجہ سب سے اول ہے۔ اگر آپ صحافت میں رہتیں تو یہاں کی خواتین کی بیداری کا اہم فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کرتیں۔ ان کی طرزِ تحریر مسلمہ ہے۔ جو ایڈیٹر فوت ہو چکے ہیں ان میں غلام محمد شاہوانی مرحوم، خلیل الرحمان صدیقی (سب سے پہلے مسلمان جو یہاں کی صحافت میں آئے) محمد نسیم تلوی مرحوم اہم ایڈیٹر گنے جاتے تھے۔

تعلیمی قابلیت

یہاں کے ایڈیٹروں کی گھریلو تعلیم سے لے کر مڈل اور میٹرک، انٹرمیڈیٹ اور بی اے تک ہے، بی اے دو تین ایڈیٹر ہیں۔ دو تین ایڈیٹر نے علوم السنہ شرقیہ کے امتحان بھی پاس کر رکھے ہیں۔ مسز مریم آ ثم ملک واحد ڈبل ایم اے (اردو اور فارسی لکھنو یونیورسٹی) ہیں۔

تجربہ

یہاں کے صحافیوں کا صحافت کے پیشہ میں تجربہ تین سال سے آٹھ سال کا ہے اور پرانے صحافیوں کا تجربہ بیس سال سے زیادہ ہے۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر۔۔۔

مغربی پاکستان کے اور شہروں کی طرح کوئٹہ و قلات ڈویژن کے اخبارات کے ایڈیٹر (ہفتہ وار اخبارات اور پندرہ روزہ خاص طور پر) خود خبریں مہیا کرتے ہیں اداریے اور شذرے لکھتے ہیں۔ اشتہاروں کے مضمون مرتب کرتے ہیں۔ اشتہاروں کے ترجمے کرتے ہیں۔ ریڈیو مانیٹر کر کے خبریں بناتے ہیں۔ پریس کانفرنس، جلسوں اور تقریبات کی خبریں لکھتے ہیں اور کاتبوں کو خبریں لکھنے کے لیے دیتے ہیں اور کتابت کی نگرانی کرتے ہیں۔ جب کتابت ہو جاتی ہے تو ایڈیٹر ہی پروف پڑھتا ہے، غلطیاں درست کراتا ہے۔ کاپی جوڑتا ہے۔ فوٹو کے لیے بلاکوں کے پرچے نکلوا کر مناسب جگہ پر چسپاں کرتا ہے۔ پھر کاپی پریس میں پہنچاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نیوز پرنٹ بھی اپنے کندھے پر اٹھا کر پریس میں پہنچاتا ہے۔ اور جب اخبار چھپ جاتا ہے تو اسے اٹھا کر دفتر یا گھر لاتا ہے۔ پتے لکھتا ہے۔ پتوں کی چٹیں کاٹتا ہے اور انھیں اخباروں پر چسپاں کرتا ہے۔ پھر اخبار کو فولڈ کرتا ہے۔ ڈاک خانے سے خود ٹکٹ لا کر اخباروں پر چسپاں کرتا ہے مقامی پتوں والے اخبار الگ کرتا ہے اور باہر جانے والے الگ چھانٹ لیتا ہے اور ڈاک خانے پہنچاتا ہے۔ اور جن لوگوں کی خبریں، بیان یا جن کے حق یا خلاف کوئی چیز چھپتی ہے اسے اخبار لے جا کر دکھاتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے بیانات جو اخبار

میں چھاپنے ہوتے ہیں، وہ بھی ایڈیٹر اکثر خود بناتا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں۔ اخبار میں اگر اشتہار چھپتا ہے تو اس کا بل بنا کر بذریعہ ڈاک اشتہار دہندہ کو بھیجتا ہے۔ اگر اشتہار دہندہ مقامی ہے تو بل وہ اسے خود پہنچاتا ہے اور اکثر بلوں کی وصولی کے لیے خود بار بار چکر لگاتا ہے اور پھر اخبار کے خریدار بنانے کے لیے مختلف شہروں اور علاقوں کا دورہ بھی کرتا ہے۔ یعنی زمانے بھر کی آفت ایک جانِ ناتواں اس کی، کی مثل یہاں کے ایڈیٹر پر صادق آتی ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ یہاں کے ایڈیٹروں کو کتنے کام سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ اور ان بے چاروں کو اس کاغذ کے سفید ہاتھی کو پالنے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے، دردسر برداشت کرنے اور ذمہ داریاں سنبھالنی ہوتی ہیں۔ یہ سب اس لیے ایک آدمی کو کرنا پڑتا ہے کہ اس کے مالی وسائل محدود ہیں۔ وہ خود کنواں کھودتے ہیں اور خود پانی کھینچ کر پیتے ہیں۔ اس کے باوجود یہاں کے صحافیوں کا ایک شوق ہے۔ ایک لگن ہے کہ وہ ملک اور عوام کی خدمت انجام دیے جا رہے ہیں۔

اٹھارواں باب

پلے بیک ایڈیٹر

مقامی اخبارات کے عامل صحافی یا ایڈیٹر کے تمام فرائض انجام دیتے ہیں مگران کا نام اخبار کی پیشانی پر درج نہیں ہوتا۔اس لیے مقامی اخبارات کے عامل صحافی کے لیے مختصر نام "پلے بیک ایڈیٹر" زیادہ موزوں ہوگا۔اور کارکن صحافیوں سے معذرت کے ساتھ یہ نام اس لیے استعمال کیا جارہا ہے کہ یہ بتایا جاسکے کہ عامل صحافیوں کے فرائض اور اہمیت کی کوئی قدر نہیں ہے۔اوراس لائق بھی نہیں سمجھا جاتا کہ ان کے نام ادارہ تحریر ہی میں آسکیں۔جبکہ اخبار کی تیاری اور مرتب کرنے میں بیشتر دارومدار ان پر ہوتا ہے۔

پلے بیک ایڈیٹرز، جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے ایک ایڈیٹر پورے فرائض انجام دیتا ہے اوراس سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ ذمہ داری سے پورے فرائض انجام دے۔اور پلے بیک ایڈیٹر کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ جس اخبار میں وہ کام کرتا ہے اس کا ہر طرح سے معیار بلند ہواور وہ اس کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی پوری جدوجہد کرتا ہے۔ اس لیے یہ بات اخبارات کے اپنے مفاد میں ہے کہ پلے بیک ایڈیٹروں کے نام اخبارات کی پیشانی پر یا ادارہ تحریر پر درج کیے جائیں ورنہ احساس کمتری میں مبتلا ہوکر پوری مستعدی، ذمہ داری اور توجہ سے کام نہیں کرسکتے۔دوسری طرف اخبار کے مالک کا یہ خیال ہے کہ پلے بیک ایڈیٹروں کے نام اس لیے اخبار پر درج نہیں کیے جاتے کہ وہ اس اعزاز کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ممکن ہے مالکان کا تجربہ ایسا ہوتو ایک قابل، ذہین ایڈیٹر کو ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔

پلے بیک ایڈیٹروں کی تنخواہ

کام کا معاوضہ اگر پورا نہ ملے تو کام کرنے والے کے دل میں بددلی اور بے اطمینانی پیدا ہونے لگتی ہے اور جب کساد بازاری عروج پر ہو تو کام کرنے والے کو اپنی آمدنی بڑھانے کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اور وہ آمدنی کو وسیع کرنے کے ذرائع سوچنے لگتا ہے ،ناکافی تنخواہ اور اس پر مستزاد گرانی عام لوگوں کی طرح ایک کارکن صحافی کو بھی پریشان کرتی ہے۔ یہاں کے پلے بیک ایڈیٹروں کو ایک سو سے ڈیڑھ پونے دو سو روپے سے زیادہ تنخواہ نہیں ملتی اور ان کے پے اسکیل ہیں نہ سالانہ ترقی۔ تنخواہ کے علاوہ کوئی سہولت میسر نہیں کیوں کہ یہاں ویج بورڈ کے فیصلے پر کسی اخبار کے ادارے نے عمل نہیں کیا ہے۔ ایسی صورت حال میں بچارے پلے بیک ایڈیٹر کے لیے اطمینان سے کام کرنا دوبھر ہے۔ ان کی تنخواہیں لازمی طور پر ویج بورڈ کے فیصلے کے مطابق ہونی چاہئیں۔ اور یہاں یہ بھی شکایت عام ہے کہ بعض ایڈیٹروں کو تنخواہ قسطوں میں ملتی ہے۔ اس طرح جن لوگوں نے اخبار کا معیار بلند کرنا ہے وہ مالی پریشانیوں کی وجہ سے ذہنی الجھنوں میں پسے رہیں تو کام کیا خاک ہوگا۔ ویج بورڈ کے فیصلے کے مطابق کارکن صحافیوں کو تنخواہ ملنی چاہیے۔ اور اخبارات کے مالکوں کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ عامل صحافیوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر صحافت کا زیادہ سے زیادہ دارومدار ہوتا ہے۔

اخبار کا چندہ یا قیمت

یہ معلوم نہیں کہ اخبار کی سالانہ قیمت یا قیمت فی پرچہ کو کیوں "چندہ" کہا جاتا ہے اور اب تک صحافی اس لفظ چندہ کو کیوں استعمال اور گوارہ کرتے ہوئے اخبار کی پیشانی پر درج کرتے چلے آرہے ہیں۔ اخبار کے لیے قیمت کی بجائے "چندہ" لفظ میں تحقیر اور تذلیل سی پائی جاتی ہے۔ صحافی حضرات اس لفظ "چندہ" کو ترک کرکے سالانہ قیمت یا قیمت فی پرچہ وغیرہ لکھنا چاہیے۔

ماضی میں شرح چندہ یا قیمت

والیانِ ریاست سے...........	۵۰ روپے سالانہ
سرداروں اور معتبرین سے...........	۱۰ روپے سالانہ
سرکاری اداروں سے...........	۱۰ روپے سالانہ
عوام سے شرہ چندہ...........	۸ روپے سالانہ
مسجدوں کے امام اور طلبا سے نصف...........	۴ روپے سالانہ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کوئٹہ اور قلات میں ایسے صحافت نواز لوگ بھی موجود ہیں جو اخباروں کے لیے وقتاً فوقتاً عطیات دے کر امداد کرتے رہتے ہیں۔

مقامی اخبارات کی قیمتیں

یہاں کے اخبارات کے سالانہ قیمت اور قیمت فی پرچہ تقریباً اتنی ہی ہے جتنی قومی یا دیگر مشہور روزنامہ یا ہفتہ وار اخباروں کی ہے۔ بعض اخبارات پر صرف سالانہ قیمت درج ہوتی ہے، بعض پر صرف فی پرچہ، اور بعض پر دونوں قیمتیں درج ہوتی ہیں۔

۱۔	روزنامہ زمانہ	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۴۵ روپے
۲۔	روزنامہ نعرۂ حق	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۵۰ روپے
۳۔	روزنامہ قاصد	قیمت فی پرچہ پندرہ پیسے	سالانہ ۵۰ روپے
۴۔	ہفتہ وار تنظیم	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۵۔	ہفتہ وار پکار	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۶۔	ہفتہ وار رہبر نسواں	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۷۔	ہفتہ وار صبح نو	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۸۔	ہفتہ وار کوہسار	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۹۔	ہفتہ وار ہیواد	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۱۰۔	ہفتہ وار نوکیں دور	قیمت فی پرچہ پچیس پیسے	سالانہ ۱۲ روپے
۱۱۔	ہفتہ وار ظفر الاسلام	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۱۲۔	ہفتہ وار ساربان	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۱۳۔	ہفتہ وار تعمیر بلوچستان	قیمت فی پرچہ پچیس پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۱۴۔	ہفتہ وار ایلم	قیمت فی پرچہ پچیس پیسے	سالانہ ۱۰ روپے
۱۵۔	ہفتہ کوئٹہ ٹائمز	قیمت فی پرچہ چھ پیسے	سالانہ ۳ روپے
۱۶۔	ہفتہ وار میزان	قیمت فی پرچہ پچیس پیسے	سالانہ ۱۲ روپے
۱۷۔	پندرہ روزہ پاسبان	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۵ روپے
۱۸۔	پندرہ روزہ کاروان	قیمت فی پرچہ تیرہ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے

آمدنی کے ذرائع

اخبارات کی آمدنی کے عام طور تین چار ذرائع ہوتے ہیں۔سب سے اہم اور مقدم اخبار کی بازار میں فروخت ہے۔اس کے بعد اہم ذریعہ اشتہارات ہیں۔تیسرا ذریعہ عطیات ہیں اور چوتھا ذریعہ کسی امدادی فنڈ سے مالی امداد حاصل کر لی جائے۔تاکہ اخبار اچھی طرح چل سکے تو شاید چند لوگ جائز اور مناسب اقدام سمجھیں۔لیکن یہ ہے ایک نامناسب بات ہے۔جو صحافت کی آزادی کے لیے زہر ہلاہل ہے۔اس سے بچنا ہی افضل و بہتر ہے۔سب سے پہلے اخبار کی اشاعت کو فروغ دینے کی کوشش کی جدوجہد کرنی چاہیے۔اشاعت بڑھے گی تو اشتہار خودبخود ملنے لگیں گے۔

اخبارات کی ممبری

کوئٹہ قلات ڈویژن میں بہت کم لوگ اخباروں کے خود ممبر بنتے ہیں۔تعلیمی پسماندگی، مالی مشکلات اور اخباروں کی اہمیت سے ناواقفیت کی بنا پر یہاں کے عوام میں خود ممبر بننے کا رجحان نہ ہونے کے برابر ہے۔اور جب ترغیب سے کسی کو ممبر بنا بھی لیا جائے تو ممبر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے بہت بڑا اخبار پر احسان کیا ہے۔اور اب اخبار نویس اس کی تعریف میں خبر، بیان وغیرہ شائع کرنے کا پابند ہوگا۔اور ممبر جس کی تعریف میں بیان دے گا وہ اخبار نویس ضرور شائع کرے گا۔ایسے لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اخبار کو جو قیمت ادا کی گئی ہے، وہ خیرات ہے۔انھیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ اخبار کیا ہے؟ اخبار کی ممبر سازی کے لیے یہاں کے ایڈیٹر اندرون علاقہ میں دورے بھی کرتے ہیں۔

وی پی پی کا چکر

کچھ لوگ اخبار کا معاون اور سرپرست بننے کا بڑی گرمجوشی سے ایڈیٹر کے سامنے اقرار کرتے ہیں اور اپنا پتہ دے کر وی پی پی منگاتے ہیں یا جاری شدہ اخبار کا چندہ ہو جاتا ہے تو ایڈیٹر خریدار کو آئندہ سال کے لیے اخبار جاری رکھنے کے لیے متوجہ کرتا ہے کہ خریدار آئندہ سال کے لیے چندہ بھیجے۔ مگر خریدار لکھ بھیجتے ہیں کہ وی پی پی کر دیجیے۔ ایڈیٹر وی پی پی کر دیتے ہیں۔ مگر کچھ دن بعد وی پی پی واپس آ جاتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ باہر گیا ہوا ہے یا مکتوب الیہ لینے سے انکاری ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کے لوگ کس قدر خریدار بننے کے شائق ہوتے ہیں۔ وی پی پی منگا کر واپس کرنا اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔ اس وی پی پی کے چکر سے اخبار نویس کافی پریشان ہوتے ہیں۔ وی پی پی کرنے کے اخراجات برداشت کرنا ایک جرمانے کے مترادف الگ بات ہے۔

اشتہارات

اخبار کی خریداری اور بازار فروخت کے بعد اخبارات کا سب سے اہم ذریعہ آمدنی اشتہارات ہیں۔ بدقسمتی سے اس علاقے میں بڑی صنعتیں اور بڑے کاروبار نہیں اور شہر کے کاروباری اشتہارات دے کر فائدہ حاصل کرنے کی اہمیت سے ناواقف ہیں۔ اور کچھ لوگ اگر اشتہار کے فائدے سے واقف بھی ہیں تو اشتہار کا خرچہ برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ شہر کے اشتہارات تو یوں سمجھ لیجیے کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ دراصل یہاں اشتہارات عام طور حکومت کے مختلف محکموں کی طرف سے محکمہ اطلاعات کی معرفت جاری ہوتے ہیں۔ یہ اشتہارات نہیں ہوتے کہ یہاں کے اٹھارہ اخبارات کے لیے کافی ہوں۔ اس لیے اشتہارات باری باری تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ ماضی میں اشتہارات کی تقسیم کے

بارے میں اخبار نویسوں کو شکایات تھیں کہ تقسیم نامنصفانہ ہے۔ مگر اے اے کے بروہی ڈائریکٹر اطلاعات کے یہاں متعین ہونے پر وہ سب کو اشتہارات منصفانہ طور تقسیم کرتے ہیں۔ پھر بھی ان اشتہارات سے اخبارات کو زیادہ آمدنی نہیں ہوتی۔

صوبائی اور مرکزی اشتہارات

یہاں کے اخبارات کو صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے جو اشتہارات ملتے ہیں، ان کی تعداد بھی بہت کم ہے اور ان سے بھی کوئی زیادہ آمدنی نہیں ہوتی۔

اشتہارات کے نرخ

مقامی محکموں ،صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے اشتہارات کے نرخ بہت کم ہیں۔ اس لیے جو اشتہارات ملتے ہیں ان سے آمدنی بھی کم ہوتی ہے ۔ یہاں کے اخبارات کے اشتہاروں کے نرخ مختلف اوقات میں مختلف رہتے ہیں۔ اور ان کے نرخ تعداد اشاعت کی مناسبت سے گھٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ ابتدا میں سرکاری اشتہار اخبار جاری ہونے کے چھ ماہ تک نہیں ملتے۔ چھ ماہ کے بعد سرکاری اشتہارات ملنے لگتے ہیں۔ شروع میں اشتہار کے نرخ بہت کم یعنی آٹھ آنے فی انچ فی کالم ہوا کرتے تھے۔ مدتوں بعد اب نرخ دو روپے فی انچ کالم تک پہنچا ہے۔ صوبائی اور مرکزی محکموں کے اشتہارات اور اشتہار دینے والی ایجنسی کے نرخ بھی مختلف ہوا کرتے تھے۔ حال ہی میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے اشتہارات کے نرخ یکساں ہو مگر جو نرخ مقرر کیے گئے ہیں وہ یہاں کے حالات کے پیش نظر بہت ہی کم ہیں۔

اشتہار دہندہ کمپنیاں

کوئٹہ اور مستونگ اس علاقے کے دو اہم شہر ہیں لیکن اشتہار دہندہ ایک بھی کمپنی نہیں ہے جو یہاں کے کاروباری یا دوسرے شہروں کی اشتہار دہندہ کمپنیوں سے اشتہار حاصل کر کے یہاں کے اخباروں کو مہیا کرے۔ یہاں یہ ایک بہت بڑی کمی ہے۔ یہاں کم از کم اشتہار دہندہ کمپنی ایک ضرور ہونی چاہیے۔

صاحبِ استطاعت لوگ

اخباروں کے ذرائع آمدنی کے سلسلے میں یہاں کے صاحب استطاعت لوگ اور کچھ لیڈر قسم کے لوگ اخبارات کی وقتاً فوقتاً امداد تو کرتے ہیں مگر اس کے عوض اخبار کو ان کی خبریں، بیانات اور تعریفیں چھاپنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

محکمہ تعلیم کی طرف سے امداد

پہلے اسکولوں میں محکمہ تعلیم کی طرف سے اخبار جاری کرائے جاتے تھے اور ان کے عوض اخبار کو ہر سال پیشگی اچھی خاصی رقمیں مل جاتی تھیں۔ لیکن یہ امداد پہلے ایک اخبار کو، پھر کچھ خاص خاص اخبارات کو ملنے لگی۔ مگر کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ کچھ اخبارات واقعی اس امداد کے مستحق ہوتے تھے اور کچھ اخباروں کو امداد محض افسران کی خوشنودی کی بناء پر ملتی تھی۔ لیکن اکثر اخبارات اس امداد سے محروم تھے۔ چنانچہ اس تقسیم کر نا منصفانہ قرار دیتے

ہوئے یہاں کے ایک روزنامہ نے سخت احتجاج کیا کہ اگر امداد دی جائے تو سب کو دی جائے ورنہ خصوصی امتیاز مناسب نہیں۔ کمشنر کوئٹہ ڈویژن سید فرید اللہ شاہ نے اس احتجاج اور مطالبے کو درست قرار دیا اور امداد کی سابقہ تقسیم کو ختم کر کے اس کی ازسر نو تقسیم کی گئی جس پر اب سارے اخبار نویس مطمئن ہیں۔ اس سال یعنی ۱۹۶۴ء میں مقامی اخبارات کو ٹیلی پرنٹر سمیت پچاس ہزار کے قریب امداد حکومت نے دی۔ اس سے پیشتر یہ رقم ستر ہزار کے قریب تھی۔

انیسواں باب

بازار میں فروخت

مقامی اخبارات کی بازار میں فروخت نہ ہونے کے برابر ہے۔ باوجود کوشش کے یہاں کے اخبارات بازار میں فروخت ہوتے نظر نہیں آتے۔ تیز طرار ہاکر مقرر کیے گئے۔ ایجنسیاں قائم ہوئیں۔ سینما میں سلائڈ دکھائی گئیں۔ مقامی اور قومی اخبارات میں اشتہار شائع ہوئے۔ پوسٹر لگائے گئے۔ ہینڈ بل تقسیم ہوئے۔ مگر ان سب باتوں کا عارضی طور پر تو اثر ہوا لیکن دور رس نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ اور تو اور قومی اخبار کے ہاکروں کے ذریعے بھی مقامی اخبارات بازار میں فروخت کرنے کا انتظام کیا گیا۔ مگر یہ اقدام بھی کامیاب نہ ہوا۔ اس سے پیشتر تقریباً دس سال پہلے ۱۹۵۳ء میں جو روزنامہ "اتحاد" جاری ہوا تھا اس کی بازار میں ڈھائی تین سو کے قریب فروخت ہوتی تھی۔ اور کوئٹہ شہر میں دو تین جگہ اور کراچی، لاہور، جیکب آباد میں اس کی ایجنسیاں قائم ہوئی تھیں۔ سرکاری دفاتر میں تو اس کی بڑی مانگ تھی۔ اس وقت کے اے۔جی۔جی قربان علی خان کا چپڑاسی علی الصبح ہر روز خود آکر اخبار لے جایا کرتا تھا۔ جسے وہ دفتر جانے سے پہلے پڑھنا ضروری سمجھتے تھے۔

مقامی اخبارات کی بازار میں فروخت کی ناکامی کی وجوہ معلوم کرنے کے لیے راقم الحروف نے جو سروے کیا اس میں تین چار اہم وجوہ قارئین نے بتائیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اخبار کی ضخامت

اخبار بین متعدد لوگوں نے بتایا کہ مقامی اخبارات کو ہم اس لیے پسند نہیں کرتے کہ ان کی ضخامت قومی اخبارات کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ کسی اخبار کے چار صفحے ہوتے ہیں یا دو۔ اور ان میں پڑھنے کے لیے معیاد بہت کم ہوتا ہے۔

۲۔ اخبار کی قیمت

دوسری بات جو قارئین نے بتائی وہ یہ تھی کہ مقامی چار یا دو صفحوں کے اخبارات کی بھی قیمت وہی ہوتی ہے جو بہترین آفسٹ پریس میں چھپے ہوئے قومی اخبار کی ہوتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس قیمت پر کیوں نہ قومی اخبار خریدا جائے جو ہر طرح سے مکمل ہوتا ہے اور قومی اخبار میں ہر وہ مواد مل جاتا ہے جس کی قارئین کو ضرورت ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مقامی اخبار کی قیمت زیادہ سے زیادہ پانچ پیسے ہونی چاہیے۔ اور بازار میں پرچے کی تقسیم یا فروخت کا معقول انتظام ہونا چاہیے۔

۳۔ پرانی خبریں

تیسری بات جو اخبار پڑھنے والوں نے بتائی وہ یہ ہے کہ یہاں کے اخباروں میں بعض دفعہ دو تین روز پہلے کی خبریں ہو بہو نقل کر دی جاتی ہیں اور مضامین بھی پرانے اور نقل کیے ہوئے ہوتے ہیں بعض دفعہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک مضمون ایک ہفتہ یا دس دن پہلے کسی قومی اخبار میں چھپ چکا تھا اور وہ دس دن بعد مقامی اخبار نے چھاپ دیا۔

۴۔ ٹیلی پرنٹر بے فائدہ ہے

سروے میں جب قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ اب تو یہاں ٹیلی پرنٹر سے تازہ خبریں مہیا ہوتی ہیں۔ اور مقامی اخبار بھی تازہ خبریں باقاعدہ چھاپتے ہیں۔ اس پر انھوں نے فوراً جواب دیا" ہم نے تو ٹیلی پرنٹر کی پوری خبریں نہیں دیکھیں۔ قومی اخباروں میں خبریں تفصیل سے آتی ہیں لیکن مقامی اخباروں میں ٹیلی پرنٹر کی خبریں مختصر اور ان اخباروں میں مقامی خبریں بھی بہت کم ہوتی ہیں۔ حالانکہ مقامی اخبارات میں خبریں زیادہ ہونی چاہئیں اس لیے ٹیلی پرنٹر بے فائدہ ہے۔

قارئین کے ان جوابات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مقامی اخبارات میں کن کن باتوں کی کمی ہے ۔ یہ جوابات صحافیوں کے لیے نہایت اہم اور قابل توجہ ہیں۔ اخبارات کی جانچ رکھنے والے سب سے زیادہ اچھے قارئین ہی ہوتے ہیں۔ اخبار کی خوبی اور برائی کے متعلق ان کی رائے مستند ہوتی ہے۔

کتابت و چھپائی کا خرچ

آج سے دس بارہ سال پیشتر یہاں کے اخبارات کی کتابت و چھپائی بہت کم پیسوں میں ہوتی تھی۔ اس وقت لکھائی اور چھپائی کا نرخ عام طور پر یہ ہوا کرتا تھا:۔

لکھائی (کتابت)فی پلیٹ ۲۰x۳۰ چار روپے چھپائی فی پلیٹ فی ہزار چار روپے اوراب لکھائی چھپائی کے نرخ یہ ہیں۔

لکھائی (کتابت) فی پلیٹ ۲۰x۳۰ چودہ روپے چھپائی فی پلیٹ، فی ہزار بارہ روپے۔ بعض حالات میں لکھائی سولہ روپے اور چھپائی آٹھ روپے فی ہزار بھی ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر بارہ روپے ہی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ یہ نرخ پہلے کے نرخ کی نسبت تین اور چار گنا ہیں۔

ادارہ تحریر

یہاں کے روزناموں کا ادارہ تحریر (ایڈیٹورل سٹاف) ایک سے تین افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ مالک کے علاوہ ایک پلے بیک ایڈیٹر جو پورے وقت کا ملازم ہوتا ہے۔ ایک یا دو پارٹ ٹائم ملازمین ہوتے ہیں جن کے ذمے اشتہارات کا ترجمہ، ٹیلی پرنٹر کی خبروں کا ترجمہ، ہینڈ آؤٹ کا ترجمہ (ہینڈ آؤٹ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں آتے ہیں) اداریہ، شذرہ اور مضامین وغیرہ لکھنے کا کام ہوتے ہیں۔ انھی کے ذمے پروف پڑھنا اور کاپی جوڑنا بھی ہوتا ہے۔ ہفتہ وار اخباروں کے ایڈیٹروں کے ذمے جو کام ہوتے ہیں ان کی تفصیل پہلے درج کی جا چکی ہے۔

کاغذ کی نایابی

چند سال پیشتر نیوز پرنٹ (اخباری کاغذ) کی کمی کی وجہ سے گرانی بھی بڑھ گئی تھی جس سے یہاں کے اخبار نویسوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ آج کل کے نیوز پرنٹ بڑی آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے۔ جن دنوں کاغذ نہیں مل رہا تھا تو اس کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی اور جب نیوز پرنٹ ملنے لگا تو اس کی قیمت جوں کی توں رہی۔ پہلے ایک ریم کاغذ کی قیمت چھ سات روپے ہوا کرتی تھی۔ گرانی اور نایابی کے دنوں میں اس کی قیمت بائیس روپے ریم تک جا پہنچی تھی اور اب سولہ سترہ روپے فی ریم ہے۔ مگر یہ قیمت بھی بہت زیادہ ہے۔ خاص طور پر اس علاقے کے لیے۔ ویسے نیوز پرنٹ کی قیمت میں اضافے سے سارے ملک کی اخباری صنعت کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ نیوز پرنٹ جس قدر سستا اور سہل الحصول ہو گا، اسی قدر یہ صنعت زیادہ ترقی کرے گی۔

دُور دراز سفر

یہاں کے صحافی اپنی مالی حالت درست کرنے کے لیے اور اخبار کے زیادہ سے زیادہ ممبر بنانے کے لیے دور دراز علاقوں کے سفر بھی کرتے ہیں اور باوجود ذرائع رسل و رسائل محدود ہونے کے وہ چمن سے پسنی اور فورٹ سنڈیمن سے گوادر تک سفر کرتے ہیں۔ یہ ان کی ہمت ہے کہ وہ سال دو سال میں ایک ڈیڑھ مہینہ اپنے اخبار کو زندہ رکھنے کے لیے سفر میں گذار دیتے ہیں اور بعض دفعہ اخبار نویسوں کے یہ دورے بڑے مایوس کن بھی ہوتے ہیں۔

پبلسٹی سے عدم دلچسپی

وادی بولان کے اہم شہروں کوئٹہ، مستونگ، قلات، پشین، چمن، سبی، فورٹ سنڈیمن، لورالائی وغیرہ کے کاروباری لوگ، فرم کمپنیاں پبلسٹی سے قطعاً دلچسپی نہیں رکھتیں ۔حالانکہ یہاں کے اخبارات کے نرخ بہت کم ہیں، اس کے باوجود کاروباری لوگ یہ نہیں جانتے کہ کاروبار کے فروغ کے لیے اشتہارات کتنے لازمی اور ضروری ہیں۔اس ضمن میں یہاں کے صنعتی اور دوسرے حلقے اشتہارات کے معاملے میں بخل سے کام لیتے ہیں، اوراول تو مقامی کاروباری اشتہارات یہاں کے اخبارات میں ہوتے ہی نہیں، اگر ہوں بھی تو بہت کم اور چھوٹے چھوٹے اور غیر جاذب ہوتے ہیں۔

ادائیگی میں تاخیر

یہاں کے اخبارنویسوں کو اشتہارات کے بلوں کی تاخیر سے وصولی کی بھی بڑی شکایت ہے۔اکثر اخبارات کے بل سرکاری محکموں سے چھ چھ ماہ بعد اور بعض تو دو دو سال تک وصول نہیں ہوتے۔یادداشتوں کے باوجود بل اس وقت ملتے ہیں جب بعض محکمے بل ادا کرنا چاہیں۔چاہے ایک ماہ کا عرصہ ہو یا دو سال کا۔یہ تاخیر یہاں کے صحافیوں کے لیے بڑی مہنگی اور کوفت رساں ہوتی ہے۔

بیسواں باب

مختلف کالم

راقم الحروف نے کوئٹہ شہر کے قارئین اخبارات سے کچھ دن پہلے سروے کی غرض سے انٹرویو کیے تھے۔ سوالنامے کے ایک سوال، کہ آپ کے خیال میں یہاں کے اخبارات میں کون کون سے کالم ہونے چاہئیں تو مختلف لوگوں نے اپنی دلچسپی کے مختلف کالموں کے نام لیے اور مجموعی طور پر انھوں نے مندرجہ ذیل کالموں کی اہمیت بھی اپنے نقطہ نظر کے تحت بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ مقامی اخبارات ہیں دو چار کالموں کے علاوہ باقی نہیں ہوتے۔ صحافی حضرات کی آگہی کے لیے ان کا مختصر حال درج کیا جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے اخبار کا معیار بلند کرنے کے لیے ان سے استفادہ کر سکیں۔ ان کالموں کے بغیر کوئی اخبار اچھا اور معیاری نہیں کہا سکتا۔

ادبیات کے کالم

یہاں کے اخبارات میں ادبیات کے مستقل کالم نہیں ہوتے۔ یہ کالم ہونے چاہئیں اور ان میں ادبی مضامین، شعرا کے کلام، تنقید و تبصرہ، ادبی مجلسوں کی کاروائی وغیرہ درج ہونی چاہیے۔ تاکہ ادب کے فروغ کے لیے جو لوگ کام کر رہے ہیں ان کو بھی یہاں کے اخبارات سے دلچسپی ہو۔ اس طرح ایک طرف تو ادب کی خدمت ہوگی دوسری طرف ادیبوں سے اچھی اور معیاری نظمیں، افسانے اور مضامین حاصل ہوں گے۔

بچوں اور عورتوں کے کالم

وادی بولان کے اکثر اخباروں میں بچوں اور عورتوں کے کالم مستقل طور پر شائع نہیں ہوتے۔ حالانکہ ہماری آبادی کا تین چوتھائی حصہ بچے اور خواتین اور بچے ہیں۔ ان کو نظر انداز کرنا تین چوتھائی آبادی کو نظر انداز کرنا ہے۔ بچوں کے کالم بچوں کی نفسیات کے مطابق سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے ان کی استعداد کے مطابق دلچسپ معلوماتی مضامین ہونے چاہئیں اور بچوں کے اپنے لکھے ہوئے مضامین کی اشاعت سے ان کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری ہے۔

خواتین کے کالموں میں گھریلو معاملات، گھریلو دستکاریوں، خانہ داری، گھریلو مسائل، عورت کے فرائض، قوم کی تعمیر میں عورت (بحیثیت ماں، بہن اور بیوی) کا حصہ، وغیرہ قسم کے مضامین ہونے چاہئیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے لیے بچوں کی نفسیات سے ماؤں کو واقف ہونا چاہیے۔ متمدن اور مغربی ممالک میں عورتیں ماں بننے سے پیشتر بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت کے اصول، بچوں کی نفسیات کے متعلق کتابیں پڑھ کر یا تجربہ کار عورتوں سے مل کر معلومات حاصل کر لیتی ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں سو سے شاید دو چار عورتیں ہی یہ معلومات حاصل کرتی ہوں گی۔ باقی بے بہرہ رہتی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی کمی ہے۔ خواتین کے کالموں میں خواتین کے اداروں کی سرگرمیاں بھی شائع کی جانی چاہئیں تاکہ معاشرتی بہبود کے اداروں اور کارکنوں کی حوصلہ افزائی اور معاشرتی بہبود کے کاموں میں حصہ لینے کی ترغیت ہو اور خواتین میں بھی اخبار کی مقبولیت بڑھے۔ خواتین کے صفحات یا کالموں کے لیے خواتین ایڈیٹر اگر مقرر کر دی جائیں تو یہ صفحے یا کالم بہت اچھے مرتب ہو سکتے ہیں۔

کھیلوں کے کالم

یہاں کے اخباروں میں کھیلوں کے متعلق مستقل کالم نہیں ہوتے البتہ کھیل کی آدھ جو خبر آ جائے شائع کر دی جاتی ہے۔سپورٹس رپورٹر بھی یہاں کسی اخبار کے پاس نہیں۔کھیل دراصل زندگی کا ایک جزو ہے۔جو قومیں صحت مند کھیلوں میں حصہ لیتی ہیں وہ قوم بھی جسمانی طور پر صحت مند ہوتی ہے۔کھیلوں کے بین الاقوامی مقابلوں میں شرکت کے لیے جب مختلف ملکوں کے کھلاڑی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ایسے موقع پر ثقافت کے فروغ کے بہتریں مواقع میسر آتے ہیں۔ یہاں کے اخباروں کو کھیلوں کے باقاعدہ کالم مقرر کر کے کھیلوں کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کرنا چاہیے کیوں کہ جسمانی مقابلوں اور مسابقوں سے قوم توانا، ضبط و نظم کی پابند اور بلند کردار بنتی ہے۔

کالج اور سکول میگزین

پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولوں اور کالجوں کے طلبا و طالبات کی تعلیمی سرگرمیوں مثلاً مباحثے، ڈراموں، مشاعروں، کھیلوں اور سلیبس کے علاوہ سرگرمیوں مثلاً جسمانی مقابلے، دوڑیں وغیرہ کے متعلق ہفتہ وار کالم مذکورہ یا کسی اور عنوان سے شائع کرنا اور تعلیمی اداروں کی سرگرمیاں عوم پر نمایاں کرنا بہت ضروری ہے اس کے لیے اچھے لکھنے والے طلبا اور طالبات کے مضامین شائع کیے جائیں۔

فلمی کالم

یہاں کے اخبارات میں فلموں پر تبصرہ اور تنقید کے لیے کوئی کالم نہیں ہوتا۔ زمانے کے تقاضے، عوام کی رہنمائی اور فلمی صنعت کے لیے اخبارات میں کم از کم ایک ہفتہ وار جگہ مخصوص ہونی چاہیئے۔ اس سے ملک کے نوجوانوں کو گمراہ کن فلموں اور ان سے مرتب ہونے والے غلط اور تباہ کن اثرات سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس سے فلمی اشتہارات ملنے میں سہولت ہو گی۔

صنعت و حرفت

یہاں کے اخباروں میں وادی بولان کی صنعت و حرفت کے ارتقا، گھریلو دستکاریوں کے متعلق معلومات افزا مضامین شائع ہونے چاہئیں۔

مذاحیہ کالم

آج کی زندگی بے حد پیچیدہ، مصروف اور تیز تر ہے۔ سنجیدہ، مضمحل کن مصروف ترین زندگی میں عوام کو ایسے مشاغل، تفریحات، نغموں، تفریحی مجالس اور لٹریچر کی ضرورت ہوتی ہے جن میں مصروفیات اور کاروبار سے تھکے ہوئے لوگ ہلکی پھلکی تفریح تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ طنز اور مزاح کے کے مواقع مہیا کرنے کا کام اخبارات کی ذمہ داری بھی ہے۔ یہاں کے اخبارات کو بھی ایسے مستقل کالم رکھنے چاہئیں۔ ان سے اخبار کی مقبولیت اور خریداری میں اضافہ ہو گا۔ یہاں کے کچھ اخبار (ہفتہ وار) اور ایک آدھ روزنامے ایسے کالم شائع تو کرتے ہیں لیکن ان میں طنز و مزاح زیادہ وزیع، متاثر کن اور معنی خیز ہونا چاہیئے۔

صحت وصفائی

حفظانِ صحت کے کالموں میں عوام کے لیے صحت وصفائی، سادہ اور مناسب غذا، تازہ ہوا، ورزش، آنکھوں، کانوں اور جسم کی صفائی اور حفاظت وغیرہ بے شمار عنوانات کے تحت مضامین شائع کیے جاسکتے ہیں۔ یہاں کے اخبارات میں ایسے کالم نہیں ہوتے۔ ایسے کالم ضرور ہونے چاہئیں۔

شادی غمی کی خبریں

بیاہ شادی کی خبریں، بسم اللہ، عقیقہ، سالگرہ، برسی وغیرہ کی تقریبات کی خبریں چھاپنی چاہئیں۔ کیوں کہ عوام کو ان سے خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ پیدائش و اموات کی خبریں بھی شائع ہونی چاہئیں۔ خاص طور پر ہفتہ وار شرح پیدائش و اموات اور شہر میں آنے جانے والی اہم شخصیتوں کی آمد ورفت قارئین کی دل چسپی کا باعث ہوتی ہیں۔

دلچسپ خبریں

یہاں کے اخبارات میں دلچسپ خبریں بہت کم ہوتی ہیں، سارے اخبارات سنجیدہ خبروں اور مضامین سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار کوئی دلچسپ خبر دیکھنے میں آجاتی ہے۔ دلچسپ خبریں کوئٹہ کی ہوں، پاکستان کی ہوں، یا دنیا کے کسی ملک کی ہوں۔ عوام کی دلچسپی کے لیے ضرور شائع کرنے چاہئیں۔

عدالت کی خبریں

یہاں کے اخبارات میں عدالت کی خبریں بہت کم ہوتی ہیں۔ عدالتی خبریں بہت مل سکتی ہیں۔ اگر کوشش کی جائے۔ گو پریس آرڈیننس نے اس سلسلے میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ پھر بھی ایسی خبریں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بازار کے بھاؤ

تجارتی نقطہ نگاہ سے بازار کے بھاؤ کے کالم یہاں کے اخباروں میں ہونے چاہئیں۔ خاص طور پر یہاں فروٹ کی خاص پیداوار کے لحاظ سے منڈے کے بھاؤ کے مستقل کالم ہونے چاہئیں۔ جو اس وقت نہیں ہیں۔

جرائم کی خبریں

جرائم کی خبریں ضرور ہونی چاہئیں۔ مگر وہ اس طرح بنائی جائیں کہ حقائق بھی قائم رہیں اور خبر سے جرائم کے بڑھنے کے رجحان کی ہرگز حوصلہ افزائی نہ ہو۔ بلکہ اس رجحان کی حوصلہ شکنی ہو تاکہ معاشرے کی برائیوں کی اصلاح کرنے میں مدد ملے۔

موسم کی خبریں

موسم کی خبریں اور محکمہ موسمیات کی موسمی پیشنگو یاں یہاں کے اخبارات میں عام طور پر کبھی کبھی شائع ہوتی ہیں اور بعض دفعہ تو مہینوں کسی اخبار میں موسم کے متعلق کچھ نظر نہیں آتا۔ موسم کے بارے میں خبریں ضرور شائع ہونی چاہئیں۔

دور دراز کی خبریں

دور دراز کے علاقوں کی خبریں حاصل کرنے کا ذریعہ نامہ نگار یا نمائندے ہوتے ہیں لیکن مقامی اخبارات کے دنوں ڈویژنوں کے تمام بڑے بڑے شہروں میں عام طور پر نامہ نگار مقرر نہیں ہیں ایک آدھ اگر ہے تو وہ بھی زیادہ سے زیادہ ایک ضلع کی خبریں ہی مہیا کرسکتا ہے باقی اضلاع کی خبریں حاصل نہیں ہوتیں۔ نامہ نگار مقرر نہ کرنے کی وجہ بھی مالی مشکل ہے۔ مقامی مفاد کی خبروں کے لیے ہر بڑے شہر میں نامہ نگار یا نمائندے ہونے چاہئیں۔ یہاں جس قدر مقامی خبریں زیادہ شائع ہوں گی اسی قدر اخبار کی اشاعت بڑھنے میں مدد ملے گی۔

خبریں اور سرخیاں

ہر اخبار کی ایک متعین پالیسی ہوتی ہے اور اسی کے تحت خبریں شائع کی جاتی ہیں۔ ہیڈ لائن یا شہ سرخی، ایڈیٹر مالک سے دریافت کیے بغیر نہیں دی جاتی۔ اگر پالیسی کے ذرا بھی منافی یا اس سے متصادم ہونے والی کوئی خبر آجائے اور کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو، اس کے متعلق پلپے بیک ایڈیٹر کو دریافت کرنا پڑتا ہے۔ ایک پلپے بیک ایڈیٹر کے یہ فرائض بھی ہوتے ہیں۔ روزمرہ کی خبریں فراہم کرنا، ترجمے کرنا، ریڈیو مانیٹر کرنا، تقریبوں، جلسوں اور پریس کانفرنس جہاں مالک ایڈیٹر بھیجے، اسے جا کر کارروائی قلم بند کرنا اور خبریں بنانا، ٹیلی پرنٹر کی خبروں اور اشتہاروں کا ترجمہ کرنا، پروف پڑھنا، کاپی جوڑنا ان کاموں کے علاوہ مقامی خبریں مہیا کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

جنھیں وہ اور کاموں کی زیادتی کی وجہ سے پوری نہیں کر سکتے۔ان کی امداد کے لیے اور اسسٹنٹ ہونے چاہئیں۔اخبارات میں مقامی خبریں اس قدر نہیں چھپتیں جس قدر موجود ہیں۔بعض دفعہ اہم خبریں بھی رہ جاتی ہیں۔

متفرق خبریں

پاکستان یا بیرونِ ملک کی اہم شخصیتوں کی آمدورفت،ٹرینوں کے اوقات، جہازوں کے ٹائم ٹیبل وغیرہ کی خبریں اخباروں میں ہوں تو عوام کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں۔ایسی خبریں مقامی اخباروں میں خاص توجہ واہتمام سے شائع کی جائیں اور ان کے باقاعدہ کالم ہونے چاہئیں۔

فالواپ خبریں

کسی حادثہ، واقعہ یا اہم تقریب کی پہلی خبر چھاپنے کے بعد صحافی بھول جاتے ہیں کہ آئندہ کیا ہوا۔اس حادثہ،تقریب کے بارے میں سابقہ سے منسلک آئندہ کاروائی کی تفصیل شائع ہوتی رہنی چاہیے تاکہ عوام اور قارئین شروع سے آخر تک آگاہ رہیں ،ورنہ وہ منتظر رہ جاتے ہیں کہ پھر کیا ہوا۔

پروف کی غلطیاں

بعض اوقات یہاں کے اخباروں میں پروف کی بڑی فاش غلطیاں ہوتی ہیں۔ قارئین کے لیے ایسی غلطیاں بعض وقت بڑی زحمت کا باعث ہوتی ہیں۔ اس قسم کی غلطیوں کا اخبار کے معیار پر اثر پڑتا ہے۔ کوشش کی جائے کہ اخبار میں ایک بھی غلطی نہ ہو اور خاص طور پر اگر کسی خبر کا بقیہ دوسرے صفحے پر دیا جارہا ہے تو دوسرے صفحے پر بقیہ ضرور ہونا چاہیے۔ یہاں کے اخبارات میں بعض اوقات "بقیہ جات" غائب ہو جاتے ہیں اور قارئین انھیں تلاش کرتے ہوئے سر دھنتے رہ جاتے ہیں۔ یعنی خبر یا مضمون کا بقیہ کسی دوسری خبر یا مضمون میں چسپاں ہو جاتا ہے اور اس طرح پہلا مضمون نامکمل رہ جاتا ہے۔ اس طرح مطلب اور مفہوم غلط اور بے ربط ہو کر زحمت کا باعث بنتا ہے کوشش کی جائے کہ اخبار میں ایک بھی غلطی نہ رہے۔

اکیسواں باب

اورکارکن

ایک اچھے معیاری اخبار کے عملے مندرجہ ذیل کارکن بھی ہونے چاہئیں اور آج کل وہ صحافت کے لازمی جزو قرار دیے گئے ہیں۔

قطعہ نویس

یہاں کے اخبارات حالات حاضرہ سے متعلق طنزیہ قطعات سے خالی ہوتے ہیں۔حالانکہ یہاں اچھے شعرا کی کمی نہیں جن سے قطعے لکھوائے جاسکتے ہیں۔۱۹۵۳ء میں اتحاد روزنامہ کے عملے میں مستقل ایک قطعہ نویس موجود تھے۔ان کا نام ارشد امروہی ہے جو یہاں کے پرانے اور مشہور شاعر ہیں۔ان کے قطعات بہت بلند ہوا کرتے تھے۔

کارٹونسٹ

آج کل مذاحیہ اور طنزیہ کارٹون کے بغیر اخبار نامکمن سمجھا جاتا ہے، وادی بولان کے کسی اخبار کے پاس کارٹونسٹ نہیں ہے۔اگر کسی اخبار میں کارٹون چھاپے بھی جاتے ہیں وہ بھی کبھی کبھار تو بہت بے ڈھنگے اور غیر واضح ہوتے ہیں جو صحیح مفہوم ادا کرنے سے بالکل قاصر ہوتے ہیں۔

آرٹسٹ

وادی بولان کے ایک آدھ اخبار کے سوا کسی کے پاس کارٹونسٹ کے طرح آرٹسٹ بھی نہیں ہے حالانکہ تصاویر، تصویری کہانی اور کارٹون کے بغیر کسی اخبار کو آج کل مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ دس سال پیشتر ۱۹۵۳ء میں جو پہلا روزنامہ "اتحاد" یہاں جاری ہوا تھا اس میں ایک ایسا آرٹسٹ موجود تھا جو بیک وقت آرٹسٹ، کارٹونسٹ اور تصویری کہانی بنانے والا بھی تھا۔ اس کا نام محمد علی ضیا صدیقی تھا۔ اتحاد میں اس کے بے شمار کارٹون اور تصویری کہانیاں قسط وار شائع ہوتی تھیں۔ تصویری کہانیاں امریکہ کے فیچر سنڈیکیٹ سے خریدی جاسکتی ہیں۔ اگر پسند نہ ہو تو ایک اچھا آرٹسٹ مقرر کیا جاسکتا ہے۔

پریس فوٹوگرافر

یہاں کسی اخبار کا اپنا فوٹوگرافر نہیں ہے۔ اس کی ضرورت شدید اس لیے نہیں سمجھی جاتی کہ یہاں بلاک نہیں بنتے۔ یہاں کے اخبارات محکمہ اطلاعات کے ممنون ہیں کہ وہ انھیں بے شمار فوٹو مہیا کرتا ہے۔ دوسرا ذریعہ فوٹو حاصل کرنے کا مقامی تسلیم شدہ پرائیویٹ فوٹوگرافر ہیں جو تصویریں قیمتاً مہیا کرتے ہیں، مگر وہ مہنگی ہوتی ہیں۔ یہاں کے اخبار نویسوں کو اپنے فوٹوگرافر اس لیے مقرر کرنے چاہئیں کہ وہ شہر کے مضافات کے حالات، تقریبات، جلسوں، واقعات، حادثات کی فوٹو عوام کے نقطہ نظر کے مطابق لے سکیں۔ کیوں کہ سرکاری فوٹوگرافر تو سرکاری نقطہ نظر سے فوٹو اتارتے ہیں۔ اور عوام کا اخبار اور اس کا فوٹوگرافر عوامی نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھ کر فوٹو کھینچے گا۔

جنگ اور سنسر

پہلی جنگ عظیم میں تو کسی قسم کے سنسر کا سوال ہی نہیں تھا۔ کیوں کہ نہ یہاں کوئی پبلک کا اخبار تھا، نہ سنسر کی ضرورت تھی۔ جو اخبار تھے وہ انگریزوں کے اپنے تھے اور انھی کے ترجمان تھے۔ اس لیے سنسر کا سوال ہی نہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے وقت یہاں چار ہفتہ وار اخبار تھے۔ کوئٹہ ٹائمز، استقلال، پاسبان اور الاسلام، انھی دنوں یہاں وار پبلسٹی کے لیے پبلسٹی دفتر قائم ہوا تھا۔ اس جنگ کے دوران سنسر کی پابندی باقائدہ عائد کی گئی تھی۔ جنگ کے بارے میں خبریں پبلسٹی کا دفتر مہیا کیا کرتا تھا جن پر سنسر نہیں ہوتا تھا۔ البتہ اس کے علاوہ جو خبر کوئی صحافی شائع کرانا چاہتا تو اس کی منظوری خبر دکھا کر لینی پڑتی تھی۔ اخبارات اس زمانے میں بڑے محتاط تھے۔

مارشل لا اور سنسر

۱۹۵۸ء میں سارے پاکستان میں پر امن انقلاب آیا۔ مارشل لا کے نفاذ پر اخبارات پر سنسر لازمی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں کے اخبارات پر بھی ملک کے دوسرے حصوں کی طرح سنسر لگایا گیا۔ ابتدا میں یہ سنسر بڑا پریشان کن تھا۔ باقاعدہ خبریں دکھا کر ان کی اشاعت کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ اس زمانے میں اخبار نویس بہت محتاط تھے۔ پھر دو تین واقعات قابل ذکر ہوئے۔ ایک اخبار نے ایک افسر کے تبادلے کی غلط خبر شائع کر دی۔ اس پر ایڈیٹر کو جرمانہ ہوا۔ اس کے ایڈیٹر نے بعد میں اخبار خود بند کر دیا۔ ایک اخبار نے (جمالستان) لاہور کے ایک دوسرے اخبار میں شائع شدہ مضمون کو اپنے اخبار میں شائع کیا۔ اس پر وہ اخبار بند کر دیا گیا۔ قومی اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے دو تین نمائندوں سے بعض خبروں کی ترسیل پر پوچھ گچھ کی گئی۔

بائیسواں باب

چھاپے خانے

انگریزی دور میں یہاں بہت ہی کم چھاپے خانے تھے۔ زلزلہ سے پیشتر ایک بھی لیتھو پریس نہیں تھا۔ جو چھاپے خانے انگریزی دور یا بعد میں قائم ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

انگریزی دور میں چھاپے خانے

انگریزی دور میں یہاں ایک آدھ ہینڈ پریس اور انگریزی ٹائپ (ٹریڈل مشین) کے چھاپے خانے تھے۔ زلزلے سے پہلے یہاں اسلامیہ پریس، وکٹوریہ پریس، البرٹ پریس، کرزن پریس، مرکنٹائن پریس، سول اینڈ ملٹری پریس تھے۔ زلزلے کے بعد یہاں یہ پریس قائم ہوئے۔ البرٹ پریس، اسلامیہ پریس، عزیز پریس (جو بعد میں استقلال اور پھر بلوچستان پریس کے نام سے موسوم ہوا) سول اینڈ ملٹری پریس، ان سب میں لیتھو کی مشینیں نصب ہوئیں۔

موجودہ چھاپے خانے

قیام پاکستان سے اب تک یہ چھاپے خانے کام کررہے ہیں اسلامیہ پریس ٹائپ اور لیتھو، زمانہ پریس ٹائپ اور لیتھو، مستونگ میں گورنمنٹ پریس ٹائپ اور لیتھو۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ٹائپ کے پریس ہیں ۔ ان میں ٹریڈل مشینیں ہیں۔ پاکستان پریس سٹنڈرڈ پریس، چلتن پریس، انصاف پریس، گورنمنٹ پریس، قلات پریس، قریشیہ پریس۔ ان چھوٹے چھاپہ خانوں میں ایک دو میں اخباروں کے بلاک چھپتے ہیں۔ باقی میں اخباروں کی کسی قسم کی چھپائی کا کام نہیں ہوتا۔

عزیز پریس

میر یوسف علی مگسی نے جوجھل (قلات) کے نواب اور ایک نوجوان رہنما تھے، ایک پریس اخبار جاری کرنے کے لیے خریدا تھا۔ اس کے لیے مستونگ میں کافی چندہ جمع کیا گیا تھا۔ میر یوسف علی مگسی زلزلہ ۱۹۳۵ء میں فوت ہوگئے ۔ چنانچہ پریس عزیز پریس کے نام سے پرنس روڈ پر قائم ہوا۔ پھر اس کے نگران عبدالصمد خان اچکزئی بنے اور اس میں ہفتہ وار "استقلال" شائع ہونے لگا۔ بعد میں اس قومی پریس کو خان عبدالصمد خان نے ذاتی ملکیت بنالیا اور اس کا نام استقلال پریس اور پھر بلوچستان پریس رکھا گیا۔ یہ پہلا لیتھو پریس تھا جو ایک اردو اخبار کے لیے قائم ہوا۔ یہ پریس حاجی محمد یوسف کے پاس پانچ سال تک کرائے پر بھی رہا تھا۔

البرٹ پریس

البرٹ پریس کے مالک مسٹر گول والا اینڈ سنز ہیں۔ یہ پریس سب سے قدیم اور پہلا پریس ہے جو ۱۸۸۸ء میں یہاں قائم ہوا تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس پریس کو اسے قائم کرنے والے کا خاندان اب تک چلا رہا ہے۔ یہ پریس گورنمنٹ کا تسلیم شدہ ہے۔اس میں لیتھو مشینیں 1950ء میں نصب ہوئیں۔اس پریس نے یہاں طباعت کے کام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اس پریس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ بہت سے پریس کے منتظمین اپنے ریٹائرڈ پریس ورکرز کو پنشن بھی دیتے ہیں اور بیماری یا کسی اور ضرورت کے وقت ادویات کے لیے پیسے دے کر امداد بھی کرتے ہیں ۔ اس پریس کے مینجنگ پروپرائیٹر مسٹر لو جی پسٹم جی گول والا اور شاوک رستم جی ہیں ۔ یہ دونوں بڑے ہنس مکھ اور محنتی ہیں۔اس پریس کا سٹاف پچیس ورکروں پر مشتمل ہے۔اس پریس میں یہ اخبار چھپتے رہے ہیں: میزان، بچوں کا شاہین، صداقت، اتحاد، زمانہ، نعرۂ حق، کوئٹہ ٹائمز، صبح نو، ایلم، ساربان ، بولا نیر ڈاک، میثاق الحق، معلم ، باغ و بہار۔ اس پریس میں رنگین سادہ اور بلاک پرنٹنگ عمدہ ہوتی ہے۔اس میں اردو، انگریزی ، بلوچی ، براہی پشتو کی چھپائی کا انتظام ہے۔ پریس اتوار کو بند رہتا ہے۔ نیز افغانستان کے کاروباری اپنی سٹیشنری یہاں چھپواتے ہیں۔ ۳۰x۴۰ سائز کی لیتھو مشین ہے جس میں آٹو میٹک طور پر کام کے لیے بھی جدید مشینری نصب ہے۔

مینیجر البرٹ پریس

اس پریس کے مینیجر نوجوان مسٹر محمد اسلم ہیں جو دس ستمبر ۱۹۴۷ء سے اس پریس میں کام کرتے ہوئے حال میں مینیجر بنے ہیں۔ مسٹر محمد اسلم نے اس پریس میں کام کرتے ہوئے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ وہ سمجھدار، ذہین، محنتی اور پریس کا کام میں ماہر نوجوان ہیں اور پریس کے بڑے خوش اسلوب منتظم ہیں۔ پریس کے مالکوں کے علاوہ گاہک بھی ان کے سلوک اور کام سے مطمئن ہیں۔

اسلامیہ پریس

اسلامیہ پریس کے مالک حاجی محمد یوسف ہیں۔ انھوں نے یہ پریس ۱۹۳۰ء میں مشن روڈ پر قائم کیا، وہاں سے جناح روڈ اور پھر شارع اقبال پر پریس آیا۔ اس پریس میں لیتھو پریس ۱۹۴۷ء میں لگایا گیا۔ یہ پریس حکومت کا تسلیم شدہ ہے۔ اس پریس کے ساتھ حاجی محمد یوسف نے بلوچستان پریس بھی پانچ سال کے لیے کرایہ پر لیا تھا۔ اس پریس نے یہاں طباعت اور ثقافت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے اور حسن کارکردگی کی بنا پر اس پریس کو حکومت کی طرف سے تعریفی سرٹیفکیٹ بھی ملا ہے۔ اردو، انگریزی، پشتو، بلوچی، براہوی سادہ اور رنگین چھپائی کا اس پریس میں بہترین انتظام ہے۔ اور تو اور افغانستان کی کاروباری فرمیں اس پریس سے اپنے کاروبار کے متعلق سٹیشنری چھپوا کر لے جاتی ہیں۔ اس پریس میں سوائے دو اخباروں کے باقی جو ۱۹۴۷ء سے اب تک جاری ہوئے، شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: میزان، استقلال، بلوچستان جدید، پاسبان، بچوں کا شاہین، رہبر نسواں، ساربان، حقیقت ، مبلغ، معلم، باغ و بہار، اخبارِ بلوچستان ، پیغام، پیغام جدید، خورشید، جمہور، کاروان، قاصد، ترجمان،

چلتن، ریاست، تنظیم، نوکین دور، ہیواد، ظفرالاسلام، کارکن، زرغون، اسلامیہ اسکول میگزین، پکار، اولس بلوچی، اولس پشتو، کہسار، تعمیر بلوچستان، یونین اور ہفتہ وار اتحاد۔ اسلامی اکیڈمی کے بلیٹن اور مجلّہ، سب اس پریس میں چھپتے رہے ہیں۔اس پریس کا عملہ پچیس افراد پر مشتمل ہے۔اس میں اب ایک نئی بڑی لیتھو مشین جو۳۰x۴۰ سائز کا کاغذ چھاپے گی، لگائی جارہی ہے۔اس مشین کے نصب ہونے سے چھپائی کی رفتار میں اور تیزی پیدا ہوجائے گی۔اس کے مینجر بھی اس کے مالک حاجی محمد یوسف ہیں۔ یہ پریس ہر جمعہ کو بند رہتا ہے۔

بولان پریس

بولان پریس کے مالک سیف الاسلام ہیں۔انھوں نے یہ پریس جناح روڈ پر ۱۹۵۵ء میں قائم کیا، اور پھر اسے ترقی دے کر ۱۹۵۸ء میں اس میں لیتھو پریس بھی لگایا۔ یہ لیتھو پریس وہ جو تقسیم سے قبل سول اینڈ ملٹری پریس میں تھا، جو ۱۹۴۷ء میں جل گیا تھا۔ یہ پریس بھی حکومت کا تسلیم شدہ ہے۔اس میں بھی سادہ رنگین بلاکوں، اردو، انگریزی، بلوچی، پشتو کی چھپائی کا عمدہ انتظام ہے، اور یہ پریس فیکٹری ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ شدہ ہے۔اس کے عملے میں بیس پریس ورکر شامل ہیں۔اس میں یونین، قاصد، تعمیر بلوچستان چھپتے رہے ہیں۔اس کے مینیجر شمس الاسلام ہیں۔ یہ نوجوان پریس کو خوش اسلوبی سے چلانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

زمانہ پریس

زمانہ پریس سید فصیح اقبال مالک ایڈیٹر روزنامہ زمانہ نے جناح روڈ پر پہلیل ایکسپریس پرنٹنگ کے نام سے قائم کیا۔اس میں ٹریڈل اور لیتھو دونوں مشینیں ہیں۔اس کا افتتاح ۱۹۶۳ء میں میاں ریاض الدین احمد نے کیا تھا۔اور ۲۵ اگست ۱۹۶۴ء کو اس کا نام زمانہ پرنٹنگ پریس رکھا گیا۔اس پریس میں بھی اردو، انگریزی، بلوچی، براہوی، پشتو اور رنگین اور سادہ چھپائی کا بہترین انتظام ہے۔اس پریس کے مینجر محمد بخش لہڑی ہیں جو بڑے بردبار، محنتی اور ذہین ہیں۔انھوں نے اس کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے سنبھال رکھا ہے۔

گورنمنٹ پریس مستونگ

مستونگ میں گورنمنٹ پریس ۱۹۴۸ء میں حکومت قلات نے قائم کیا تھا جو کچھ عرصہ چلا پھر بند پڑا رہا اور اب تقریباً دو سال سے کام کر رہا ہے۔

قلات پریس

حال ہی میں مسٹر زمرد حسین نے مستونگ میں اس نام سے ٹائپ کا پہلا پرائیویٹ پریس قائم کیا ہے۔

پریس ورکرز یونین

پریس ورکرز یونین کے نام سے یہاں کے چھاپہ خانوں کے ملازمین کی ایک تنظیم بھی ہے جو یہاں تقریباً آٹھ سال پہلے قائم کی گئی تھی۔اس میں یہاں کے تقریباً تمام چھاپہ خانوں میں کام کرنے والے مشین مین، کمپوزیٹر، ڈسٹریبوٹر وغیرہ شامل ہیں اس یونین کے عہدیداروں کا ہر سال انتخاب ہوتا ہے۔

کاتب

وادی بولان کے مختلف چھاپہ خانوں اور اخباروں کے دفاتر میں متعدد کاتب کام کرتے رہے ہیں۔ پرانے کاتبوں میں موسیٰ محمد امین، حافظ گل سردار، شکیراللہ (جنھوں نے بہت کاتب بنائے) غلام نبی، برکت علی، محمد حفیظ، عطاءاللہ، پیر محمد زیرانی، مولوی عبدالعزیز، نذیر احمد، محمد رفیع، مسرور عل، ضیا صدیقی مشہور ہیں۔ یہ تمام کاتب حضرات تجربہ کار اور کہنہ مشق ہیں۔

مسٹر عطااللہ ایک بہترین نوجوان کابت ہیں ۔انھوں نے روزنامہ اتحاد میں اپنے پاکیزہ اور نفیس خط کا سولہ سترہ سال کی عمر میں مظاہرہ کر کے داد تحسین حاصل کی اور انھی دنوں میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔ان کی کتابت کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جتنے کالم لکھا کرتے تھے،ان کا پروف پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں پیش آتی بلکہ وہ ایڈیٹر کی فروگذاشت کو درست کر کے لکھا کرتے تھے۔اتحاد کے بند ہونے پر وہ لاہور چلے گئے۔ وہاں روزنامہ ملت میں کام کیا۔پھر کئی اور اخباروں میں کام کیا اور آج وہ "نوائے وقت" کے ہیڈ کاتب ہیں۔

بے جا نہ ہوگا اگر ایک بہترین کاتب آرٹسٹ اور کارٹونسٹ کا ذکر کر دیا جائے۔ اس نے روزنامہ اتحاد میں بے شمار کارٹون اور تین تصویری کہانیاں بنائیں اور وہ قسط وار چھپی تھیں۔ کہانی کی تصویریں بالکل بلاک کی تصویریں معلوم ہوتی تھیں۔ اگر موجودہ روزنامے امریکہ کے فیچر سنڈیکٹ سے مصور کہانیاں نہیں منگا سکتے تو کم از کم ایک آرٹسٹ کا تقرر کر کے اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے قابلِ ذکر آرٹسٹ مسٹر نذیر احمد ہیں۔ مسٹر نذیر ایک بہترین ڈیزائنر اور مجسمہ ساز بھی ہیں۔ اور ان کا خط بہت پاکیزہ ہے۔ لیکن یہ عظیم کاتب اور مجسمہ ساز عین جوانی میں فوت ہو گئے۔

مختلف پریس اور اخباروں میں جو کاتب کام کر رہے ہیں، ان کے تعلق سے ان کا نام لکھنا اس لیے مناسب نہیں کہ کاتبوں کی عارضی ملازمت ہوتی ہے اور پریس اور اخبار بدلتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہاں چھاپہ خانوں اور اخباروں میں کام کرنے والے کاتبوں کی تعداد درج کی جا رہی ہے اور آخر میں ان سب کے نام درج ہیں:۔

اسلامیہ پریس میں چار کاتب، بولان پریس میں ایک، رابرٹ پریس میں ایک، ٹرائیبل پبلسٹی میں پانچ، محکمہ سٹلمنٹ میں ایک، مستونگ پریس میں ایک، زمانہ پریس میں آٹھ اور روزنامہ قاصد میں تین، نعرۂ حق میں چار اور ہفتہ وار میزان میں ایک۔

یہاں جو کاتب کام کر رہے ہیں ان کے نام یہ ہیں: مولوی عبدالعزیز، دین محمد، محمد حسین۔، اصغر حسین، عتیق احمد، محمد یوسف، شفیق احمد، مولا بخش، رحمت اللہ، محمد عارف، محمد یوسف شاہوانی، مولانا عبدالباقی درخانی، ارشاد احمد، محمد یوسف، محمد عبداللہ، محمد ادریس، مشتاق حسین پرویز، عبدالرؤف، عبدالشکور، عبدالنبی، ماسٹر عبداللہ، خیر محمد رئیس خیل، حافظ گل سردار۔ دو خواتین بھی اخباروں میں کتابت کرتی رہی ہیں۔

بلاک سازی

کوئٹہ میں اب تک بدقسمتی سے بلاک سازی کا پلانٹ نہیں ہے۔اس لیے یہاں کے اخبارات کو تصاویر کراچی یا لاہور بھیج کر بلاک بنوانے پڑتے ہیں۔جن پر ایک تو خرچ زیادہ آتا ہے اور دوسرے بلاکوں کے آنے میں تاخیر بہت ہو جاتی ہے۔جس سے بلاک بنوانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

ٹیلی پرنٹر

یہاں سب سے پہلے اے پی پی کی ٹیلی پرنٹر سروس ۵۴-۱۹۵۳ء میں روزنامہ اتحاد نے حاصل کی تھی۔اس اخبار کے لیے کراچی سے اے پی پی کے خبروں کے تار آیا کرتے تھے۔اوران کا معاوضہ ڈھائی سو روپے ماہوار دیا جاتا تھا۔۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء میں چھتیس ہزار کے عوض یہ سروس یہاں مہیا کی گئی اور ٹیلی پرنٹر مشین لگائی گئی اور ایک سال تک مقامی روزناموں کو یہ سروس مفت دی گئی۔دوسرے سال ایک کمیٹی بنائی گئی تاکہ یہ دیکھا جائے کہ یہ سروس قائم رکھی جائے یا بند کی جائے کیوں کہ یہاں کے تین اخبار یہ سروس لیتے ہیں اور وہ اس کا معاوضہ ادا کرنے کے قابل نہیں مگر دوسرے سال حکومت نے بڑی فیاضی سے تنتیس ہزار چھ سو روپے مہیا کر دیے۔بیس نومبر ۱۹۶۳ء کو اس کا افتتاح مرکزی وزارت اطلاعات کے سیکرٹری مسٹر الطاف گوہر نے کیا۔اس وقت ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے ایڈمنسٹریٹر مسٹر اے کے قریشی بھی یہاں موجود تھے جو قاہرہ کے نزدیک پی آئی اے کے جیٹ طیارے کے حادثے میں جاں بحق ہوئے۔

تیئسواں باب

قومی اخبارات

وادی بولان مغربی پاکستان کے اہم قومی اخبارات بھی بڑی تعداد میں آتے ہیں اوران کے حلقہ ہائے اثر واشاعت بھی وسیع ہیں۔اردواخبارات میں روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ حریت کراچی، روزنامہ انجام کراچی، روزنامہ نئی روشنی کراچی، مشرق لاہور، نوائے وقت لاہور، امروز لاہور، کوہستان لاہوراور انگریزی کے اخبار ڈان کراچی، پاکستان ٹائمز کراچی یہاں آتے ہیں۔اور یہ سب اخبارات کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے اہم شہروں میں پہنچتے ہیں۔کراچی اور لاہور کے تمام اخبارات یہاں طیارے سے آتے ہیں۔

اہم قومی اخبارات

تمام قومی اخباروں میں روزنامہ "جنگ کراچی" یہاں سب سے زیادہ مقبول ہے اوراس کی اشاعت کوئٹہ قلات ڈویژنوں میں سب سے زیادہ ہے۔کوئٹہ کے علاوہ روزنامہ جنگ مستونگ، قلات، سبی، مچھ، فورٹ سنڈیمن، لورالائی، نوشکی، چمن ہر جگہ پہنچتا ہے۔کوئٹہ شہر میں اس کی تین سب ایجنسیاں ہیں۔اس کے بعد حریت کا نمبر ہے۔ کوہستان اور مشرق کی بھی مانگ ہے۔نوائے وقت کی مانگ صدارتی الیکشن کے دوران بڑھی تھی۔مگراب پھر وہی ہے جو پہلے تھی۔ڈان اور پاکستان ٹائمز انگریزی خواں لوگوں میں مقبول ہیں۔مگران کی اشاعت زیادہ نہیں۔روزنامہ جنگ کے کافی پرچے کوئٹہ سے قندھار بھی جاتے ہیں۔

ماہنامے اور رسالے

وادی بولان میں (اسکولوں کے رسائل کے علاوہ) ایک بھی ماہوار رسالہ شائع نہیں ہوتا مگر کراچی لاہور سے یہاں ادبی، مذہبی، فلمی، تعلیمی، نفسیاتی، بچوں اور خواتین کے بے شمار رسائل آتے ہیں، انگریزی رسالے بھی کچھ دستیاب ہیں۔

قومی اخبارات کے نمائندے

کوئٹہ میں قومی اخبارات کے مندرجہ ذیل نمائندے مقرر ہیں:۔

۱۔روزنامہ جنگ کراچی/راولپنڈی کے کمال الدین احمد۔

۲۔روزنامہ کوہستان لاہور کے خواجہ عبدالکریم بٹ۔

۳۔روزنامہ حریت کراچی کے طاہر نصیر۔

۴۔روزنامہ انجام کراچی کے مسٹر عزیز بھٹی۔

۵۔روزنامہ مشرق لاہور کے مسٹر مقبول رانا۔

۶۔روزنامہ نوروز کراچی کے مسٹر کے ایم فاروق۔

۷۔روزنامہ ڈان کراچی کے مسٹر شمس الحق۔

۸۔روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور کے مسٹر غلام طاہر۔

قومی اخباروں کے پہلے نمائندے

قومی اخبارات کے یہاں نمائندے قیام پاکستان کے بعد سے مقرر ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ ڈان کراچی کے نمائندے یہاں مسٹر محمود احمد تھے۔ پاکستان ٹائمز کے نمائندے قاضی انوار الحق اور عبدالصمد خان درانی رہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندے اس کے بند ہونے تک مسٹر شمس الحق رہے۔ کوہستان کے نمائندے خواجہ محمد فاروق تھے۔ امروز لاہور کے نمائندے مسٹر غلام طاہر رہے ہیں۔ مشرق کے اشفاق ضیا اور نوائے وقت کے نمائندے مسٹر عبدالصمد خان درانی رہے ہیں۔ سندھ آبزرور کے نمائندے چھ ماہ تک کمال الدین احمد اور حریت کے نمائندے پہلے شمیم احمد اور تقریباً ڈیڑھ سال تک مسٹر یونس واسطی رہے۔

نیوز ایجنسیوں کے نمائندے

کوئٹہ میں نیوز ایجنسیوں کے مندرجہ ذیل نمائندے ہیں:۔

۱۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کراچی کے نمائندے مسٹر محمد رفیق پراچہ۔

۲۔ پاکستان پریس ایسوی ایشن کراچی کے نمائندے مسٹر معظم علی ہیں۔

ایجنسیوں کے پہلے نمائندے

وادی بولان میں قیام پاکستان سے قبل یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کا یہاں نمائندہ ہوا کرتا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے نمائندے یہاں مقرر ہوئے۔ ان میں قابل ذکر مسٹر حسن اختر گدیزی، صفدر علی قریشی۔ مسٹر حسن اختر، قاضی انوار الحق خان، مسٹر علی کبیر بھی یہاں اے پی پی کے نمائندے رہے۔ سٹار نیوز ایجنسی کے نمائندے مسٹر محمد رفیق پراچہ، پھر مسٹر علی اختر رضوی، پھر مسٹر اعظم علی اور بعد میں مسٹر معظم علی رہے۔ اردو پریس سروس کے نمائندے یہاں مسٹر ارشاد علی راؤ مقرر ہوئے۔ اب کوئی نہیں ہے۔

وادی بولان میں قومی اخبارات اور ان کے نمائندوں کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ قومی اخبارات کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے اور ان اخباروں کے نمائندوں دو اہم فرائض انجام دیتے ہیں؛ پہلا یہ کہ یہاں کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور معاشرتی سرگرمیوں اور مسائل اور حکومت کے تعمیری کاموں اور ترقیاتی پروگراموں کا موثر انداز میں تعارف پاکستان کے دوسرے حصوں کے عوام سے کراتے ہیں۔ صوبائی اور مرکزی حکومتوں کو یہاں کے لوگوں کی ضروریات اور مسائل سے آگاہ کرتے ہیں اور جب اس سلسلے کی خبریں قومی اخبارات میں شائع ہو جاتی ہیں اور اخبار یہاں آتے تو ان سے کوئٹہ، قلات ڈویژنوں کے لوگوں اور انتظامیہ کو آگاہی ہوتی ہے۔ قومی اخبارات کے نمائندے جو یہاں مقیم ہیں وہ اس طرح دگنا کام کر کے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ (بعض دفعہ ایک قومی اخبار میں اٹھائیس انتیس تک مقامی خبریں شائع ہوتی ہیں) ان کے علاوہ آئے دن قومی اخبارات میں باتصویر آرٹیکل، مکتوب، مضامین وغیرہ اس علاقے کے متعلق اکثر

شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ چیزیں قومی اخبارات کے نمائندے ہی بھیجتے ہیں۔اس طرح قومی اخبارات تو اہم ہیں ہی۔مگران کے نمائندے بھی اس علاقے کے لیے نہایت لازمی اورمفید ہیں۔

ویج بورڈ کے اراکین کی آمد

اکتوبر۱۹۶۲ء کے آخری ہفتے میں عامل صحافیوں کی تنخواہوں وغیرہ کے بارے میں حکومت کے مقرر کردہ ویج بورڈ کے اراکین جناب جسٹس سجاد احمد خان کی سرکردگی میں کوئٹہ آئے۔اس کے سیکرٹری مقبول شریف، مسٹر ظہور عالم شہید اور ایس ایم علی اس کے ممبر تھے۔(ان میں مسٹر ایس ایم علی و نمائند پاکستان ٹائمز۔ڈھاکہ) صحافیوں کی نمائندگی کررہے تھے۔ویج بورڈ کے چیئرمین اور اراکین نے یہاں کے عامل صحافیوں اور مقامی روزناموں کے مالکوں اور ایڈیٹروں سے فرداً فرداً ان کی تکالیف اور مسائل بڑے غور اور توجہ سے سنے اور اہم باتیں نوٹ کیں۔اس موقع پر دلچسپ بات یہ تھی کہ اندر ویج بورڈ کے اراکین صحافیوں کے مسائل سن رہے تھے اور باہر غلام گردش میں ایک مقامی روزنامے کا ایڈیٹر اور مالک اپنے ایک ماتحت کو کھلم کھلا یہ دھمکی دے رہا تھا کہ اگر میرے بتائے تنخواہ کے اعداد وشمار کے مطابق تم نے بیان نہ دیا تو میں تمھیں نکال دوں گا۔چنانچہ بعد میں انٹرویو دینے والے کارکن صحافیوں نے یہ بات کمیٹی کے سامنے پیش بھی کردی تھی۔

ویج بورڈ کے فیصلے کا نفاذ

ویج بورڈ نے اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ مگر یہ تعجب کی بات ہے کہ یہاں کے اخبارات نے اپنے عملے میں سے کسی کو بھی اس کے فیصلے کے مطابق تنخواہیں اور مراعات نہیں دیں۔ اس کے علاوہ کوئٹہ میں مقیم قومی اخبارات کے نمائندوں کو بھی یہاں ویج بورڈ کے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ صرف روزنامہ "جنگ" کراچی نے اپنے نمائندے کو پہلے ہی سہولتیں دے رکھی تھیں۔ باقی مراعات ویج بورڈ کے فیصلے پر تفویض کر دیں اور یکم جنوری ۱۹۶۲ء سے باقائدہ ویج بورڈ کا مقرر کردہ گریڈ اور سہولتیں دے دیں۔

حقائق معلوم کرنے والی کمیٹی

کوئٹہ میں ویج بورڈ کے فیصلے کے نفاذ کے بارے میں حقائق معلوم کرنے والی کمیٹی اگست ۱۹۶۴ء میں آئی۔ اس کے چیئرمین سیکرٹری انفارمیشن مسٹر منیر حسین تھے۔ مالکان اخبارات کی طرف سے مسٹر محمود ہارون اور حمایتوں کی طرف سے مسٹر اسرار احمد "آزاد" ڈھاکہ کے نمائندے تھے۔ اس کمیٹی نے یہاں ویج بورڈ کے نفاذ کے بارے میں قومی اخبارات کے نمائندوں، مقامی عامل صحافیوں اور مالکان اخبارات سے بات چیت کی۔ تمام قومی اخبارات، نیوز ایجنسیوں، مقامی عامل صحافیوں اور مقامی اخبارات کے مالکان نے اپنے بیانات دیے اور اپنی تکالیف پیش کیں۔

چوبیسواں باب

صحافیوں کی تنظیمیں

وادی بولان کے صحافیوں کے پیشہ ورانہ مفاد کے تحفظ کے لیے کوئٹہ میں سے پہلے ۱۹۴۰ء میں اخبار نویسوں کی ایک ایسوسی ایشن قائم کی گئی تھی۔ اس کا نام "جرنلسٹس ایسوسی ایشن" رکھا گیا۔ اور اس کے صدر عبدالصمد خان اچکزئی، ایڈیٹر ہفتہ وار استقلال اور جنرل سیکرٹری مسٹر جھانگیانی تھے جو اس وقت یہاں سٹیٹس میں کے نمائندے تھے۔ اس تنظیم میں اس وقت کے سارے صحافی جن کی تعداد تین چار تھی۔ شامل تھے۔ اس کے بعد یہاں مختلف تنظیمیں قائم ہوئیں اور ختم ہوگئیں پیشہ ورانہ مفاد کی مقامی اخبارات کی یہاں دو تنظیمیں ہیں۔ یہاں پی این ای سی کی شاخ بھی قائم ہوئی تھی۔

ایڈیٹرز ایسوسی ایشن

مقامی اخبارات کی ایک تنظیم کا نام ایڈیٹرز ایسوسی ایشن ہے۔ اس کے صدر مولوی محمد عبداللہ اور جنرل سیکرٹری مسٹر ابراہیم خلیل ایڈیٹر روزنامہ قاصد ہیں۔

ویکلی اخباروں کے ایڈیٹروں کی تنظیم

مقامی اخبارات کی دوسری تنظیم ویکلی نیوز پیپرز ایڈیٹرز ایسوسی ایشن ہے۔اس کے کنوینر مسٹر جمیل الرحمان احمد ایڈیٹر میزان ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔اس میں تمام ہفتہ وار اخبار شامل ہیں۔

پریس روم

صحافی انفارمیشن آفس جاتے تو ان کے بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔تمام صحافی دفتر ہی میں بیٹھتے تھے۔اس لیے صحافیوں کے لیےایک پریس روم کی ضرورت تھی۔ انھوں نے انتظامیہ سے سیکرٹریٹ میں ایک کمرہ پریس روم کے طور پر استعمال کرنے کے لیے مانگا چنانچہ پریس روم کے لیےایک کمرہ دیا گیا اوراس پریس روم کا افتتاح اس وقت کے کمشنر مسٹر محمد حسین صوفی نے کیا تھا۔ بعد میں پریس روم کے بدلے میں ٹورسٹ سنٹر کا کمرہ پریس کلب کے لیے دیا گیا۔اب پریس روم کوئی نہیں ہے۔

پریس فرینڈز کلب

۱۹۵۵ء میں یہاں کےایک مشہور صحافی عبدالصمد خان درانی جواس وقت نوائے وقت کے نمائندے تھے۔ پریس فرینڈز کلب کی بنیاد رکھی تھی۔ان کے ساتھ اس وقت روزنامہ ڈان کے نمائندے مسٹر محمود احمد اور مسٹر شمیم مسعود ہفتہ وار اتحاد کے ایڈیٹر بھی تھے۔

پریس کلب

۱۹۵۹ء میں یہاں کے تمام صحافیوں نے طے کیا کہ ایک باقاعدہ پریس کلب قائم کیا جائے۔ چنانچہ پریس کلب کا آئین مرتب کرنے کے لیے ایک آئین ساز کمیٹی بنائی گئی۔اس کے مولانا عبدالکریم اور مولانا محمد عبداللہ کے علاوہ بھی کئی اور صحافی ممبر تھے۔ کمیٹی کا مرتب کردہ آئین صحافیوں کے ایک عام اجلاس میں منظور کیا گیا۔اور اس پریس کلب کا نام پریس کلب کوئٹہ قلات ڈویژن رکھا گیا۔اس کے لیے ایک کمرے کی عمارت کوئٹہ میونسپلٹی نے دی جو ٹاؤن ہال میں واقع ہے۔اس کے ساتھ ایک کمرہ ٹورسٹ سنٹر کے لیے تھا۔اور اسے سیاحوں کا مرکز اطلاعات کہا جاتا تھا۔ کچھ دن کے بعد صحافیوں کی درخواست پر سیکرٹریٹ میں جو کمرہ پریس روم کے لیے دیا گیا ہے اس کے بدلے میں لے لیا جائے۔اور ٹورسٹ سنٹر والا کمرہ پریس کلب کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ کمرہ پریس کلب کی عمارت میں شامل کرلیا گیا۔

پریس کلب کے لئے زمین

جن دنوں مسٹر معزالدین احمد کمشنر کوئٹہ ڈویژن تھے انھوں نے پریس کلب کے لیے سول کورٹس کے احاطے میں ایک قطعہ زمین دیا تھا۔لیکن مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہاں پریس کلب نہ بنایا جاسکا۔

پریس کلب تفریحی ادارہ

پریس کلب کے سالانہ انتخابات میں عہدیدار چنے جاتے ہیں۔ پریس کلب کا مقصد پہلے ایک ایسی تنظیم تھا جس کے ذمے صحافیوں کے پیشہ وارانہ مفاد کی دیکھ بھال بھی تھی۔ لیکن بعد میں اسے صرف ایک تفریحی ادارہ ایک قرارداد کے ذریعے قرار دیا گیا۔اس کے پہلے صدر مولانا محمد عبداللہ، ایڈیٹر پاسبان تھے۔اب پریس کلب رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہے۔

پریس کلب کو عطیات

ا۔موجودہ پریس کلب کی عمارت جو مختصر کمروں پر مشتمل ہے، کوئٹہ میونسپلٹی نے دی ہے۔

۲۔امریکی مرکز اطلاعات کوئٹہ کے ڈائریکٹر مسٹر حفیظ الرحمان نے پریس کلب کے قائم ہونے پر پچیس کرسیاں اور تین میزیں دی تھیں جو امریکی مرکز اطلاعات کی طرف سے عطیہ تھیں۔

۳۔ پریس کلب میں ٹیلی فون میاں سیف اللہ خان مینجنگ پارٹنر ایچ ایم حبیب اللہ کمپنی نے پریس کلب میں اپنے خرچ پر لگوا کر دیا۔

۴۔محکمہ اطلاعات کوئٹہ ریجن نے پریس کلب کی کھڑکیوں کے لیے پردے دیے۔

۵۔میر نبی بخش خان زہری ایم پی اے نے صوفے، کرسیاں اور الماریاں دیں۔

۶۔۲۴نومبر ۱۹۶۴ءکو ایک پریس کانفرنس میں کوئٹہ میونسپلٹی کے چیئرمین اے آر صدیقی نے میونسپلٹی کی طرف سے پریس کلب کو گرانٹ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

۷۔چوہدری فضل القادر جب کوئٹہ کے دورے پر آئے تو انھوں نے پریس کلب کی طرف سے دیے گئے ایک عشائیہ میں ایک ہزار روپیہ کا عطیہ دیا۔وہ یہاں اکتوبر

۱۹۶۲ء میں وزیر اطلاعات ونشریات کی حیثیت سے آئے تھے۔

۸۔ مسٹر عبدالوحید خان وزیر ریلوے مغربی پاکستان جب یہاں دورے پر آئے تو انھوں نے دوسو روپے کا عطیہ دیا تھا۔

کریڈٹ اینڈ تھرفٹ سوسائٹی

ڈیلی گروپ کے قیام کے بعد یہاں اگست ۱۹۵۹ء کو کوئٹہ ڈیلی گروپ کریڈٹ اینڈ تھرفٹ سوسائٹی کے نام سے قائم کی گئی۔ اس میں ڈیلی گروپ کے سات ممبر اور تین چار اور اخبار نویس بھی شامل ہوئے تھے۔ اس کے آئین کی رو سے اس کے صدر محکمہ اطلاعات کے افسر اعلیٰ ہوتے تھے اور سیکرٹری اور ممبر اخبار نویس۔ اس کے پہلے صدر سید حسنات اور سیکرٹری وخزانچی مسٹر شمیم مسعود تھے۔

اس سوسائٹی کا مقصد اشتہاروں کے بلوں کی پیشگی ادائیگی، نیوز پرنٹ مہیا کرنا، پرنٹنگ پریس لگوانا اور اسٹیشنری وغیرہ مہیا کرنا تھا۔ اس سے صحافیوں کو بڑا فائدہ ہوتا اگر اس کے ممبر صرف بلوں کی پیشگی کی وصولی پر ہی اکتفا کر بیٹھے۔ سوسائٹی کا اصل مقصد فوت ہوگیا تو دوسرے تین اخبار کے روزنامہ بن جانے سے بھی اس تحریک کو نقصان پہنچا۔ حالانکہ روزنامے بھی اس تحریک میں شریک رہ سکتے تھے۔ تحریک مفید تھی لیکن آج کل صحافیوں کے اپنے ہاتھوں میں دم توڑ دیتی ہے۔ اس کے بعد آئین میں ضروری تبدیلیاں کرکے اور جن لوگوں کے پاس رقوم ہیں لیکن اس کی تجدید کی جاسکتی ہے۔

پریس سنڈیکیٹ

۲۸ فروری ۱۹۶۴ء کوسبی میں علاقائی اخبارات کے صحافیوں کا ایک کنونشن منعقد ہوا تھا۔اس میں پریس سنڈیکیٹ قائم کرنے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔اس کا مقصد یہ تھا کہ مقامی اخبارات کو کاغذ کم قیمت پر مہیا ہو سکے۔اس کے چیئرمین نبی بخش خان زہری ایم پی اے اور سیکرٹری افخار یوسف مقرر ہوئے تھے۔اس سلسلے میں سینڈیکیٹ کے چیئرمین نے پندرہ سو روپے کا کاغذ منگانے کے لیے سیکرٹری کو دیے تھے،لیکن یہ کاروبار شروع نہیں کیا جا سکا۔

قومی اخبارات کے نمائندوں کی تنظیم

قیام پاکستان کے بعد یہاں قومی اخبارات کے نمائندوں کی کئی تنظیمیں وجود میں آئیں مگر بعد میں عدم دلچسپی اور نا اتفاقیوں کی وجہ سے خود بخود ختم ہو گئیں۔ان تنظیموں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔بلوچستان جرنلسٹس ایسوایشن ۲۔یونین آف ورکنگ جرنلسٹس ۳۔کوئٹہ یونین آف ورکنگ جرنلسٹس

بولان یونین آف جرنلسٹس

۲ جولائی ۱۹۶۴ء کو یہاں بولان یونین آف جرنلسٹس کے نام سے قومی اخبارات، نیوز ایجنسیوں اور مقامی اخبارات کے عامل صحافیوں کی ایک تنظیم قائم کی گئی۔ یہ یونین ٹریڈ یونین کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔اور ایک عارضی آئین اختیار کر کے عارضی

عہدیدار چنے گئے۔ اس یونین کے قیام کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کچھ دن پہیل مائن اونر ایسوسی ایشن نے ایک تقریب منعقد کی۔ اس میں صحافیوں کو بالکل نظرانداز کردیا گیا تھا۔ پھراس تقریب کی کاروائی ایک ہینڈ آؤٹ کی صورت میں اس ایسوسی ایشن نے محکمہ اطلاعات کے ذریعے بھجوا کرشائع کرانے کی کوشش کی۔ اس پر تمام عامل صحافیوں نے اپنی باقاعدہ یونین قائم کر کے ایسوسی ایشن کی خبروں کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کردیا۔ کچھ دن بعدایسوسی ایشن نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا تو مفاہمت ہوگئی۔ اس یونین نے فیڈریل یونین آف ورکنگ جرنلسٹس کا آئین اپنالیا ہے۔ انتخابات کے بعداس کا الحاق فیڈرل یونین سے کیا جائے گا اور یونین کورجسٹرڈ بھی کرانے کی تجویز ہے۔

پچیسواں باب

تقریبات اور سرگرمیاں

یہاں کے صحافی سوشل تقریبات بھی منعقد کرتے رہتے ہیں چنانچہ یہاں کے صحافی مشترکہ طور پر پریس کلب یا کسی اور مقام پر اہم شخصیتوں کو مدعو کرتے، دعوتیں دیتے رہتے ہیں۔ پاکستان کی اہم شخصیتوں کے علاوہ بیرونی ممالک کے ادیب، صحافی، محکمہ اطلاعات کے افسران اور سیاحوں کو مدعو کر کے ان سے تبادلہ خیالات کرتے ہیں اور باہر سے آنے والے غیر پاکستانیوں کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کر کے انھیں پاکستان کی اہمیت بتاتے ہیں۔ بیرونی ملکوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔

قومی اخبارات کے نمائندے بھی یہاں تقریبات منعقد کرتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر جانے والے سرکاری مقام افسروں کو دعوتیں دیتے رہتے ہیں۔ کوئٹہ کے کمشنر خان غلام سرور خان جب یہاں تبدیل ہو کر ڈیرہ اسماعیل خان گئے تو انھیں کوئٹہ کلب میں الوداعیہ دعوت دی۔ یہاں کے پولیٹیکل مسٹر سجاد حسن لاہور تبدیل ہوئے تو انھیں لورڈز ہوٹل میں دعوت عشائیہ دی۔ یہاں آنے والے غیر سرکاری مہمانوں کو بھی دعوت دینے میں قومی اخبارات کے نمائندے پیچھے نہیں رہتے۔ چنانچہ صحافیوں کی صحافت پر مجلس مذاکرہ یہاں پہلی بار قومی اخبارات کے نمائندوں ہی نے منعقد کی تھی۔ مسٹر زیڈ اے سلہری مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیے گئے تھے۔ ان کے اعزاز میں بڑے اعلیٰ پیمانے پر یہاں کوئٹہ کلب میں دعوت عشائیہ دی گئی ایسی دعوتوں میں عام طور پر ڈویژن کے محکموں کے سربراہ اور معززین شہر بھی مدعو کیے جاتے ہیں۔ ایک آل پاکستان مشاعرہ میں شمولیت کے لیے زیڈ اے بخاری کوئٹہ آئے تو ان کے اعزاز میں ایک پرتکلف دعوت

عشائیہ لورڈز ہوٹل میں قومی اخباروں کے نمائندوں نے دی۔ اس میں مقامی اور کچھ مہمان شعراء بھی شریک تھے۔

مارشل لا کے دوران میجر جنرل امراؤ خان کو پریس کلب میں ایک شاندار دعوت ظہرانہ صحافیوں نے دی تھی اور بعد ازاں چودھری فضل القادر کوئٹہ آئے۔ وہ اس وقت وزیر اطلاعات ونشریات تھے۔ ان کے اعزاز میں دعوت عشائیہ دی گئی۔ جس میں انتظامیہ کے مختلف محکموں کے سربراہ اور کمشنر بھی مدعو تھے۔

صحافت پر مجلسِ مذاکرہ

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے یہاں کے صحافی اور قومی اخبارات کے نمائندے سوشل سرگرمیوں میں بڑی گرمجوشی سے حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اور بڑی بڑی شاندار تقریبات بھی یہاں منعقد کر چکے ہیں۔ یہاں نومبر ۱۹۶۲ء میں پہلی مرتبہ ایک اہم یادگار مجلس مذاکرہ، صحافت کے متعلق منعقد کرائی گئی۔ یہ مجلس مذاکرہ پاکستان ٹائمز کے نمائندے مسٹر غلام طاہر اور مسٹر شمس الحق خان نمائندہ ڈان کی کوششوں سے منعقد ہوئی تھی۔ اس مجلس مذاکرہ پاکستان ٹائمز کے اس وقت کے کمشنر مسٹر انور عادل اور مہمان خصوصی پاکستان ٹائمز کے اس وقت کے چیف ایڈیٹر مسٹر زیڈ اے سلہری تھے۔ اس مجلس مذاکرہ میں نو دس مقررین نے بے حد معلومات افزا اور موثر تقاریر کیں۔ اس مجلس مذاکرہ میں پہلا مقالہ اردو میں تھا جو وادی بولان کی صحافت کی مختصر تاریخ کے متعلق تھا اور وہ کمال الدین احمد نے پڑھا۔ باقی مقالے انگریزی میں تھے اور ہر طبقہ خیال کے باشعور اور ذہین لوگوں نے صحافت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مسٹر زیڈ اے سلہری اس سے پیشتر ایک مرتبہ ٹائمز آف کراچی کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کوئٹہ آئے تھے۔

یوم احتجاج

پریس آرڈیننس کے خلاف جب پاکستان بھر کے کارکن صحافیوں نے یوم احتجاج منایا تو کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں کے کارکن صحافیوں نے بھی ۹ ستمبر ۱۹۶۳ء کو اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھیں اور ملک بھر کے کارکن صحافیوں کا باقاعدہ ساتھ دیا اور احتجاج میں شامل ہوئے۔

علاقائی صحافیوں کا کنونشن

۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۶۴ء کو سبی میں علاقائی اخبارات کے صحافیوں کا پہلا کنونشن منعقد ہوا۔ اس کے مہمان اس وقت کے کمشنر مسٹر انور عادل تھے۔ اس کنونشن کا افتتاح نبی بخش خان زہری ایم پی اے نے کیا تھا۔ کنونشن میں علاقائی اخبارات کے مدیران شامل ہوئے اور صحافیوں کے مسائل اور مشکلات کے متعلق قراردادیں منظور کی گئیں۔ کنونشن کے ایک اجلاس میں پریس سینڈیکیٹ قائم کرنے کا اعلان بھی کیا گیا۔ اس کنونشن کے کنوینر سید فصیح اقبال (ایڈیٹر زمانہ) تھے۔ اس کنونشن میں مسٹر خلیق قریشی ایڈیٹر روزنامہ عوام لائل پور، غلام غوث صحرائی ایڈیٹر روزنامہ ہمارا پاکستان پشاور، مشرف رضا جعفری ایڈیٹر روزنامہ بشارت حیدر آباد نے شرکت کی اور تقریریں کیں۔

عید ملن پارٹیاں

یہاں کے صحافی کبھی کبھی عید کے موقع پر عید ملن پارٹیاں دیتے رہتے ہیں۔ان میں صحافیوں کے علاوہ شہر کے معتبریں اور معززین بھی شریک ہوتے ہیں۔

اور سرگرمیاں

قومی اخبارات کے نمائندے تقریباً تمام پریس کلب کے ممبر ہیں۔اور یہاں کے صحافیوں کی طرف سے اجتماعی طور پر جب کوئی تقریب منعقدہ ہوتی ہے تو اس میں قومی اخبارات کے نمائندے باقاعدہ شامل ہوتے ہیں۔اگر کسی بہبود کے کام میں چندہ دینے کا مسئلہ آتا ہے تو قومی اخبارات کے نمائندے اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ایوب سٹیڈیم کی تعمیر کے لیے صحافیوں کی طرف سے چندہ دیا گیا۔اس میں قومی اخبارات کے نمائندے بھی برابر کے شریک تھے۔اس طرح کوئٹہ کے غریب لوگوں کو سردی کے موسم میں رضائیاں اور غریب طلبا میں کپڑے تقسیم کرنے کے لیے مہم سید فرید اللہ شاہ نے چلائی تو اس انسانیت نواز کام میں بھی مقامی اور قومی اخبارات کے صحافی شریک ہوئے اور چندہ دیا۔

بی ڈی کے انتخابات

بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں بھی یہاں کے صحافی حصہ لیتے رہے ہیں۔ مارشل لا کے بعد ۱۹۵۹ء میں پہلے انتخابات میں مسٹر ابراہیم خلیل (قاصد) مسٹر عبدالکریم بٹ (پکار) قلات میں مسٹر گل محمد اریوی (تعمیر بلوچستان) اور ملک محمد رمضان (ساربان) امیدوار کھڑے ہوئے۔مگر سوائے گل محمد اریوی کے اور کوئی کامیاب نہیں ہوا۔

۱۹۶۴ء میں بی ڈی کے انتخابات میں مندرجہ ذیل صحافی حضرات امیدوار کھڑے ہوئے؛ ابراہیم خلیل (قاصد) مسٹر عبدالکریم بٹ (پکار) مسٹر شمس الحق (نمائندہ ڈان) مسٹر افتخار یوسف (نعرۂ حق) مسٹر سلطان صابر (ہیواد) مسٹر مختار حسن (نمائندہ قاصد) مسٹر کے ایم فاروق (نوروز) مسٹر عبدالکریم شورش (نوکیں دور) مسٹر عزیز بھٹی (انجام) محبوب بھٹی (نئی روشنی) مسٹر زمرد حسین (سابق ایڈیٹر تعمیر بلوچستان مستونگ) ملک محمد رمضان (ساربان)۔ ۱۹۶۰ء میں قومی اسمبلی کے امیدوار لہڑی سے قلات کے لیے محمد شریف (ایڈیٹر سابق حقیقت) ان میں سے صرف ایک سابق صحافی زمرد حسین کامیاب ہوئے۔ عبدالکریم شورش کا غذات نامزدگی داخل نہ کرا سکے۔ مسٹر شمس الحق نے کاغذات نامزدگی واپس لے لیے۔ عزیز بھٹی کم عمر نکلے۔ مسٹر محبوب بھٹی اور مسٹر یوسف افتخار دستبردار ہو گئے۔

چھبیسواں باب

نیوز ایجنٹس

کوئٹہ میں مختلف قومی اخبارات کے پانچ نیوز ایجنٹس ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ میرز شفیع برادرز، جمعیت رائے روڈ کوئٹہ

۲۔ حاجی عبدالصمد خان، نیو بکسٹال سورج گنج بازار کوئٹہ

۳۔ مسٹر مسعود احمد، علی گڑھ بک سٹال مشن روڈ کوئٹہ

۴۔ مسٹر محبوب انصاری، انصاری بک سٹال موتی رام روڈ کوئٹہ

۵۔ مولانا رحمان اللہ، بھیک چند روڈ کوئٹہ

ان کے علاوہ مستونگ ، قلات ، خضدار ، بھاگ ، سبی میں بھی اخبارات کی ایجنسیاں ہیں۔

نیوز ایجنٹس و اخبارات

مختلف نیوز ایجنٹوں کے پاس مختلف قومی اخبارات کی نیوز ایجنسیاں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ میسرز شفیع برادرز جمعیت رائے روڈ کوئٹہ کے پاس صرف ایک روزنامہ جنگ کراچی کی ایجنسی ہے۔ ان کے پاس یہ ایجنسی ۱۹۴۹ء سے ہے۔

۲۔ حاجی عبدالصمد صاحب نیو بک سٹال سورج گنج بازار کوئٹہ کے پاس تین اخبارات ڈان کراچی، انجام کراچی، پاکستان ٹائمز لاہور کی ایجنسیاں ہیں۔

۳۔ مسٹر مسعود احمد علی گڑھ بک سٹال مشن روڈ کوئٹہ کے پاس پانچ اخبارات ڈان

کراچی، پاکستان ٹائمز لاہور، مارننگ نیوز کراچی،نوائے وقت اور امروز لاہور کی ایجنسیاں ہیں۔

۴۔مسٹرمحبوب انصاری، انصاری بکسٹال موتی رام روڈ کے پاس تین اخبارات پاکستان ٹائمزلاہور، لیڈر، حریت کراچی کی ایجنسیاں ہیں۔

۵۔مولانا الرحمان اللہ کے، بھیک چند روڈ کوئٹہ کے پاس دو اخبار کوہستان اور مشرق لاہور کی ایجنسیاں ہیں۔

قومی اخبارات کے ہاکر

ا۔میسرز شفیع برادرز کے پاس روزنامہ جنگ کی کوئٹہ میں دو سب ایجنسیاں ہیں۔قریشی پان والا لیاقت بازار، مسجد روڈ شارع اقبال کے چوک پر اکرم شاہ۔

روزنامہ جنگ کے ہاکروں کے نام یہ ہیں:۔سید طالب حسین، مسٹرمحمد بخش، مسٹرتونگرعلی، مسٹرسید محمد، مسٹراکرم شاہ، مسٹرگل محمد شاہ، مسٹرعزیز احمد، مسٹراختر محمد کل آٹھ ہاکر ہیں

۲۔مسٹرمحبوب انصاری کے پاس یہ ہاکر ہیں:۔مسٹرمحمد حسن، مسٹرعبدالواحد، مسٹرمقصود احمد، مسٹرمحمد اعظم۔

۳۔مولانا رحمان اللہ کے پاس یہ ہاکر ہیں:۔مسٹرعبدالمنان، مسٹرمحمد الیاس

۴۔حاجی عبدالصمد خان کے پاس پانچ ہاکر ہیں(نام نہیں دیے)

۵۔مسٹرمسعود احمد کے پاس آٹھ ہاکر ہیں(نام نہیں دیے)

یہ بات مدنظر ہے کہ ہاکر مستقل ملازم نہیں ہیں اور وہ بدلتے رہتے ہیں۔

پی آئی اے کی آزمائشی پرواز

پی آئی اے کی آزمائشی پرواز یہاں دو مرتبہ شروع ہوئی۔ پہلی مرتبہ پی آئی اے نے لاہور اور کراچی کے درمیان اپنی سہہ روزہ پرواز شروع کی تو اپنے خرچ پر یہاں کے صحافیوں کو کراچی اور لاہور کی سیر کرنے کا موقع دیا اور جب پی آئی اے روزانہ باقاعدہ سروس ۱۹۶۳ء میں شروع ہوئی، تب بھی یہاں کے صحافیوں کی دو گروپوں میں کراچی کی سیر کرائی گئی۔ مسٹر صلاح الدین صدیقی جو اس وقت پبلک ریلیشنز آفیسر تھے، خود کوئٹہ تشریف لائے اور انھوں نے دو گروپوں میں یہاں کے صحافیوں کے لیے سفر کا انتظام کیا۔ یہ وہی مسٹر صلاح الدین ہیں جو قاہرہ کے قریب پی آئی اے کے حادثہ میں بچنے والے پانچ خوش قسمتوں میں سے ایک تھے۔ مسٹر صلاح الدین نے پی آئی اے کے تفویض کردہ اختیارات سے اپنے حسن سلوک کا بہترین ثبوت دیتے ہوئے صحافیوں کی رہائش کا انتظام میٹرو پول ہوٹل میں کیا اور دو گھنٹے تک پی آئی اے کے کارخانے کی سیر کرائی۔

ایکری ڈی ٹیشن کارڈ

وادی بولان کے مندرجہ ذیل قوم اخبارات کے نمائندوں، صحافیوں کارکن صحافیوں ک، نیوز ایجنسیوں کے نمائندوں کو ایکری ڈی ٹیشن کارڈ ملے ہیں:۔

ا۔ مسٹر شمس الحق خان (ڈان) مسٹر غلام طاہر (پاکستان ٹائمز) مسٹر کمال الدین (جنگ) مسٹر عبدالکریم بٹ (کوہستان) مسٹر یونس واسطی (حریت) سید معظم علی (پی پی اے) مسٹر محمد رفیق پراچہ (پی پی اے)

۲۔ مسٹر شارک رستم جی (کوئٹہ ٹائمز) مولانا محمد عبداللہ (پاسبان) محمد حسن نظامی (تنظیم) مسٹر فصیح اقبال (زمانہ) مسٹر جمیل الرحمان (میزان) مولوی عبدالعزیز

(کوہسار) گل محمد ایروی (تعمیر بلوچستان مستونگ) میاں گلزار محمد (نعرۂ حق) مسٹر ابراہیم خلیل (قاصد) مسٹر عبدالصمد ذاکر بٹالوی (صبح نو) مسٹر عبدالحئی بابر (کاروان) مسٹر سلطان صابر (ہیواد) مسٹر ظفراللہ (ظفرالاسلام) مسٹر نور محمد پروانہ (ایلم) مسٹر اے آر جمالی (رہبر نسواں) مسٹر افتخار یوسف (نعرۂ حق)، ملک محمد رمضان (ساربان)۔

۳۔ یوسف اشفاقی (انڈس ٹائمز) حیدر آباد، صابر علی (سابق نمائندہ پاکستان ٹائمز لاہور)، ایس اعظم علی (ریڈیو پاکستان) امیر عبداللہ رازی (اطلاعات) ایران، طہران، مسٹر لقا احمد زیدی (فوٹو گرافر اے پی پی)

۴۔ روزنامہ "اتحاد" کوئٹہ کے نمائندہ برائے لاہور کامل القادری بھی ایکری ڈیڈیڈ نمائندہ برائے مغربی پاکستان مقرر ہوئے تھے۔ یہ اس خطہ کے اولین بیرونی نمائندہ ہیں، جنھیں ایکری ڈی ٹیشن کارڈ دیا گیا ہے۔

صحافی اور سندات

وادی بولان کے کئی صحافیوں کی خدمات کا اعتراف مقامی انتظامیہ نے اس طرح کیا ہے کہ انھیں حسن کارکردگی کے صلے میں سبی اور مستونگ کے ڈویژنل جرگہ کے موقع پر سبی اور مستونگ میں سندات دیں۔ سب سے پہلے مولانا عبدالکریم ایڈیٹر میزان کو حکومت کی پبلسٹی کا بہترین کام انجام دینے پر سبی دربار میں سند دی گئی۔ ان کے بعد دوسرے سال مولانا محمد عبداللہ ایڈیٹر پاسبان کو سبی دربار میں سند ملی۔ ان کے بعد ملک محمد رمضان ایڈیٹر ساربان مستونگ کو مستونگ میں اس سلسلے میں سند دی گئی۔ فروری ۱۹۶۳ء میں کمال الدین احمد نمائندہ جنگ کو ترقیاتی کاموں کی پبلسٹی کے سلسلے میں سبی ڈویژنل

جرگہ میں سند دی گی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۴ء کو ابراہیم خلیل ایڈیٹر روزنامہ قاصد کوئٹہ ہفتہ صفائی کے سلسلے میں بہترین تعاون پر کوئٹہ میونسپلٹی نے سند دی۔ مولانا محمد عبداللہ کو سو روپیہ ماہوار خانہ نشینی الاؤنس بھی ملتا ہے۔

خواتین ایڈیٹرز

کوئٹہ قلات ڈویژن کی صحافت میں خواتین نے بھی حصہ لیا ہے، اور پہلی دو انگریز خواتین ہفتہ وار اخبار کی ایڈیٹر بھی رہیں۔ ہفتہ وار بلوچستان گزٹ میں مسز بریکٹ اور مسز نالی ایڈیٹر کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں۔ ماہنامہ اور ہفتہ وار رہبر نسواں میں مس لطیفہ، مس شیریں درانی، مس ذکیہ فضل الٰہی، صفیہ ایوب، شکیلہ بیگم نے کام کیا۔ بیگم افروز ذاکر نے "نعرۂ حق" میں خواتین کے صفحوں کے لیے ادارت کے فرائض انجام دیے۔ بیگم آ ثم ملک پہلی خاتوں ہیں۔ جنھوں نے ایک ہفتہ وار پورے اخبار کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ بولا نیر ڈاک میں بیگم شمسی نے ادارت کے فرائض انجام دیے ہیں۔ ماہنامہ نسوانی دنیا کو بیگم آغا صادق صاحبہ ایڈٹ کرتی رہیں۔

غیر مسلم صحافی

انگریزی دور میں انگریزوں کے علاوہ کچھ غیر مسلم لوگوں نے یہاں کی صحافت میں خدمات انجام دی ہیں۔ مثلاً منچر جی فیروز بلوچستان گزٹ میں رہے۔ بلدیو سہائے صحرائی سروری نے نوشرواں ماہنامے کی ادارت کی۔ دولت رام دولت کے ایڈیٹر رہے۔ گوربخش لال کالڑا ریاست اور چلتن کے مدیر اور مالک رہے۔ گورچرن داس ڈھوڈی نے بلوچستان سماچار کی ادارت کی۔ شارک رستم جی کوئٹہ ٹائمز کی ادارت کے

فرائض انجام دے رہے ہیں۔دلی رام حاجی شہری نے کئی اخباروں میں کام کیا۔تعمیر بلوچستان میں کام کررہے ہیں۔

ڈپلو دار ماجرنلسٹ

کوئٹہ قلات میں تین چار ایسے اصحاب اور خواتین ہیں جنھوں نے جرنلزم میں ڈپلوما حاصل کیا۔مگر وہ جرنلسٹس نہیں ہیں۔بیگم قاضی عیسیٰ صاحبہ،مس ثریا فخری،مسٹر عبدالرزاق لائبریرین،سنڈیمن لائبریری جو یونیورسٹی میں سیکنڈر رہے)مسٹر انعام الحق کوثر اور ایم طاہر شیخ۔

کنارہ کش صحافی

ماضی میں وادی بولان کی صحافت سے بہت سے صحافی کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ان کی کنارہ کشی کی وجوہات جو سامنے آئیں ان میں سب سے اہم یہ تھی کہ ان کی صحافت سے اتنی آمدن نہیں تھی کہ وہ اپنا اور اپنے اخبار کا خرچ چلا سکیں۔دوسری وجہ یہ تھی کہ پریس ایکٹ یا کسی اور حفاظتی قانون کے تحت اخبار یا صحافی بند ہوا تو وہ دوبارہ اخبار جاری نہ ہوسکا اور نئے اخبار کی اسے اجازت نہ ملی۔تیسری وجہ یہ تھی کہ کچھ صحافیوں کو موقع ملا اور وہ دوسرے پیشے یا کاروبار میں اعلیٰ حیثیت کے مالک بن گئے،چوتھی وجہ یہ تھی کہ بعض صحافی حضرات کی اولاد باسعادت نے اخبار کی ادارت کے فرائض اور ذمہ داریاں سنبھال کر اپنے والد کو آرام کرنے کا موقع دیا۔

یہ صحافی حضرات اپنے وقت میں بڑے ذہین،قابل،سمجھدار اور سلجھے ہوئے تھے۔سیاست کے لگاؤ یا نظریات سے قطع تعلق یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان صحافیوں میں سے

کچھ میں اپنے قلم اور دماغی صلاحیتوں سے کام لے کر رائے عامہ متاثر کرنے اور جس طرف چاہا موڑنے کی صلاحیت کی اہلیت موجود تھی۔ان لوگوں نے صحافت کی گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں جو صحافی اب یہاں کی صحافت سے کنارہ کش ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔

مولانا ابوالجمیل (میزان) عبدالصمد خان اچکزئی (استقلال) عبدالصمد خان درانی (استقلال، پیغام، پیغام جدید) قاضی نور الحق (ترجمان) برکت علی آزاد (زمانہ) فضل احمد غازی (الاسلام، خورشید) مطیع الرحمان (پاکستان مرد) ڈاکٹر صلاح الدین (ہلال) شمیم مسعود (صداقت) مولوی محمد شریف (حقیقت) ایم یو قمبرانی (جمالستان) کامل القادری (ایثار، خاور) فتح محمد خان (قاصد، کارکن) عبدالرحمٰن غور (میثاق الحق) عبدالرحمان کرد (نوائے بولان) تاج محمد نعیم (قاصد، کارکن) عبدالباقی بلوچ دوخانی (مبلغ) ملک محمد قاسم غازی (غازی) محی الدین قائد (کوہستان) حافظ انوار الہدیٰ (خاور) گور بخش لال کالڑا اور محمد رفیق راز (ریاست چلتن) بیگم آثم ملک (ایثار، خاور)۔

ستائیسواں باب

مدیران جرائد کے مختصر حالات

اس باب میں مقامی مدیرانِ جرائد کے مختصر حالات جمع کیے گئے ہیں۔ جہاں تک ان کی زندگی کا صحافت سے تعلق رہا ہے ان حالات کا یہاں درج کرنا اس لیے ضروری ہے کہ یہاں کی صحافت کے بارے میں یہ پہلو پوشیدہ نہ رہ جائے۔ اس کے متعلق ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ حالات مقامی مدیران جرائد نے خود فراہم کیے ہیں اور میں نے تنقید و تبصرہ سے احتراز کرتے ہوئے ان کے حالات بے کم و کاست درج کرنے کی سعی کی ہے۔

کوئٹہ ٹائمنر کے ایڈیٹر مسٹر شاوک رستم جی (ولد رستم جی) بائیس جنوری ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ بمبئی میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ بعد میں کوئٹہ رہائش اختیار کی۔ موجودہ اخباروں میں سب سے قدیم اخبار " کوئٹہ ٹائمنر " ہفتہ وار کے ایڈیٹر ہیں۔ یہ اخبار البرٹ پریس جناح روڈ سے شائع ہوتا ہے۔ مسٹر شاوک رستم جی ۱۹۳۰ء سے ایڈورٹائزرویکلی چلاتے رہے۔ ۱۹۳۷ء سے کوئٹہ ٹائمنر کے ایڈیٹر ہیں۔

"پاسبان" پندرہ روزہ کے مالک اور ایڈیٹر مولانا محمد عبداللہ (ولد شیخ محمد حسین کشمیری) ۱۹۰۱ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان سنڈیمن ہائی اسکول کوئٹہ سے پاس کیا۔ پندرہ روزہ پاسبان فیض محمد روڈ کوئٹہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے آپ کاروان کراچی، الحنیف جیکب آباد میں کام کرتے رہے۔ اور جون ۱۹۳۹ء سے "پاسبان" کے مالک اور مدیر ہیں۔

ہفتہ وار" تنظیم" کے مالک اور ایڈیٹر میر محمد حسن نظامی (ولد محمد عبداللہ بلوچ) ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم میٹرک تک پائی۔ آپ نے ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۶ء تک "استقلال" کی ادارت کی۔ ۱۹۴۸ء میں مستونگ سے "بولان" جاری کیا۔ پریس لگوایا مگر ۱۹۴۸ء میں اخبار اور پریس بحق سرکار ضبط ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں تنظیم کی ادارت سنبھالی جس کے مالک پرنٹر اور پبلشر میر جعفر خان جمالی تھے۔ ۱۹۵۷ء سے مسٹر نظامی اس اخبار کے مالک اور ایڈیٹر ہیں۔

روزنامہ زمانہ کے ایڈیٹر سید فصیح اقبال (ولد سید مظہر رشید) ۱۹۳۶ء میں آلہ آباد میں پیدا ہوئے۔ انٹرمیڈیٹ تک تعلیم پائی۔ ۱۹۵۷ء میں لنڈن اسکول آف جرنلزم سے بذریعہ خط و کتابت جرنلزم کا ڈپلوما حاصل کیا۔ ۱۹۵۲ء میں ماہنامہ "باغ و بہار" کے ایڈیٹر رہے۔ " زمانہ " ہفتہ وار جو بند تھا، ۱۹۵۳ء میں جاری کیا۔ ۱۹۵۵ء میں اس کے مالک بنے۔ ایک سال بعد روزنامہ کیا پھر ہفتہ وار ہوا۔ آخر کار ۲۴ جون ۱۹۶۱ء میں روزنامہ کیا۔ جو اب تک جاری ہے۔ کچھ عرصہ "مڈل ایسٹ ٹوڈے" کراچی کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ۱۹۶۴ء میں ماسکو کے دورے پر گئے۔ معاہدہ استنبول کے وقت مشرق وسطیٰ اور ترکی کے دورے پر گئے۔ اے پی این ایس کے ممبر تھے مگر بعد میں انھیں اس سے خارج کر دیا گیا۔

ہفتہ وار میزان کے ایڈیٹر مسٹر جمیل الرحمان احمد (ولد مولانا عبدالکریم) ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے میٹرک تک سنڈیمن ہائی سکول میں تعلیم پائی۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ اور پولیٹیکل سائنس اور تاریخ میں بی اے کیا۔ ۱۹۵۳ء میں صحافت میں آئے۔ ابتدا میں "میزان" میں بچوں کے صفحے کے نگران اور بعد میں ادبی

حصے کے انچارج بنے ۔۱۹۶۳ء سے "میزان" کے ایڈیٹر ہیں۔ مقامی اخبار نویسوں میں واحد گریجویٹ ہیں۔ ویکلی نیوز پیپرز ایسوسی ایشن کوئٹہ قلات کے کنویز ہیں۔ کچھ عرصہ انقلاب کراچی، مارننگ نیوز کراچی کے نمائندے رہے۔اور بچوں کا شاہین کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔آرٹ کونسل پاکستان کوئٹہ تعلقات عامہ کے سیکرٹری ہیں۔

ہفتہ وار پکار کے ایڈیٹر کا حال قومی اخبارات کے نمائندوں کے باب میں درج ہے۔

ہفتہ وار "رہبر نسواں" کے مدیر مسٹر اے۔ آر۔ جمالی (ولد عبدالنبی) ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اریی میں پائی۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں رہبر نسواں ماہنامہ خواتین کے لیے جاری کیا، جو ہری کشن سٹریٹ سے شائع ہوتا ہے۔اب ۱۹۵۸ء میں ان کا اخبار پندرہ روزہ ہوا۔اردو میں شائع ہوتا ہے۔

ایڈیٹر ہفتہ وار" کوہسار" مولوی عبدالعزیز (ولد مولوی شمس الدین) گنداوہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اردو، فارسی، عربی، سندھی گھر اور اسکول مستونگ میں حاصل کی ۔۱۹۵۱ء میں کوہسار جاری کیا۔ جو منصفی روڈ کوئٹہ سے شائع ہوتا ہے۔ ہفتہ وار اردو پرچہ ہے۔

مسٹر عبدالحئی بابر (ولد مولوی شمس الدین) مستونگ میں پیدا ہوئے ۔ قلات میں تعلیم مڈل تک پائی ۱۹۵۰ء میں پندرہ روزہ کارواں جاری کیا۔ اردو پرچہ جو پہلے وفا روڈ اور اب عین الدین سٹریٹ سے شائع ہوتا ہے۔ آپ "خورشید" اور "ترجمان" کے نمائندے بھی رہے۔ "کارواں" کئی بار بند اور جاری ہوا۔

ہفتہ وار "تعمیر بلوچستان" کے ایڈیٹر مسٹر گل محمد اریوی (ولد محمد ابراہیم) ۱۹۲۰ء میں اپنے گاؤں اریری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور مذہبی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی۔ ۱۹۴۹ء میں حیدر آباد (سندھ) میں ہفت روزہ تعمیر بلوچستان جاری کیا۔ دو ڈھائی سال بعد اپنے اخبار کو مستونگ لے آئے اور اب تک مستونگ سے شائع ہو رہا ہے۔ "تعمیر بلوچستان" قلات کے موجودہ اخباوں میں سب سے پہلے شائع ہونے والا پرچہ ہے۔

روزنامہ "نعرۂ حق" کے ایڈیٹر میاں گلزار محمد (ولد میاں الٰہی بخش) ۱۸۹۸ء میں شالا مار باغ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم پائی۔ ۱۹۳۹ء میں سکھر سے ہفت روزہ نعرۂ حق جاری کیا۔ پھر سکھر میں روزانہ کیا جو نا مساعد حالات کی بنا پر نہ چل سکا۔ ۱۹۵۳ء سے کوئٹہ سے بھی شائع ہونے لگا۔ ۱۹۶۰ء میں بیک وقت سکھر اور کوئٹہ سے شائع ہونے لگا۔ ۱۹۶۳ء میں روزنامہ کیا۔ میاں گلزار محمد سندھ میں صحافیوں کی تنظیموں کے جنرل سیکرٹری اور صدر بھی رہے۔ "نعرۂ حق" جناح روڈ سے شائع ہوتا ہے۔

ملک محمد خان (ولد بالاچ خان) ایڈیٹر ہفتہ وار "ساربان" لہڑی ضلع قلات میں ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ چھ ماہ کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کا باران کی والدہ نے اٹھایا۔ ابتدائی تعلیم لہڑی میں پائی۔ پہلے سال بیک وقت پہلی، دوسری اور تیسری جماعتوں کا امتحان دیا اور دوسرے سال چوتھی، پانچویں جماعتوں کا امتحان دے کر فارغ التحصیل ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء میں ملازمت اختیار کی۔ اور ایک سال کے اندر "محاسبی" تک جو اہلکاری کا سب سے اونچا درجہ تھا، پہنچ گئے۔ ملازمت کے دوران سیاست اور لیڈری میں بھی قدم رکھا۔ اس لیے ۱۹۳۹ء میں گرفتار ہو کر ایک ماہ بعد

باعزت رہا ہوئے۔ دوسری مرتبہ مطالبہ پاکستان کی حمایت میں ایک پمفلٹ ۱۹۴۶ء میں شائع کیا تو مقدمہ چلا اور ایک ماہ بعد ملازمت سے سبکدوش ہو کر دیے گئے۔ ۱۹۶۴ء میں "الحق" سبی کے حلقہ ادارت میں شامل ہوئے۔ الحق ۱۹۴۸ء میں دو ہزار روپے نقد ضمانت داخل نہ کرانے پر بند کر دیا گیا۔ میر عطا محمد مرغزانی کا کلمتہ الحق کراچی سے ۱۹۵۰ء میں سبی سے شائع ہوا تو ملک محمد رمضان اس کے ادارے میں شامل ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں "اخبار تنظیم" اور "معلم" سریاب میں بھی کام کیا۔ ۱۹۵۴ء میں ملک محمد رمضان نے مستونگ سے ہفتہ وار "ساربان" جاری کیا۔ اور ۱۹۶۰ء میں قلات کی جاگیروں پر مسلسل لکھنے کے جرم میں تین ماہ کے لیے قید کر دیے گئے۔ بعد میں وحدت مغربی پاکستان کے محکمہ تعلقات عامہ کی مداخلت پر جیل سے رہا ہوئے۔ آپ اردو، بلوچی، بروہی، سندھی، سرائیکی کے ادیب اور اچھے شاعر ہیں ایک قومی گیت لکھنے کے مقابلے میں انھیں پانچ سو روپیہ کا پہلا انعام بھی ملا تھا۔ ادب و ثقافت کی کئی انجمنوں کے رکن اور پریس کلب کے صدر بھی رہے ہیں۔

مسٹر ابراہیم خلیل (ولد رحمد علی) ایڈیٹر روزنامہ قاصد ریاست پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں پائی۔ قیام پاکستان کے بعد کوئٹہ آئے اور گورنمنٹ کالج کوئٹہ سے ایف اے کیا۔ ۱۹۵۸ء میں ہفتہ وار قاصد کے ایڈیٹر اور مالک بنے اور بڑی جدوجہد کرتے رہے ترقی دے کر آخر کار ۱۰ مئی ۱۹۶۲ کو انھوں نے اسے روزنامہ کیا جواب بھی جناح روڈ سے باقاعدہ شائع ہو رہا ہے۔

عبدالصمد بٹالوی (ولد عبدالجبار) ایڈیٹر صحب نو ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء میں بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں پائی۔ بی اے پاکستان میں آ کر کیا۔ ۱۴ جولائی ۱۹۶۱ء میں

"زمانہ" کے پہلے مترجم بنے پھر سب ایڈیٹر بنے۔ بعد یکم جولائی ۱۹۶۲ء میں "نعرۂ حق" میں متعین ہوئے۔ پھر وہاں سے "زمانہ" میں آئے، نیوز ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یکم ستمبر ۱۹۶۴ء سے "صبحِ نو" ہفتہ وار کے ایڈیٹر ہیں جو روپ چند لین روڈ سے شائع ہوتا ہے۔

مسٹر سلطان محمد صاحب (ولد عبدالغفور) ایڈیٹر ہفتہ وار "ہیواد" پشتو اکتوبر ۱۹۲۵ء میں کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم میٹرک تک سنڈیمن ہائی سکول سے پائی۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۹ کو ہفتہ وار ہیواد پشتو جاری کیا۔ جو باقاعدہ نچاری روڈ کوئٹہ سے شائع ہوتا ہے۔ مسٹر سلطان صابر پشتو کے شاعر اور ادیب بھی ہیں۔

مسٹر محمد ظفر اللہ خان (ولد حبیب اللہ خان) ایڈیٹر ہفتہ وار ظفر الاسلام "پشتو" ۲۲ فروری ۱۹۴۰ء میں کوئٹہ میں پیدا ہوئے اردو تعلیم گھر پر حاصل کی اور پشتو آنرز کا امتحان پاس کیا۔ ستمبر ۱۹۵۹ء میں ماہوار پشتو رسالہ جاری کیا۔ کچھ عرصہ بعد اسے ہفتہ وار کیا اور پھر پشتو اخبار بیک وقت پشاور اور کوئٹہ سے شائع ہونے لگا۔ مگر اب صرف کوئٹہ میں ارباب کرم خان روڈ سے شائع ہوتا ہے۔

مسٹر نور محمد پروانہ (ولد مولوی مہر دل خان) ایڈیٹر ہفتہ وار ایلم بروہی ۱۵ فروری ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ دینی اور فارسی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۲۴ فروری ۱۹۶۰ء کو ہفتہ وار ایلم اردو، بروہی زبان میں جاری کیا جو مستونگ قلات ڈویژن سے شائع ہوتا ہے۔ انھوں نے کمال ہند اردو۔ نوجوان سندھی اردو ہفت روزہ جیکب آباد میں بھی کام کیا۔ استقلال کوئٹہ اور ہاری حقدار حیدر آباد کی نمائندگی بھی کرتے رہے۔

مسٹر عبدالکریم شورش (ولد حاجی محمد قاسم خان) ایڈیٹر نوکین دور بلوچی ۱۹۱۷ء میں کاریز سور مستونگ میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم پائی۔ جو ۱۹۶۲ء میں اپنا ہفتہ وار اخبار اردو، بلوچی میں "نوکیں دور" کے نام سے جاری کیا جو بھیک چند روڈ سے شائع ہوتا ہے۔ آپ ۶۲۔۱۹۵۹ء میں ایڈیٹر روزنامہ زمانہ رہے ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کوئٹہ کے باہر اور کوئٹہ کے کئی اخباروں میں کام کیا ہے۔

موجودہ مقامی اخبارات اور ایڈیٹر ایک نظر میں

نمبر شمار	نام اخبار	نوعیت	تاریخ اجرا	زبان	مالک/ایڈیٹر صاحبان
۱۔	کوئٹہ ٹائمز	ہفتہ وار	۱۹۳۸ء	انگریزی	مسٹر شاوک رستم جی
۲۔	پاسبان	پندرہ روزہ	جون ۱۹۳۹ء	اردو	مولانا محمد عبداللہ
۳۔	تنظیم	ہفتہ وار	۱۹۴۷ء	اردو	مسٹر محمد حسین
۴۔	زمانہ	روزنامہ	مارچ ۱۹۴۷ء	اردو	سید فصیح اقبال
۵۔	میزان	ہفتہ وار	یکم ستمبر ۱۹۴۷ء	اردو	مسٹر جمیل الرحمان
۶۔	پکار	ہفتہ وار	نومبر ۱۹۴۷ء	اردو	مسٹر عبدالکریم بٹ
۷۔	رہبر نسواں	ہفتہ وار	۱۹۴۸ء	اردو	مسٹر اے آر جمالی
۸۔	کوہسار	ہفتہ وار	۱۹۵۰ء	اردو	مولانا عبدالعزیز
۹۔	کارواں	پندرہ روزہ	۱۹۵۰ء	اردو	عبدالحئی
۱۰۔	تعمیر بلوچستان	ہفتہ وار	۱۹۵۰ء	اردو	مسٹر گل محمد ایروی
۱۱۔	نعرۂ حق	روزنامہ	اپریل ۱۹۵۲ء	اردو	میاں گلزار محمد

۱۲۔	ساربان	ہفتہ وار	۱۹۵۳ء	اردو ،بلوچی	ملک محمد رمضان
۱۳۔	قاصد	روزنامہ	۱۹۵۳ء	اردو	مسٹر محمد ابراہیم خلیل
۱۴۔	صبح نو	ہفتہ وار	۱۹اکتوبر ۱۹۵۵ء	اردو	مسٹر عبدالصمد ذاکر
۱۵۔	ہیواد	ہفتہ وار	۱۲۷کتوبر ۱۹۵۹ء	پشتو	مسٹر سلطان محمد
۱۶۔	ظفرالاسلام	ہفتہ وار	ستمبر ۱۹۵۹ء	پشتو	مسٹر محمد ظفر اللہ خان
۱۷۔	ایلم	ہفتہ وار	۲۴فروری ۱۹۶۰ء	براہوی	مسٹر نور محمد پروانہ
۱۸۔	نوکیں دور	ہفتہ وار	۸جون ۱۹۶۲ء	بلوچی، اردو	مسٹر عبدالکریم شورش

اٹھائیسواں باب

قومی اخبارات کے نمائندوں کے حالات

قومی اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے رپورٹروں یا نمائندوں کے حالات اس باب میں علیحدہ اس لیے درج کیے جارہے ہیں کہ ان کے کام کی نوعیت یہاں کے اخبارات کے ایڈیٹروں کے کام سے مختلف اور زیادہ اہم ہے۔اور سچ تو یہ ہے کہ یہاں کی صحافت میں قومی اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے نمائندے بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔مندرجہ ذیل حالات بھی نمائندوں کے خودفراہم کردہ ہیں اور بے کم وکاست درج کیے جارہے ہیں۔

کمال الدین (ولد شیخ امام الدین) پیدائش کوئٹہ ۳ دسمبر ۱۹۱۶ء۔تعلیم مڈل تک اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ، میٹرک ۱۹۳۲ء میں امریکی مشن ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ موگا تحصیل فیروز پور سے گریجویشن کا امتحان اول رہ کر پاس کیا۔گیارہ سال گورنمنٹ سروس میں مدرس رہنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں استعفیٰ دیدیا اور ۱۹۴۸ء میں ہفتہ وار میزان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔۱۹۴۹ء میں چھ ماہ تک پیر علی محمد راشدی کے سندھ آبزرور کے کوئٹہ میں رپورٹر رہے۔۱۶ مارچ ۱۹۵۰ء کو روزنامہ "جنگ" کراچی کے پارٹ ٹائم رپورٹر مقرر ہوئے۔۱۹۵۲ء میں بچوں کا ماہنامہ "شاہین" جاری کیا۔جون ۱۹۵۳ء میں میزان سے مستعفی ہوکر روزنامہ "اتحاد" کے ایڈیٹر ۱۵ جولائی کو مقرر ہوئے۔روزنامہ اتحاد کے کام کی کثرت کی بناپر ماہنامہ "بچوں کا شاہین" جاری نہ رکھ سکے۔۱۴ ماہ تک "اتحاد" کے ایڈیٹر رہے، مگر اگست ۱۹۵۴ء کو میں نے اور میرے بہترین قابل اسسٹنٹ غلام محمد شاہوانی نے

اس لیے استعفیٰ دیا کہ منتظمین نے ایک اسسٹنٹ کے تقرر سے انکار کر دیا تھا جو اخبار کی بڑھتی ہوئی اشاعت کے لیے ضروری تھا۔ اس کے کچھ دن بعد مستونگ کے ہفتہ وار "یونین" کے کچھ پرچوں کی ادارت کی۔ ۱۹۵۷ء میں روزنامہ "جنگ" (ہمہ وقت) نمائندہ مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں ویج بورڈ ایوارڈ کے مطابق ادارہ جنگ نے تمام سہولتیں دیں اور تنخواہ میں اضافہ کیا۔ آخری بات یہ کہ یہ کتاب "صحافت وادی بولان" انھوں نے مرتب کی۔ ان کا دفتر جناح روڈ پر واقع ہے۔ یہ قومی اخبارات کے سب سے پہلے سٹاف رپورٹر متعین ہوئے۔

مسٹر شمس الحق خان (ولد ڈاکٹر سراج الحق خان) ۱۹۳۱ء میں زومبا علاقہ ملادی (افریقہ) میں پیدا ہوئے۔ آج کل سکونت فاطمہ جناح روڈ پر ہے۔ آپ ۱۹۵۲ء میں صحافت میں آئے۔ کوئٹہ کالج میں طلبا کی سوشل سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۵۰ء میں بلوچستان سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کنوینر کی حیثیت سے اہم تنظیمی کام کیا۔ ۱۹۵۲ء میں زمیندار، لاہور، ملت لاہور اور ٹائمز آف کراچی کے ان کے بند ہونے تک نمائندے رہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے بھی اس کے بند ہونے تک نمائندے رہے۔ ۱۹۵۷ء میں ڈان کراچی کے نمائندے مقرر ہوئے۔ ڈیلی گروپ کے رپورٹر ترجمان کوئٹہ کے راولپنڈی میں نمائندہ رہے۔ پریس کلب کے بانیوں میں سے ہیں۔ دو مرتبہ پریس کلب کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اب بھی سیکرٹری ہیں۔ بنگلہ ساہتیہ سمیلانی کے مجلّہ "بولانیر ڈاک" کے انگریزی حصے کے اعزازی ایڈیٹری ہیں۔ جرنلزم پر امریکی مرکز اطلاعات کے سیمینار میں افتتاحی تقریر آپ نے کی تھی۔ نوجوان، ہر دلعزیز اور ذہین جرنلسٹ ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں کشمیر کے محاذ میں فرقان فورس میں شامل ہو کر رضاکارانہ خدمات سرانجام دیں۔

مسٹر عبدالکریم بٹ (ولد تاج الدین) کوئٹہ میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم پائی، ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں صحافت میں آئے اپنا اخبار "پکار ہفت روزہ اردو میں جاری کیا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں کوہستان لاہور کے کوئٹہ میں نمائندہ مقرر ہوئے۔ صحافیوں کی ایک دو تنظیموں کے صدر بھی رہے۔ سمجھدار اور قابل جرنلسٹ ہیں۔

مسٹر غلام طاہر (ولد میاں عزیز بخش) ضلع جالندھر میں ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی، ۱۹۵۵ء میں منٹگمری میں پاکستان ٹائمز کے نمائندے مقرر ہوئے، ۱۹۵۹ء میں اسی حیثیت سے کوئٹہ آئے۔ ۱۹۶۱ء میں جون، جولائی میں جہلم اور دو ماہ کے لیے مری میں رہے۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں لالہ موسیٰ میں متعین ہوئے اور مشہور نسیم یعقوب کیس کی ایک ماہ تک رپورٹنگ کی۔ جولائی ۱۹۶۲ء میں کوئٹہ آئے۔ کچھ دن مائن اونرز ایسوسی ایشن کے پبلک آفیسر رہے۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو پھر کوئٹہ میں پاکستان ٹائمز کے نمائندے مقرر ہوئے۔

مسٹر طاہر احمد (ولد شیخ محمد لطیف) کوئٹہ ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے اور تعلیم بی اے پاس۔ تعلیم کے دوران کالج میگزین اور دوسرے ادبی پرچوں میں بھی لکھتے رہے۔ باقاعدہ صحافت میں سب سے پہلے اتحاد کوئٹہ میں بطور نیوز ایڈیٹر ستمبر ۱۹۵۹ء میں کام کیا لیکن چند ناگزیر حالات کی بناء پر اتحاد بند ہو گیا۔ اس کے بعد روزنامہ زمانہ جو اس وقت ہفت روزہ تھا۔ اور بعد میں جب وہ روزنامہ بنا تو اعزازی طور پر کام کرتے رہے اور ۱۹۶۴ء میں روزنامہ نعرۂ حق میں بطور سب ایڈیٹر اور اپریل ۱۹۶۵ء میں روزنامہ حریت کراچی کے نمائندے کے حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

عزیز بھٹی (ولد حاجی مہتاب الدین) ۱۹۴۱ء میں ڈیرہ دون میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ڈیرہ دون میں پائی۔ ۱۹۵۵ء میں جھنگ میں روزنامہ سفینہ لاہور کے نمائندے مقرر ہوئے۔ پھر ہفت روزہ جمہوری کے چیف رپورٹر اور ۱۹۵۸ء میں ایڈیٹر بنے اور ۱۹۶۰ء میں ماہنامہ مہتاب جھنگ کے ایڈیٹر ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں زمانہ اور ہفت روزہ قاصد کے ایڈیٹر و سٹاف رپورٹر بنے اور ۱۹۶۳ء میں قاصد کے اسسٹنٹ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ کچھ دن غریب لائل پور کے نمائندے رہے۔ پھر انجام کراچی کے نمائندے اور نعرۂ حق کے نیوز ایڈیٹر بنے۔

مسٹر کے ایم فاروق (ولد محمد ظہور خواجہ) کوئٹہ میں ۳۱ مارچ ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آگرہ اور جیکب آباد میں مڈل کیا۔ صحافت میں ۱۹۴۸ء میں آئے ور ابتدا اخبار کے ہاکر کی حیثیت سے کی۔ آپ جنگ اور ڈان کے ہاکر سے ۱۹۵۲ء میں ماہنامہ انسان سندھی میں کام کیا جو حیدر آباد میں ادارہ انسانیت کے زیر اہتمام نکلا کرتا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں کوئٹہ آئے۔ اور مزدوری کی اور سب سے پہلے یہاں کے حقیقت ہفتہ وار کے ادارے میں شامل ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں تعمیر بلوچستان کے مدیر معاون اور کوہستان کے نمائندے مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں روزنامہ اتحاد کے سٹاف رپورٹر ہوئے۔ ایک سال بعد کوہستان چھوڑ دیا اور ہلال ہفت روزہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اور اس کے بند ہونے تک ایڈیٹر رہے۔ نومبر ۱۹۶۲ء سے نوروز کراچی کے نمائندے ہیں۔

مسٹر مقبول رانا (ولد رانا محمد نزیر) روپڑ ضلع انبالہ میں (مشرقی پنجاب) میں چھ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم ایف اے تک ہے۔ ۱۹۵۹ء میں صحافت سے منسلک

ہوئے۔اور روزنامہ نوائے وقت لاہور، روزنامہ کوہستان راولپنڈی، سہ روزہ "تحفہ" گوجرانوالہ میں کام کرتے رہے۔یکم اکتوبر ۱۹۶۴ء سے روزنامہ مشرق کے نمائندے کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔

امیر عبداللہ رازی گو پاکستان کے کسی اخبار کے نمائندے نہیں۔مگر وہ نمائندہ اطلاعات طہران ہیں۔امیر عبداللہ رازی (ولد حسین مرضی) ۱۹۳۰ء میں طہران میں پیدا ہوئے۔ابتدائی اور ثانوی تعلیم طہران کے ہائی سکول سے پائی۔۱۹۵۰ء میں پاکستان آئے اور کوئٹہ میں ایران کلچرل سنٹر کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے جس کا افتتاح ۹ مارچ ۱۹۵۷ء میں ہوا تھا۔گورنمنٹ کالج کوئٹہ سے بی اے کیا۔ذاتی قابلیت، محنت اور حسن اخلاق کی بنا پر ایران کے کونسلیٹ جنرل مقیم کوئٹہ کے دفتر میں سیکرٹری متعین ہوئے۔آپ کوئٹہ میں اطلاعات طہران کے ایکری ڈیٹڈ پریس کارسپانڈنٹ ہیں۔آپ فارسی، اردو، انگریزی اور فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں۔

نیوز ایجنسیوں کے نمائندے

مسٹر محمد رفیق پراچہ (ولد عبدالرحیم) ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نوکنڈی میں حاصل کی۔ نویں جماعت تک اسلامیہ ہائی اسکول کوئٹہ میں پڑھتے رہے۔ بعد ازاں گورنمنٹ سیکنڈری ہائر سکول کوئٹہ میں داخل ہوئے اور بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں ہفت وار جمہور کے ایڈیٹر بنے جو بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ترجمان تھا۔ ۱۹۵۱ء تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ اور جنوری ۱۹۴۹ء میں یونائیٹڈ پریس آف پاکستان کے نمائندے مقرر ہوئے اور ایک سال بعد ۱۹۵۰ء میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے نمائندے مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۵۲ء تک کوئٹہ میں رہے۔ ۱۹۵۲۔۵۳ء میں کراچی اور راولپنڈی گئے۔ ۱۹۵۴۔۵۵ء میں پھر کوئٹہ آئے۔ ۱۹۵۴ء میں مظفر آباد میں کام کیا اور ۱۹۵۶ء میں حیدر آباد، لاہور اور پشاور میں کام کیا۔ ۱۹۵۸ء میں کوئٹہ آئے۔ ایک سال بعد ملتان میں تعین ہوئے ۱۹۶۰۔۶۱ء میں کراچی ہیڈ آفس میں مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں کوئٹہ آنے سے پہلے کراچی میں کرشل نیوز سروس کے مینیجر تھے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء میں کوئٹہ میں ٹیلی پرنٹر کی تنصیب پر اس کے انچارج مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ انھوں نے صحافیوں کی تنظیم کے لیے بھی کام کیا۔ وہ اے جی جی کی پریس کے متعلق مشاورتی کمیٹی کے رکن اور صدر کوئٹہ یونین آف جرنلسٹس بھی رہے۔ پریس کلب کے بانیوں میں سے ہیں۔ ملتان یونین آف جرنلسٹس کے جنرل سیکرٹری اور لیاقت نہرو پیکٹ کے انڈو پاک پریس مشاورتی کمیٹی کے ممبر تھے۔ قابل جرنلسٹ ہیں۔ کے یو جے اے پی پی یونٹ کے چیف بھی رہے۔

سید معظم علی (ولد سید قاسم علی) سئو (انڈیا) میں ۱۷ جولائی ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گرامر سکول سئو میں حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج کوئٹہ سے بی اے کیا۔ صحافت میں فروری ۱۹۵۸ء میں آئے جبکہ آپ کوئٹہ ٹائمز کے سٹاف رپورٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں انڈس ٹائمز حیدر آباد اور پاکستان ٹائمز لاہور کے نمائندے رہے۔ ۱۹۵۸ء میں یو پی پی کے نمائندے برائے کوئٹہ قلات مقرر ہوئے اور اب سٹاف رپورٹر پی پی اے کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اور کوئٹہ ٹائمز کے سٹاف رپورٹر بھی ہیں۔ سمجھ دار جرنلسٹ ہیں۔

انتیسواں باب

سابق صحافی

اس باب میں وادی بولان کے جن صحافیوں کے حالات درج ہیں۔ ان میں مینجنگ ایڈیٹر متوفی صحافی، تارکان صحافت یا دیگر پرانے صحافیوں کے حالات درج کیے جا رہے ہیں۔ پہلے دو صحافیوں کی پوزیشن بھی بڑی دلچسپ ہے۔ مولانا عبدالکریم اوران کے فرزند مسٹر جمیل الرحمان احمد "میزان" کے ایڈیٹر ہیں۔ اس کے برعکس میاں گلزار محمد صاحب نعرۂ حق کے ایڈیٹر ہیں۔ اوران کے فرزند مسٹر افتخار یوسف مینجنگ ایڈیٹر اس لیے ان دونوں صاحبان کے حالات بحیثیت مینجنگ ایڈیٹر اس باب میں درج کیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ بحیثیت ایڈیٹر میاں گلزار محمد صاحب اور مسٹر جمیل الرحمان احمد کے حالات ستائیسوں باب میں درج کیے جا چکے ہیں۔

مولانا عبدالکریم صاحب

مولانا عبدالکریم صاحب آج کل ہفتہ وار " میزان " کے مینجنگ ایڈیٹر ہیں، آپ ڈیرہ غازی خان کے قصبہ روجھان میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا حافظ شیخ احمد صاحب تھا۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن حکیم ختم اور عربی، فارسی منطق، فلسفہ، حدیث اور فصہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی ۱۹۲۵ء میں آپ نے سردار غوث بخش رئیسانی کے استاد کی حیثیت سے تعلیم دینے کے فرائض ادا کیے۔ جھل مگسی میں دارلعلوم قائم تو نامعہ عزیزیہ میں آپ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۶ء تک بحیثیت پرنسپل کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس سے پہلے ۱۹۳۸ء میں دارلعلوم مستونگ میں بھی

ناظم رہے۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک "الاسلام" ہفتہ وار کے ایڈیٹر رہے۔ یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو اپنا اخبار" میزان" ہفتہ وار جاری کیا۔ پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس کے نمائندے کی حیثیت سے نہرو۔ لیاقت معاہدے کے تحت دہلی گئے۔ یہاں کے صحافیوں کی تنظیموں کے صدر اور سرپرست بھی رہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاسوں میں بھی شریک ہوئے۔ آپ کو سبی دربار میں دو مرتبہ سندیں ملیں۔ آج کل ریڈیو سے نشر ہونے والے اپنے مضامین "دین اور دنیا" کے نام سے جمع کر رہے ہیں۔

میاں افتخار یوسف

میاں افتخار یوسف ۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے اور آپ نے میٹرک کے بعد ایف ایس سی اور پھر ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۳ء تک نعرۂ حق کے لیے صحافت کی تربیت حاصل کرتے اور پھر ۱۹۵۶ء سے اب تک اس کے مینجنگ ایڈیٹر ہیں۔ ۱۹۵۹ سے ۱۹۶۱ء تک پریس کلب کے دو سال تک صدر رہے۔ ایک مرتبہ ابتدا میں پریس کلب کے جنرل سیکرٹری اور ۱۹۶۵ء میں پھر پریس کلب کے صدر منتخب ہوئے۔ ویسٹ پاکستان ڈیلی نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس اور ریجنل پریس سنڈیکیٹ کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی

خان عبدالصمد خان اچکزئی کلی عنایت اللہ کاریز (گلستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبدالحکیم خان اچکزئی تھا۔ آپ نے سنڈیمن ہائی سکول کوئٹہ میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ بعد میں پرائیویٹ طور پر تحصیل علم میں مصروف رہے۔ زلزلے کے بعد سب سے پہلے ۱۹۳۸ء میں ہفتہ وار "استقلال" اردو جاری کیا۔ جس کے آپ مالک

اور ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۳۸ء میں جب جرنلسٹس ایسوسی ایشن بنی تو اس کے پہلے صدر منتخب کیے گئے۔ اس کے علاوہ یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کے لیے اس علاقے کی خبریں بھیجتے تھے۔ آپ نے ۱۹۳۹ء میں انجمن وطن قائم کی۔ اس کے آخر تک صدر رہے۔ ان کے عقائد پر خان عبدالغفار کا زیادہ اثر ہے۔ آپ ایڈیٹر کم لیڈر زیادہ ہیں۔ آپ چار پانچ مرتبہ جیل بھی گئے ہیں۔

قاضی نورالحق

قاضی نورالحق خان ۱۱ اگست ۱۹۲۵ء میں فورٹ سنڈیمن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام قاضی حافظ مدثر ہے جو ضلع پشاور سے ہجرت کر کے وہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ اہل علم خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم و تربیت علمی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔ پھر وہ ٹرنچ اسکول میں داخل ہوئے اور میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ بعد میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ کچھ سرکاری ملازم رہے۔ پھر صحافت کے میدان میں آئے۔ جون ۱۹۴۹ء میں انھوں نے سبی اور بعد میں کوئٹہ سے ترجمان ہفتہ وار اردو اخبار جاری کیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اگست ۱۹۵۰ء سے پاکستان ٹائمز لاہور کے نمائندے کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۰ء میں اس سے مستعفی ہو کر ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان اور بعد میں پی پی اے کے رپورٹر مقرر ہوئے۔ آپ چند سال تک " کاروان " کوئٹہ کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ مارچ ۱۹۵۷ء میں قاضی صاحب امریکی حکومت کی دعوت پر امریکہ بھی گئے۔ قاضی نورالحق نے کارکن صحافیوں اور پریس ورکرز کے حقوق کے تحفظ کے لیے بھی جدوجہد کی۔ صحافیوں کی تنظیمیں بلوچستان جرنلسٹس ایسوسی ایشن، پاکستان

نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس، یونین آف ورکنگ جرنلسٹس، ایڈیٹرز ایسوسی ایشن کی تنظیموں کے لیے بھی کام کیا۔ اگست ۱۹۶۴ء میں گورنر مغربی پاکستان نے انھیں انڈسٹریل کورٹ ویسٹ پاکستان کے ایک ممبر کی حیثیت سے مقرر کیا۔ قاضی نور الحق خان طبعاً خلیق اور خوش مزاج واقع ہوئے ہیں۔ صحافتی زندگی میں وہ شروع سے آخر تک میانہ رو، دیانت دار اور خدمت خلق کے جذبے سے کام لیتے رہے۔ انھوں نے اس پیشے کی عظمت کی خاطر قربانی بھی دی۔ اور ایسی بہت سے تقاریب کا بائیکاٹ کیا۔ جہاں صحافیوں کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے مقام نہیں دیا گیا۔ چنانچہ خواجہ ناظم الدین (مرحوم) نے بحیثیت گورنر جنرل پاکستان کے، جس تقریب میں قائداعظم کی تصویر کی نقاب کشائی کرنی تھی، کوئٹہ ٹاؤن ہال میں اس تقریب کا بائیکاٹ کرنے میں انھوں نے دیگر صحافیوں کا ساتھ دیا۔ اس طرح غلام محمد شاہوانی مرحوم (ایڈیٹر نوائے وطن) کے کیس میں بھی اپنے صحافی بھائی کے دفاع کے لیے بہت کچھ کیا۔ اور افسران سے دشمنی مول لی۔ انھوں نے ہمیشہ راست روی سے کام لیا اور کبھی ظلم و جبر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور نہ ہی کسی لالچ میں آ کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کی۔ امریکہ کے دورے میں انھوں نے سینٹ جان کالج (انا پولس) اور شیگن سٹیٹ یونیورسٹی (ایسٹ لانسنگ) س اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور سندات لیں، واپسی پر انگلینڈ، یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کی سیاحت کی۔

مسٹر عبدالرحمان کرد

مسٹر عبدالرحمان کرد علاقہ دشت تحصیل مستونگ میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے اور میٹرک تک تعلیم پائی۔ صحافت اپنے ہفتہ وار نوائے بولان اردو سے شروع کی۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں اخبار جاری کیا جو مارچ ۱۹۶۱ء تک جاری رہا اور بند ہو گیا۔

مسٹر تاج محمد نعیم

تاج محمد نعیم ۳۰ جون ۱۹۳۳ کو موضع کلگان (تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ) میں پیدا ہوئے اور جون ۱۹۴۷ء میں کوئٹہ آئے۔ ۱۹۵۳ء میں گورنمنٹ کالج کوئٹہ سے بی اے کے امتحان میں اول آئے۔ کالج تعلیم کے دوران "بولان" کالج میگزین کے انگریزی اور اردو شعبوں میں مضامین لکھتے رہے۔ تعلیم کے بعد چار سال تک صحافت میں رہے۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں ہفتہ وار قاصد کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں محکمہ ویلج ایڈ میں پبلسٹی آفیسر کے عہدے پر متعین ہوئے اور انھوں نے وہاں تقریباً ساٹھ کتابیں، پمفلٹ، پوسٹر وغیرہ شائع کیے۔ ۱۹۵۹ء میں کارکن کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ یہ ایک معیاری رسالہ تھا، جواب بند ہے۔

مولوی عبدالباقی

مولوی عبدالباقی درخانی رئیسانی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے ماہنامہ معلم سریاب (کوئٹہ) سے ۱۹۵۰ء میں جاری کیا۔ بارہ سال باقاعدگی سے جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔ بند ہونے کی وجہ یہ تھی کہ نئے پریس آرڈیننس کے بعد حسب ضابطہ انھوں نے ڈیکلریشن داخل کیا مگر منظور نہ ہوا۔ سرکاری طور پر انھیں یہ بتایا گیا تھا کہ معلم کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ آپ نے "کلمتہ الحق" سبی، "ساربان" مستونگ اور "اتحادِ بلوچاں" کراچی اور "ایلم" مستونگ میں بھی کام کیا۔ بیسیوں مذہبی کتب و رسائل کے مصنف ہیں۔

مسٹر شمیم مسعود صدیقی

مسٹر شمیم مسعود صدیقی کوئٹہ میں یکم جنوری ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے اور میٹرک تک تعلیم پائی۔ صحافت کی ابتدا ماہنامہ "بچوں کا شاہین" سے کی، وہ ۱۹۵۲ء میں اس رسالے کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۵ جولائی ۱۹۵۳ء میں روزنامہ "استحاد" کے منیجر مقرر ہوئے۔ اور ہفتہ وار "استحاد" کے یکم ستمبر ۱۹۵۴ء میں نیوز ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۷ء میں جب استحاد سہ روزہ ہوا تو ایک سال تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۵۸۔۵۶ء میں روزنامہ "انقلاب" کراچی کے نمائندے رہے۔ پھر انھیں ہفتہ وار "صداقت" کی ادارت ملی تو اسے ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۳ء تک چلاتے رہے۔ اسی دوران میں وہ "حریت" کراچی کے ستمبر ۱۹۶۲ء سے جولائی ۱۹۶۳ء تک نمائندے رہے۔ پھر ۱۹۶۳ء میں "صبحِ نو" ہفتہ وار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۶۴ء تک ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پریس کلب کے بانیوں میں سے ہیں اور ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک پریس ورکرز یونین کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔

مسٹر جاوید احمد

مسٹر جاوید احمد ولد شاہ دین۔ ۲۸ جون ۱۹۴۰ء میں ضلع جالندھر میں کلیانپور میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں کوئٹہ آئے۔ گورنمنٹ سنڈیمن ہائی اسکول سے ۱۹۵۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ صحافت کا آغاز ۱۷ جولائی ۱۹۵۳ء میں ہفت روزہ "دشمن" میں بچوں کے کالم سے کا۔ "کارواں" اور "استحاد" کے دوبارہ اجرا پر اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اسی سال یعنی ۱۹۵۹ء میں مارشل لاء کے دوران ایک فوجی افسر کے تبادلے کی خبر شائع کرنے کی بنا پر گرفتار ہوئے، مگر جلد ہی رہا ہوگئے۔ ۱۹۶۱ء میں روزنامہ "زمانہ" میں

سب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔تقریباً ایک سال اس سے منسلک رہے۔کچھ دن بعد ۱۹۶۲ء میں "زمیندار" کے ادارے میں شامل ہوئے مگر جلد استعفیٰ دے دیا۔

مسٹر گور بخش لال کالڑا

مسٹر گور بخش لال کالڑا ۶ مارچ ۱۹۳۳ء میں لہڑی ضلع قلات میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔ چھ جماعت پڑھ سکے۔تعلیم کے دوران بچوں کے رسالے "پھول" کے لیے کہانیاں بھیجا کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد "استقلال" کو خبریں بھیجتے تھے۔۱۹۵۰ء میں کوئٹہ آئے اور ہفتہ وار "پیغامِ جدید" اور "تعمیر بلوچستان" ہفتہ وار مستونگ میں کام کرتے رہے۔جون ۱۹۵۳ء میں اپنا پندرہ روزہ اخبار "ریاست" کے نام سے جاری کیا۔ابھی اس کے صرف تین شمارے ہی شائع ہوئے تھے کہ دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر "ریاست" دہلی کی طرف سے ایک نوٹس ملا جس کی وجہ سے اخبار بند کرنا پڑا۔اگست ۱۹۵۳ء میں میں "چلتن" کے نام سے دوسرا پرچہ ہفتہ وار جاری کیا جو اکتوبر ۱۹۵۴ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت بند ہو گیا اور مسٹر کالڑا اخباری زندگی سے علیحدہ ہو گئے۔

حکیم محمد رفیق راز

حکیم محمد رفیق راز ولد عبداللطیف پہلے پندرہ روزہ "ریاست" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔مگر جب ریاست کے نام پر اس پرچے کے مالک کو نوٹس ملا تو دوسرا ہفت روزہ "چلتن" شائع ہونے لگا۔ یہ پرچہ مستونگ سے شائع ہوتا تھا۔مسٹر رفیق راز دو سال صحافت سے منسلک رہے۔راز کوئٹہ کے بلند پایہ ادیب اور شاعر ہیں۔

سید صابر علی

سید صابر علی (ولد سید قاسم علی) دس جنوری ۱۹۴۶ء کو منٹو چھاؤنی (انڈیا) میں پیدا ہوئے اور پھر والدین کے ہمراہ پاکستان آئے۔ گورنمنٹ کالج کوئٹہ سے بی اے کیا۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک "انڈس ٹائمنر" کے نمائندہ رہے جو حیدر آباد سے شائع ہوتا ہے، ۱۵ اگست ۱۹۶۳ء سے "پاکستان ٹائمنر" کے نمائندے مقرر ہوئے اور ایک سال کام کیا۔

سید محمد یوسف واسطی

سید محمد یونس واسطی (ولد یوسف علی واسطی) ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ ۱۹۴۴ء میں صحافت میں آئے۔ اور روزنامہ "قومی آواز" کانپور میں ۱۹۴۵ء تک مترجم رہے۔ ۴۸۔۱۹۴۷ء میں "انجام" کراچی میں مترجم رہے۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی سے ہفتہ وار "آئینہ" جاری کیا اور ایک سال اس کے ایڈیٹر رہے۔ فروری سے اپریل ۱۹۶۴ء تک "نوائے وقت" لاہور کے نمائندے رہے۔ اپریل ۱۹۶۳ء میں "حریت" کے کوئٹہ میں نمائندے مقرر ہوئے۔ سلجھے 1 ہوئے جرنلسٹ اور ادیب ہیں۔

مولوی محمد شریف بزدار

مولوی محمد شریف بزدار تحصیل بھاگ ریاست قلات میں ہدہ گھرام زئی گاؤں میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پہلے اپنے والد پھر اپنے چچا سے حدیث اور فقہ پڑھتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں کراچی میں مدرسہ مظہر العلوم میں داخل ہو کر عربی نصاب مکمل کیا۔ سرداری سسٹم اور اصلاح بلوچی رسوم اور جرگہ کے خلاف قید و بند کے بعد ریاست بدر ہو کر کوئٹہ آئے۔ اور سبی میں حاجی عطا محمد مرغزانی کے اخبار "کلمتہ الحق" کے ادارے

میں شامل ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں "حقیقت" کا ڈیکلریشن داخل کر کے ہفتہ وار اردو پرچہ جاری کیا۔ ۱۹۵۷ء میں "حقیقت" کوسبی سے بھاگ لے گئے اور ۱۹۶۱ء میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر ان کا پرچہ بند ہو گیا۔ مولوی صاحب نے ۱۹۵۷ء میں کوئٹہ سے ماہنامہ "نسوانی دنیا" کے نام سے جاری کیا۔ اس کی ایڈیٹر بیگم آغا صادق اور ایک اور خاتون تھیں۔ ایک دو سال کے بعد یہ بھی بند ہو گیا۔

مسٹر عبدالرحمان غور

عبدالرحمان غور سبی میں ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام لال خان ہے اور آبائی وطن کچھ دلہاری خان (سبی) ہے۔ ابتدائی تعلیم سبی میں پائی۔ ضلع سبی کے ریکارڈ آفس (محافظ خانہ) میں تین سال کام کیا۔ ۱۹۵۱ء میں صحافت میں آئے۔ ماہنامہ معلم کے لیے لکھا کرتے تھے۔ بیمار ہوئے اور شفا پانے کے بعد "معلم" کی ادارت کے فرائض سنبھالے۔ اس سے پہلے ہفت روزہ "زمانہ" میں پہلے نمائندہ پھر اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر دو سال سے زائد کام کیا۔ کچھ عرصہ ایڈیٹر بھی رہے۔ معلم کی ادارت کے ساتھ ساتھ تین سال "تعمیر بلوچستان" کو ایڈٹ کرتے رہے۔ "تعمیر بلوچستان" کو چھوڑنے کے بعد "ایثار" کی ادارت سنبھالی۔ دو سال بعد "ایثار" بند ہوا تو روزنامہ "اتحاد" کے ادارہ تحریر میں شامل ہوئے۔ اس وقت کے ایڈیٹر کمال الدین احمد اور اسسٹنٹ ایڈیٹر غلام محمد شاہوانی مرحوم تھے۔ اس کے اچانک بند ہونے پر انھیں مدرسی اختیار کرنی پڑی اور پھر تین سال بعد "زمانہ" میں ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس وقت "زمانہ" روزانہ ہو گیا تھا۔ اسے چھوڑ کر "معلم" کو چلاتے رہے۔ دس اگست ۱۹۵۹ء کو اپنا اخبار "میثاق الحق" جاری کیا اور فروری ۱۹۶۱ء تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ پریس آرڈیننس کی عدم تکمیل

کی وجہ سے یہ اخبار بند ہو گیا۔ بالآخر بے روزگاری سے تنگ آ کر دو سال تک "صبحِ نو" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا مگر پالیسی سے اختلاف کی وجہ سے اسے چھوڑنا پڑا۔ اور پھر روزنامہ زمانہ کے نمائندہ مقرر ہوئے اور اب تک نمائندہ ہیں۔

مسٹر غریق ہمدم

غریق احمد ہمدم ۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔(والد کا نام اخگر سہانپوری)۱۹۵۸ء میں ہفتہ وار "صداقت" میں بچوں کے صفحے کے نگران کی حیثیت سے منسلک ہوئے۔۴ جولائی ۱۹۵۹ء سے ہفت روزہ "زمانہ" کے بچوں کے اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ "زمانہ" نے ۱۹۶۰ء میں جب روزنامے کی شکل اختیار کی تو انھیں ایڈیٹوریل اور انتظامیہ کے شعبے میں کام کرنا پڑا۔اسی سال گورنمنٹ سنڈیمن اسکول کوئٹہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔۱۹۶۳ء میں لاہور میں روزنامہ "زمانہ" کے چیف رپورٹر متعین ہوئے۔یکم جنوری ۱۹۶۵ء میں آپ نے اختر علی خان کے ساتھ مل کر بہاول پور سے ہفت روزہ "اختر" کا اجرا کیا۔ جواب ملتان سے نکل رہا ہے۔آج کل روزنامہ کے چیف رپورٹر برائے مغربی پاکستان تعین ہیں۔ روزنامہ "زمانہ" کوئٹہ اور کراچی دونوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔اس وقت اس پرچے کے سینئر ممبر ہیں۔

سید ذوالفقار علی رضوی

ذوالفقار علی رضوی فورٹ سنڈیمن میں پیدا ہوئے اور خالصہ ہائی سکول گورنمنٹ سنڈیمن اور اسلامیہ ہائی سکول سے میٹرک کیا۔ایف اے کوئٹہ کالج سے اور بی اے اسلامیہ کالج لاہور سے کیا۔صحافت کا آغاز ۱۹۵۵ء میں ہفت روزہ میزان سے ہوا۔

روزنامہ قاصد میں ۶۴-۱۹۶۳ء میں کچھ عرصہ کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں پھر روزنامہ قاصد میں نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔

مسٹر فضل احمد غازی

مسٹر فضل احمد غازی ۱۹۳۰ء میں کوئٹہ میں پیدا ہوئے ان کے والد صاحب کا نام حاجی علی احمد ہے۔ جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو اسلامیہ ہائی اسکول میں داخل کیے گئے اور ۱۹۴۸ء میں آپ نے میٹرک کر کے فرسٹ ایئر میں داخلہ لیا۔ تعلیم کے دوران ہی آپ صحافت کے میدان میں داخل ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں آپ نے "خورشید" ہفتہ وار جاری کیا اور پھر ہفتہ وار "الاسلام" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ آپ مسلم لیگ کے پراپیگنڈا سیکرٹری، بلوچستان لیبر فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری، سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر تھے۔ یعنی بیک وقت آپ تین تنظیموں کے اہم عہدیدار اور دو اخباروں کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۴۸ء میں گرفتاری کے ساتھ ہی "خورشید" اور "الاسلام" نہ رہے۔

۱۹۵۷ء میں فضل احمد غازی نے ماہنامہ " گلستان "پشتو میں جاری کیا مگر وہ رسالہ ۱۹۶۰ء میں ان کی دوبارہ گرفتاری پر بند ہو گیا۔

فضل احمد غازی پریس ایسوسی ایشن کوئٹہ کے جنرل سیکرٹری اور پریس مشاورتی کونسل کے ممبر بھی رہے ہے۔ سیاست میں قائداعظم کے بہت نزدیک رہے ہے۔ قیام پاکستان کی جدوجہد میں انھوں نے بہت حصہ لیا۔ اور طویل سفر کیے۔

فضل احمد غازی بڑے روشن دماغ اور اردو ادب کے بہت دلدادہ ہیں۔ خوش مذاق ہیں اور حاضر دماغی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ خوش باش ہیں اور بہت لکھنے والے ہیں۔ کاش وہ ان افتادوں سے بچے رہتے جو ان پر پڑی ہیں تو اس علاقے کی صحافت

کے علاوہ پاکستان کی بہت گراں مایہ صحافیانہ خدمات انجام دیتے جواوروں کے لیے قابل تقلید ہوتیں۔ ان کی آنکھوں میں ذہانت ہر وقت چمکتی رہتی ہے۔ اور تبسم تو ان کے ہونٹوں کی جاگیر ہے جو کبھی جدا نہیں ہوتی۔

مسٹر عبدالصمد خان درانی

عبدالصمد خان درانی (ولد عبدالسلام خان درانی صاحب) یکم جنوری ۱۹۲۳ء بمقام کوئٹہ پیدا ہوئے۔ شروع میں تعلیم کے لیے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخل کیے گئے مگر میٹرک کا امتحان خالصہ ہائی اسکول سے پاس کیا۔ وظیفہ لیا اور خالصہ کالج امرتسر میں بی اے تک پڑھے اور پھر دل برداشتہ ہو کر ایئر فورس میں بھرتی ہو گئے۔ پہلے معمولی ایئر مین، پھر راڈار آپریٹر کی حیثیت سے دوسری جنگ عظیم میں خدمات سرانجام دیں اور پھر پائلٹ بنے اور ہوائی فوج میں سارے ہندوستان اور پاکستان کے علاقے دیکھے۔ لڑائی ختم ہونے پر نزلہ کی وجہ سے آنکھیں کمزور ہوئیں تو فضائی سروس چھوڑ دی۔ چند روز موٹر سائیکلوں کی دکان پر کام کیا پھر محکمہ زراعت میں ملازمت اختیار کی۔ (نوٹ) عبدالصمد خان درانی نے اپنے حالات جو خود لکھ کر دیے ہیں۔ انھیں راقم الحروف اپنے الفاظ میں لکھتا ہے تو شاید اچھی طرح نہ نبھا سکے اس لیے مناسب یہی ہے کہ بے کم و کاست وہ سب کچھ لکھ دیا جائے جو انھوں نے لکھا ہے تا کہ کسی قسم کی خیانت نہ ہو۔ ان کے خود تحریر کردہ حالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

"روزنامہ جنگ" کے نمائندے مقیم کوئٹہ کمال الدین احمد صاحب عرصے سے سر تھے کہ ان کی مجوزہ تاریخ صحافت کے لیے اپنی زندگی کے حالات قلم بند کروں۔ مگر میں ہمیشہ انھیں ٹالتا رہا۔ مگر ایک شام جب میں نے انھیں یہ بتایا کہ میں منصوبہ کولمبور کے تحت

چار ماہ کی تربیت کے لیے ۲۹ جون ک روانہ ہو رہا ہوں تو انھوں نے سادہ کاغذوں کا ایک پلندہ مجھے پکڑا دیا اور پاس بٹھا کہ کہنے لگے کہ "یہ لیجئے اور ابھی لکھ ڈالیے کیونکہ آپ کینیڈا ہی میں ہوں گے تو شاید کتاب چھپنے کے لیے چلی جائے" مجبوراً بیٹھ کر ماضی کو کرید کر ذہن کی سطح پر لا رہا ہوں۔

کمال صاحب کی یہ غلط بخشی ہے کہ وہ مجھے صحافی سمجھتے ہیں۔ ورنہ میں کہاں صحافت جیسا معزز پیشہ اور کہاں یہ ناچیز اور ہیچ مدان۔ میں نے ہمیشہ استاد اور صحافی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ استاد قوم کے نونہالوں کی تربیت و تعلیم کا ذمہ دار ہے اور صحافی پوری انسانیت کا استاد ہے۔ کیونکہ خیالات اور عقائد کی تربیت و تشکیل میں صحافی نمایاں ادا کرتا ہے۔ شیکسپیئر کو لوگ ہر روز نہیں پڑھتے، مگر صحافی وہ گمنام ادیب ہوتا ہے جس کے رشحاتِ قلم سے تانگے والے سے لے کر صدر مملکت سبھی استفادہ کرتے ہیں۔

میں نے آج سے کوئی نو سال پہلے صحافت ترک کر کے ریڈیو کی ملازمت اختیار کی۔ محنت اگرچہ مجھے موجودہ پیشے میں بھی خاصی کرنی پڑتی ہے مگر صحافت میں محنت کے علاوہ اور بہت سے باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ صحافت میں جسم کو سکون اور آرام میسر ہوتا ہے اور نہ روح اور ذہن کو راحت، ہر طبع زادہ تحریر کے لیے جتنی کوفت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اس کے چھپ جانے کے بعد اور مختلف خدشات اور واہمے مزید اور مسلسل کوفت کا باعث بنے رہتے ہیں۔ بہر کیف اب مجھے سکون ہے تو اس وجہ سے کے کام کے بعد مہینے کے آخر میں تنخواہ ضرور ملے گی۔ یہ تردد دامن گیر نہیں رہتا کہ اخبار کے لیے کاغذ کہاں سے آئے گا۔ لکھائی چھپائی کے پیسے کہاں سے آئیں گے اور اخبار کو ڈاک سے بھیجنے کے لیے ٹکٹ کون دے گا۔ پھر یہ بھی نہیں کہ آپ کی محنت کا ثمرہ آپ کی تعریف کی صورت میں ہی ملے۔ بیسیوں نکتہ چین ہوٹلوں، بازاروں، نانبائیوں اور حجاموں کی

دکانوں میں ملیں گے۔ اخبار نویس کو لوگوں سے آفرین اور شاباش کا صلہ اس وقت ملتا ہے جب وہ چٹان سے سر ٹکرانے کا مشغلہ اختیار کرے۔ حکومت کسی طاقت ور فرد یا گروہ سے برسرپیکار ہو اور اپنا یہ حال ہو گا کہ ہر سچے مقدمے میں گواہی دینے تک کی حامی نہیں بھریں گے مگر اخبار نویس کو معمولی لغزش پر مطعون ضرور کریں گے۔ تو بات یہ ہے کہ میں نے زندگی میں یہ تمام پاپڑ بیلے ہیں۔

تعلیم اور ملازمت کے بعد شہر کی زندگی میں داخل ہوا۔ محکمہ زراعت میں ملازمت کی اور جنگلی خدمات کے صلے میں سنیارٹی حاصل کر لی اور ٹی اے بل کلرک اور ہارٹی کلچر اوورسیز رہا۔ یہ کام بھی بہرکیف راس نہ آیا۔ اس میں کوئی کشش نہ تھی۔ چنانچہ بعض احباب کے کہنے پر طویل رخصت لے کر ملازمت ترک کر دی اور "ہندوستان ٹائمز" سرچ لائٹ (پٹنہ) یونائیٹڈ پریس آف انڈیا اور ہفت روزہ "استقلال" کوئٹہ کے کام شروع کر دیا۔ یہ آزادی سے بہت پہلے کی بات ہے۔ آزادی کے بعد میں نے ہندوستان کے اخبارات اور نیوز ایجنسی سے قطع تعلق کر لیا۔ البتہ "استقلال" سے ناطہ قائم رکھا۔ "استقلال" کی پالیسی میں اگرچہ آزادی کے نئے تقاضوں کے مطابق بڑی تبدیلی آئی مگر وہ بڑا نازک دور تھا اور "استقلال" بڑی گرم نویسی کا قائل تھا۔ اس کا خمیازہ مجھے وقتاً فوقتاً بھگتنا پڑا۔ ۱۹۵۰ء میں کچھ لوگ فرار ہو کر افغانستان چلے گئے۔ ان میں "استقلال" کا مینجر بھی تھا۔ ان کے اس اقدام نے میری ذات کو بہت نقصان پہنچایا تاہم میں ثابت قدمی سے استقلال نکالتا رہا۔ لیکن ۷ا اگست ۱۹۵۰ء کو مجھے نامعلوم وجوہات کی بنا پر نظر بند کر دیا گیا۔ اور اپریل ۱۹۵۱ء میں نظر بندی سے نجات ملی۔ اس وقت بلوچستان کے اے جی جی امین الدین (مرحوم) اور نواب زادہ محمد اسلم (مرحوم) نے ہمدردانہ

پرخلوص مشورے دیے مگر اپنے الھڑ پن اور بے فکر جوان ہونے کی وجہ سے مجھ پر اثر نہ پڑا۔ مگر بہت دن بعد شادی اور پھر بچے ہوئے تو حقائق زندگی ٹھوس صورت میں سامنے آئے اور آج میں ان کے پرخلوص مشوروں کا مرہون منت ہوں۔

صحافی کی حیثیت سے میں بہت پاپڑ بیلے۔ "امروز" (کراچی) پی پی اے، اے پی پی اور نوائے وقت کے لیے عرصہ تک کام کیا۔ "استقلال" کے بعد "پیغام" اور "پیغام جدید" نکالا۔ پھر تنظیم میں کام کرتا رہا۔ نواب بگٹی کے اخبار "صداقت" کی تین سال تک ادارت کی۔ اس علاقے میں اخبار کی ادارت کے معنی بہت کچھ ہیں۔ اخبار کے لیے مواد فراہم کرنا، کتابت اور طباعت کے لیے در بدر کی ٹھوکریں کھانا۔ اخبار کی فولڈنگ، پتے اور ٹکٹ چسپاں کرنا۔ پھر ڈاکخانے لے جانا، یہ تمام مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ اس قسم کی اخبار نویسی انھیں راس نہیں آتی۔

ریڈیو پاکستان کوئٹہ ۱۹۵۶ء میں قائم ہوا۔ اور اسی سال میں مترجم کی حیثیت سے تین روپے روزانہ پر کام شروع کیا۔ پھر دو سو روپے ماہانہ سٹاف آرٹسٹ مقرر ہوا۔ ریڈیو میں بھی ہی کے ڈگر پر کام ہوتا ہے مگر اس میں میڈیم زیادہ موثر اور زیادہ لوگوں تک رسائی کرنے والا ہوتا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں پروگرام پروڈیوسر بنا اور ۱۹۶۳ء میں پروگرام آرگنائزر۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے موجودہ فرائض کے لیے مجھے پوری طرح تیار کرنے میں سابقہ لغزشوں اور تربیت کا بڑا ہاتھ ہے۔

صمد درانی صاحب ۲۹ جون ۱۹۶۵ء کولمبو پلان کے تحت کینیڈا گئے اور چار ماہ کی تربیت کے بعد واپس آئے۔ یہاں کے اہم ترین صحافی اور ذہین نوجوان پہلے ہی تھے، کینیڈا جانے سے ان کی قابلیت میں اور نکھار پیدا ہو گیا ہے جیسے سونے پر سہاگہ۔

جناب خلیل الرحمان صدیقی

خلیل الرحمان صدیقی ولد عبدالرحمان صدیقی امروہہ یوپی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں پائی۔ پھر تھامس انجینئرنگ کالج رڑکی میں تیسرے سال میں تھے کہ کالج چھوڑ دیا، اور کاروبار کے سلسلے میں جنگ عظیم سے پہلے کوئٹہ آ گئے اور وکٹوریہ پریس سے منسلک ہو گئے اور جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو انگریزوں نے جنگ کے حالات اور پروپیگنڈا کے لیے روزنامہ "راست گو" کے نام سے جاری کیا۔ وہ ٹائپ میں چھپتا تھا۔ خلیل صاحب اس سے منسلک ہو گئے (باقی حال راست گو کے تحت درج کیا جا چکا ہے)۔ بعدازاں خلیل صاحب "بلوچستان ہیرلڈ" کے لیے کام کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ مختلف تقریبات کی ٹی پارٹیوں، ڈنر، لنچ کے ٹھیکے بھی لیا کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں آپ کی کوشش سے ایک ادبی ماہنامہ "نوشیروان" جاری ہوا، جو زلزلہ ۱۹۵۳ء تک جاری رہا، پھر البرٹ پریس سے منسلک رہے اور " کوئٹہ ٹائمز" کے جنرل منیجر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آپ نے اپنے زیرِ انتظام ۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء میں کو روزنامہ "اتحاد" جاری کیا جس کے ایڈیٹر کمال الدین احمد اور اسسٹنٹ ایڈیٹر مرحوم غلام محمد شاہوانی تھے۔ یہ پرچہ تیرہ چودہ ماہ تک جاری رہا اور مذکورہ دونوں ایڈیٹروں کے مستعفی ہونے پر اسے ہفتہ وار کر دیا گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد سہ روزہ اور پھر چند دن روزنامہ ہوا اور پھر ہفتہ وار ہو کر بند ہو گیا۔ خلیل صاحب کا ایک ریسٹورنٹ کیفٹیریا کے نام سے جناح روڈ پر تھا جہاں بڑی ادبی اور صحافیانہ مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔ خلیل صاحب بڑے میاں کے نام سے مشہور بہت ملنسار، خوش مذاق، مرنجاں مرنج بزرگ تھے اور وادی بولان کی صحافت میں انھوں نے ابتدا سے آخر تک بڑی اہم خدمات انجام دیں۔

تیسواں باب

محکمہ اطلاعات کوئٹہ وقلات ریجن

وادی بولان میں محکمہ اطلاعات کی تاریخ بھی دلچسپ ہے۔ اس محکمے کو ڈائریکٹوریٹ آف انفارمیشن تک پہنچنے میں کئی مرحلوں سے گذرنا پڑا ہے۔ ۱۹۳۵ء کے زلزلے کے بعد کوئٹہ از سر نو آباد ہونے لگا۔ شہر اور سرکاری دفاتر کی عمارت کچھ عارضی اور کچھ مستقل کھڑی ہونے لگیں اور تین سال تک تعمیر جدید کا کام ہوتا رہا۔ ابھی شہر مکمل طور پر آباد نہ ہو سکا تھا کہ دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء میں شروع ہوگئی۔ انگریز اس جنگ میں شامل تھے۔ برطانیہ کے دور دراز مقبوضہ علاقوں میں آباد عوام کو ایک ذہنی طور پر اپنا حامی رکھنے کے لیے انگریزوں کے لیے ایک یہی چارہ کار تھا کہ وہ اپنے مقبوضہ علاقوں میں جنگ کی پبلسٹی جس قدر زیادہ ہو سکے، کریں اور اس پبلسٹی سے کئی فائدے حاصل ہوں۔ پہلا تو یہ کہ عوام کو ذہنی طور پر اپنا حامی بنائے رکھیں تاکہ ان کے مقبوضات میں گڑ بڑ پیدا نہ ہو اور امن رہے۔ دوسرے ان علاقوں کی فوجیں محاذوں پر بھیجی جاسکیں، تیسرا یہ کہ ان ملکوں کی پیداوار سے جنگی محاذوں پر کوئی کمی نہ ہو اور چوتھے یہ کہ عوام سے جنگ کے لیے چندے، عطیے اور قرضے حاصل کیے جاسکیں اور فوج میں بھرتی کے لیے ان ملکوں سے جو انھیں بغیر کسی مزاحمت کے مل سکیں۔

انگریز یہ جانتے تھے کہ برطانیہ ہزاروں میل دوران مقبوضات "جن پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا" کے عوام صدیوں کی غلامی، جبر وتشدد، ظلم، لوٹ کھسوٹ سے دبے اور پسے ہوئے ہیں اور وہ آزادی کے لیے بے چین ہیں۔ انگریز یہ جانتے تھے کہ ان

مقبوضات میں عوام اندرونی طوران کے حامی اور خیر خواہ نہیں ہیں ۔ دراصل لوگ ہٹلر، موسولینی اور جاپان کی پیش قدمی پر اس لیے خوش ہوتے ہیں کہ اتحادیوں کی شکست ہو گی تو کم از کم انگریزوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔

ایسی صورت میں جرمنی، اٹلی اور جاپان کی پیش قدمی اور فتح کی خبریں انگریزی مقبوضہ علاقوں کے عوام کے لیے بڑی خوش کن اور خوش آئند تھیں، اور لوگ ان اخباروں کو زیادہ پسند بھی کرتے تھے جن میں جرمن، اٹلی اور جاپان کی فتوحات اور پیش قدمیوں کی خبریں زیادہ تفصیل سے ہوتی تھیں اور لوگ ان ملکوں کے ریڈیو زیادہ سننے کی ضرور کوشش کرتے تھے۔ اور تو اور ان دنوں جاپان کی دوشیزاؤں کی قد آدم خوبصورت رنگین تصاوری شروع شروع میں انڈیا میں آئیں تو کوئی ایسا شہر نہیں بچا جہاں دوکانوں اور گھروں میں یہ تصویریں نہ پہنچتی ہوں ۔ چنانچہ کوئٹہ، سبی، مستونگ، قلات کے شہروں میں بھی یہ تصویریں آئیں اور آج ۱۹۶۵ء کے آخر تک کوئٹہ کے کئی ریسٹورنٹ اور دکانوں میں یہ تصویریں شیشوں کے فریم میں زینت دیوار بنی ہوئی ہیں۔

وار پبلسٹی آرگنائزیشن آفس

ان حالات میں اور علاقوں کی طرح وادی بولان کے عوام کو بھی بہلانے، بہکانے اور اندھیرے میں رکھنے اور جرمنی، اٹلی اور جاپان کے پروپیگنڈے کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے انتظامات کیے گئے، چنانچہ ۱۹۳۹ء میں بلوچستان میں ایک دفتر قائم کیا گیا اور کا نام وار پبلسٹی آرگنائزیشن آفس رکھا گیا۔ اس کا عملہ ایک پبلسٹی آفیسر اور ایک موبائیل سینما وین کے چند کارکنوں پر مشتمل تھا۔ اس کا کام لوگوں میں اس قسم کا لٹریچر تقسیم کرنا تھا جس میں انگریزوں اور انگریز فوجوں کی بہادری، جیب، تدبر، دانائی، فتح اور

کامیابیاں ظاہر ہوں۔ سینما وین (جو ۱۹۶۴ء میں کنڈم قرار دی گئی) جنگی دستاویزی فلمیں اور سلائڈز دکھاتی تھی۔ ان فلموں میں کچھ جنگ کے مناظر ہوتے تھے باقی حالات حقیقت سے کوسوں دور محض پروپیگنڈا ہوکرتے تھے۔ اس دفتر کے سب سے پہلے خان بہادر شیر زمان خان پبلسٹی آفیسر مقرر ہوئے۔ ان کے میاں نصیر الدین احمد ۱۹۶۴ء میں اس آسامی پر تعین ہوئے اور دسمبر ۱۹۴۸ء تک رہے۔

دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تو اس دفتر کو انگریزوں نے قائم رکھا اور جنگ کے پروپیگنڈے کی بجائے اس دفتر کا کام انگریزی حکومت کے جنگوں کے بعد کاموں کی پبلسٹی کرنا تھا۔

پاکستان قائم ہوا تو یہ دفتر بھی موجود رہا اور اب اس کا کام حکومت پاکستان کے ترقیاتی کاموں می پبلسٹی تھا۔ مسٹر رئیس الدین احمد کے بعد مسٹر سلطان مہمد نیازی ۱۵ اگست ۱۹۴۹ء میں پبلسٹی آفیسر مقرر ہوئے اور دسمبر ۱۹۵۴ء تک رہے۔ ان کے زمانے میں "اخبار بلوچستان" جاری ہوا جن کے ایڈیٹر مسٹر اقبال سلمان تھے جو آج کل محکمہ اطلاعات کے آرٹیکل رائیٹر اور ٹرانسلیٹر ہیں۔ ان کے بعد کیپٹن سلطان علی ایک ماہ کے لیے دسمبر ۱۹۶۴ء میں آئے اور پھر کچھ دن کے لیے میجر افضل پبلسٹی آفیسر مقرر ہوئے۔

انفارمیشن آفس

ون یونٹ کے بعد اس دفتر کا نام انفارمیشن آفس رکھا گیا اور اس کے انچارج کو انفارمیشن آفیسر کہنے لگے اور اس کے سپرد قومی پبلسٹی کا کام ہوا۔ دسمبر ۱۹۵۵ء میں حفیظ جاوید انفارمیشن آفیسر مقرر ہوئے اور ان کے تھوڑ دن بعد ۱۹۵۶ء میں سید اختر شاہ آئے۔ بڑے دھڑلے کے انفارمیشن آفیسر تھے۔ نڈر اور بے باک بھی۔ وہ مئی ۱۹۵۸ء تک یہاں رہے۔

ان کے بعد مئی ۱۹۵۸ء میں امیر عثمان انفارمیشن آفیسر مقرر ہو کر آئے اور یہاں بہت مقبول رہے۔ صحافیوں سے تعارفی ملاقات میں انھوں نے کہا تھا کہ "میں کوئی کوتوال بن کر نہیں آیا، آپ کا دوست ہوں" اور جب وہ گئے تو دوست کی حیثیت سے گئے۔ مسٹر امیر عثمان ایک سال تقریباً انفارمیشن آفیسر رہے۔

اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن

۱۶ فروری ۱۹۵۹ء میں سید حسنات احمد یہاں اور بحیثیت اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کے اور تین جولائی ۱۹۵۹ء کو یہاں کے ایک پبلک ریلیشنز آفیسر مسٹر حبیب الرحمان بھی تعین ہوئے۔ اور بارہ اپریل ۱۹۶۰ء تک وہ اس عہدے پر رہے۔ ان کے بعد کسی افسر تعلقات عامہ کا یہاں تعین نہیں ہوا۔

سید حسنات احمد نے ایک ماہوار رسالہ "خبرونہ" کے نام سے سائیکلوسٹائل کر کے شائع کیا۔ مگر اس کا دوسرا پرچہ شائع نہیں ہوا۔

سید حسنات احمد سے سات مئی ۱۹۶۰ء کو مسٹر امیر عثمان نے بحیثیت اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ، قلات ریجن کے چارج لیا۔ اور تقریباً ایک سال تک رہے۔ ان کا یہ دور بھی نہایت شاندار رہا۔

مسٹر امیر عثمان نے نو جون ۱۹۶۱ء کو مسٹر علی مظہر رضور، جو قلات میں انفارمیشن آفیسر تھے۔ بحیثیت اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ قلات ریجن تعین ہوئے۔ صحافیوں کے دوست اور صحافیوں کے حقوق اور احترام کے لیے لڑنے مرنے پر تیار ہو جایا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ صحافیوں کے حقوق کے لے سینہ سپر رہتے تھے۔ وہ تھے بھی ہر دلعزیز۔ وہ تقریباً ایک سال رہے اور پھر ان کا تبادلہ لاہور ہو گیا۔

ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ قلات ریجن

مئی ۱۹۶۲ء میں محکمہ اطلاعات کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کے عہدہ کو بڑھا کر ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ قلات ریجن کر دیا گیا۔اس عہدے پر ۳۱ مئی ۱۹۶۲ء کو سید بشیر حسین شاہ تعین ہوئے۔ان کے زمانے میں صحافیوں میں خوب دھڑے بندی رہی۔ اور صحافیوں کی نا اتفاقی کو دور نہیں کیا جا سکا۔اس کی وجہ یہ تھی کے سید بشیر حسین شاہ نے کچھ صحافیوں کو اپنے بہت قریب رکھا اور کچھ کو دور۔اور کچھ کے ساتھ تو ایسا سلوک رکھا کہ جیسے ان کی کوئی وقعت ہی نہ تھی۔یعنی صحافیوں سے سلوک میں امتیاز برتا جاتا تھا۔دراصل یہ مدح گوئی کا دور تھا۔اور تو اور اخبار نویسوں کے اپنے معاملات میں شاہ صاحب کے ذریعے مداخلت ہوتی رہی۔یہاں تک کے پریس کلب کے انتخابات جو ہمیشہ آزادانہ فضا میں ہوا کرتے تھے ان میں دخل دیا گیا۔اور پریس سیکرٹری اس وقت کے کمشنر کے نامزد بھائی منتخب کیے گئے۔اس زمانے میں ڈائریکٹر انفارمیشن کے مدنظر کسی صحافی کی اہلیت، تجربہ اور ذہانت کی بجائے اونچی نیچی ذات ہوا کرتی تھی۔

اس زمانے میں کوئٹہ میں یونین آف ورکنگ جرنلسٹ نے "قومی ترقی میں صحافت کا کردار" کے نام سے ایک شاندار سیمینار منعقد کیا۔اس سیمینار کی صدارت مسٹر زیڈ اے سلہری نے کی تھی۔اس سیمینار کے کنوینر مسٹر غلام طاہر نمائندہ پاکستان ٹائمز اور ان کے معاون مسٹر شمس الحق خان نمائندہ "ڈان" اور کمال الدین احمد نمائندہ جنگ تھے۔ اس مجلس مذاکرہ میں جن اصحاب نے تقریریں کیں اور جو موضوعات تھے ان سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے جو اس مجلس مذاکرہ کی تھی۔افتتاحی تقریر مسٹر انور عادل سی ایس پی کمشنر کوئٹہ ڈویژن کی تھی:۔

۱۔سب سے پہلے مسٹر کمال الدین نے کوئٹہ اور قلات کی تاریخ پیش کی۔

۲۔مسٹر شمس الحق نے حقوق اور ذمہ داریاں کے عنوان سے تقریر کی۔

۳۔ڈاکٹر ای ایچ سعید تمغہ قائداعظم، صحافت اور قومی سمت۔

۴۔مس کنیز فاطمہ یوسف پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ برائے خواتین۔ پاکستان میں صحافت

۵۔مسٹر سید احمد خان ڈی آئی جی پولیس کوئٹہ قلات ریجن۔عوام کی تربیت کے لیے صحافت کا کردار

۶۔پروفیسر کرار حسین پرنسپل گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔میرے نظریات صحافت کے متعلق

۷۔مسز ڈاکٹر ثروت حسینی سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور۔ صحافت میں تجربات

۸۔مسٹر معظم علی نمائندہ پی پی اے۔صحافت میں حقوق

۹۔مسٹر جی، ایم بٹ۔سٹاف رپورٹر و فوٹو گرافر انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ فوٹو جرنلزم

۱۰۔چوہدری عبدالحق۔پی ڈی ایس پی۔اخبار بینی اور ذہنوں پر اس کے تاثرات

۱۱۔ڈاکٹر اے ایم جعفر۔ایم آر سی پی (ایڈ) سی ایچ (لندن)، پریس اور عوام

۱۲۔مسٹر کے جے علی۔ریجنل ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان۔قومی ترقی میں صحافت کا کردار

۱۳۔مسٹر صالح محمد خان۔ممبر شاہی جرگہ۔سابق نائب وزیر صوبائی، پریس اور اس کا جمہوری سوسائٹی میں کردار

۱۴۔میر اسحاق۔سوشل ورکر۔اسلام اور صحافت

اس زمانے میں قیام وحدت کے بعد پہلی بار کوئٹہ کے ایک صحافی (کمال الدین) کو صحافیانہ احسن کارکردگی کے سلسلے میں سبی کے ڈویژنل جرگہ میں گورنر مغربی پاکستان نے شیلڈ دی۔

سید بشیر حسین شاہ کا تبادلہ فروری ۱۹۶۴ء میں پشاور ہوا اور ان کے جگہ مسٹر علی احمد بروہی کراچی سے تشریف لائے اور انھوں نے ۲۱ فروری ۱۹۶۴ء کو چارج لیا۔ ان کے آتے ہی یہاں کی صحافت ک فضا بدل گئی۔ انھوں نے صحافیوں کے ساتھ سلوک میں امتیاز روا نہیں رکھا اور آپس کی دھڑے بندی، نفاق کو ختم کرنے کی تلقین کی۔ مسٹر بروہی یہاں کے صحافیوں کی آزادی اور پارٹی پالیٹکس میں نہیں الجھتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں اس علاقے میں حکومت کے ترقیاتی کاموں کی جس قدر پبلسٹی ہوتی ہے کسی اور زمانے میں نہیں ہوئی۔

علی احمد خان بروہی

ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ قلات ریجن

مسٹر علی احمد خان بروہی، سندھ کے مشہور خاندان بروہی کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے بڑے بھائی پاکستان کے مانے ہوئے وکیل ہیں۔ جن کا نام اے کے بروہی ہے۔ وہ پاکستان کے وزیر اور ہندوستان میں پاکستان کے ہائی کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔ مسٹر علی احمد خان بروہی سرکاری ملازمت اختیار کرنے سے پہلے سندھ کے مشہور صحافی بھی رہ چکے ہیں۔

مسٹر علی احمد خان بروہی کمبر، گڑھی یٰسین میں ۱۱ نومبر ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد نیوی میں ملازم ہوگئے اور بمبئی کی بغاوت ان کے زمانے میں ہوئی۔ بغاوت کے سرگرم لیڈر رہتے۔ بعدازاں صحافت میں قدم رکھا۔ اور سکھر سے ایک ہفتہ وار جاری کیا جس کا نام "منشور" تھا۔

دس جون ۱۹۵۴ء میں بحیثیت اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر خیر پور ریاست میں متعین ہوئے۔ قیام وحدت کے بعد آپ کو خیر پور میں انفارمیشن آفیسر مقرر کیا گیا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۵۷ء میں ترقی دے کر اسسٹنٹ ڈائریکٹر حیدرآباد مقرر کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں آپ کا تبادلہ کراچی میں ہوا بحیثیت اسسٹنٹ ڈائریکٹر۔ بعدازاں پبلک سروس کمیشن نے آپ کو ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے کے لیے منتخب کیا۔ اور آپ کو ۴ مئی ۱۹۵۹ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر لاہور میں تعین کیا گیا۔ آپ نے وہاں دو سال مختلف شعبوں مثلاً سمعی بصری تعلیم، فیلڈ پالیسی اور سیاحت کے ڈپٹی ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دیے۔ اپنی خوش اخلاقی، بلند کرداری اور اپنے بہترین تعلقات کی وجہ سے بہت مقبول ہوئے۔ سیاحت کو فروغ دینے میں نمایاں کام انجام دیا۔ اس کے بعد مسٹر بروہی چار مئی ۱۹۶۱ء کو بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز کراچی مقرر ہوئے اور کراچی ہی میں ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء کو ڈائریکٹر انفارمیشن بنائے گئے۔ آپ نے وہاں بڑی تندہی، حسنِ سلوک اور محنت سے کام کیا اور اپنی خوش اخلاقی و خوش گفتاری کی وجہ سے صحافی حلقوں میں بہت مقبول ہوئے۔ ۴ مارچ ۱۹۶۳ء کو آپ بطور او ایس ڈی چار ماہ کے لیے نیپا کا کورس کرنے گئے اور کامیابی سے کورس مکمل کرنے بعد دوبارہ کراچی میں ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ قلات ریجن مقرر ہو کر آئے۔ آپ نے یہاں تھوڑے ہی عرصے میں اپنی پرکشش شخصیت کی وجہ سے سرکاری، نجی اور صحافتی حلقوں میں مقبولیت حاصل کر لی۔ آپ خوش مزاج، طنز و مزاح

طراز، دوست اور ذہین آفیسر ہیں اور صحافیوں کی یک جہتی اور اتحاد کے زبردست حامی اور ان کے خیر خواہ ہیں۔ صحافیوں کی مشکلات دور کرنے کے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ صحافت کی تاریخ میں ان کا دور سنہری دور ہے۔ ان کے مشفقانہ مشورے صحافی اور صحافت کا وقار کو بلند کرنے کے متعلق ہوتے ہیں۔ وہ صحافیوں میں بے حد مقبول ہیں اور ہر صحافی ان کا دل سے احترام کرتا ہے۔ ان کے دفتر کے دروازے پر چھوٹی سی تختی لگی ہوئی جس پر لکھا ہے " تشریف لائیے"۔

مسٹر بروہی نہ صرف صحافیوں میں مقبول ہیں بلکہ اپنے عملے کا بھی بہت خیال رکھتے ہیں اور خوش رکھتے ہیں۔ ان کے کسی ماتحت کو کبھی شکایت کرتے نہیں دیکھا گیا۔ علاقائی محکمہ اطلاعات مسٹر بروہی کی سرکردگی میں مندرجہ ذیل فرائض کی بجا آوری میں مصروف ہے۔ (۱) ہینڈ آؤٹ، محکمہ اطلاعات سرکاری تقریبات اور ترقیاتی کاموں کے ڈویژن بھر کے متعلق ہینڈ آؤٹ جاری کرتا ہے اور قومی اور مقامی اخبارات کو سرکاری کے فوٹو مہیا کرتا ہے (۲) اہم قومی تیوہاروں اور تقریبات پر قومی اخبارات کے لیے معلوماتی مضامین فراہم کرتا ہے (۳) مقامی اور قومی اخبارات میں شائع شدہ خبروں اور مضامین کے تراشے متعلقہ افسران اور محکموں کو بھجواتا ہے (۴) مشہور شخصیتوں کے آنے جانے پر مقامی ایڈیٹروں اور قومی اخبارات کے نمائندوں کی ان سے ملاقات، انٹرویو اور پریس کانفرنسوں کا اہتمام کرتا ہے (۵) مقامی اور قومی اخبارات کو مختلف سرکاری محکموں کے اشتہارات بھجواتا ہے اور ان کے بلوں کی ادائیگی کا بندوبست کرتا ہے۔ اس محکمے کا مقامی اخبار نویسوں اور قومی اخبارات کے نمائندوں سے گہرا تعلق ہے۔

سید افتخار نبی جعفری

انفارمیشن آفیسر کوئٹہ

سید افتخار نبی جعفر ۱۲ جولائی ۱۹۲۷ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بی اے سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۴۸ء میں کیا اور ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء میں کراچی میں اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر تعین ہوئے۔ دس سال کراچی میں کام کرنے کے بعد ۱۹۵۷ء میں انفارمیشن آفیسر قلات مقرر ہوئے اور وہاں چھ ماہ کا کیا۔ اس کے بعد سال انفارمیشن آفیسر خیر پور مقرر ہوئے۔ نومبر ۱۹۵۶ء میں دوبارہ کراچی تبدیل ہوئے۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں حیدر آباد تعین کیے گئے۔ تقریباً ساڑھے تین سال وہاں کام کرتے رہے۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں بحثیت انفارمیشن آفیسر کوئٹہ مقرر ہوئے۔ مسٹر جعفری بہت ملن سار مستعد اور اپنے کام میں ماہر ہیں۔ ہینڈ آؤٹ، اکاؤنٹس اشتہارات کے کام ان کے ذمے ہیں جنھیں بہت خوش اسلوبی سے وہ انجام دیتے ہیں۔ انفارمیشن آفیسر کے خاص فرائض۔ وی آئی پی کے دورے وغیرہ سرکاری محکموں کے ترقیاتی کام کی نشر واشاعت ان کے ذمے ہے۔ ہینڈ آؤٹ، پریس نوٹ، آرٹیکل، فوٹو وغیرہ اخبارات کو مستعدی اور خوش اسلوبی سے فراہم کرتے ہیں۔

جی ایم بٹ

فوٹوگرافرانفارمیشن

مسٹر جی ایم بٹ ۲۵ اگست ۱۹۳۰ء کو سری نگر خواجہ یاربل میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۴۶ء میں پاس کیا۔ امتحان کے بعد پاکستان آئے اور لاہور میں اقامت اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد کوئٹہ آئے اور ای یم ای ٹریننگ سنٹر کوئٹہ میں اسسٹنٹ کورس کنٹرول آفیسر تعین ہوئے۔ ان کی ملاقات قاضی عیسیٰ خان سے ہوئی۔ انھوں نے کہا تم اچھے فوٹوگرافر ہو محکمہ پبلسٹی میں آ جاؤ۔ چنانچہ ۱۷ اپریل ۱۹۴۹ء کو ای ایم ای سے مستعفی ہو گئے۔ اور ۱۳ استمبر ۱۹۴۹ء کو بلوچستان پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ میں فوٹوگرافر کی حیثیت سے تعین ہوئے۔ اور وہاں باقاعدہ فوٹو سیکشن قائم کیا۔ کیونکہ ستمبر میں میاں امین الدین (مرحوم) اے جی جی بلوچستان نے اس محکمے کی تنظیم نو کی تھی۔ فوٹو سیکشن کے انچارج مسٹر بٹ مقرر ہوئے جو ۱۹۵۴ء میں مستقل کر دیے گئے۔ ۱۹۵۴ء میں ان کے ماتحت ایک اسسٹنٹ فوٹوگرافر تعین کیا گیا مگر اسے ۱۹۵۹ء میں سبکدوش کر دیا گیا اور اس کی جگہ مسٹر شجاع احمد زیدی کو اسسٹنٹ فوٹوگرافر تعین ہوئے۔ اس سیکشن یہاں بہت سے کلچر سیاست، سوشیل اور ترقیاتی منصوبوں اور سرگرمیوں سے اس علاقے کو فوٹو کے ذریعے باقی پاکستان سے روشناس کرایا اور اب بھی یہ سیکشن اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ مسٹر بٹ بہت ملنسار، خوش مذاق ہیں اور صحافیوں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت فراخدلانہ ہے۔ آرٹ کونسل کے سرگرم کارکن ہیں۔

شجاع زیدی

اسسٹنٹ فوٹو گرافر

سید شجاع احمد زیدی ولد سید فضا احمد زیدی دسمبر ۱۹۴۱ء میں بمقام سہنوڑ ضلع بکھنور میں پیدا ہوئے۔ نومبر ۱۹۵۰ء میں کوئٹہ آئے، مڈل تک تعلیم سنڈیمن ہائی اسکول میں پائی، نویں جماعت اسپیشل ہائی اسکول کوئٹہ سے پاس کی اور میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ فوٹو گرافی کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اس لیے شارع لیاقت پر فوٹو سنٹر کے نام سے ایک سٹوڈیو کھولا جو ۱۹۵۹ء تک رہا۔ پھر بوجہ مجبوری اسے بند کر دیا اور جنوری ۱۹۵۹ء میں محکمہ اطلاعات کوئٹہ میں بطور اسسٹنٹ فوٹو گرافر تعین ہوئے اور ابھی تک وہیں ہیں۔ اس محکمے میں رہ کر پورے بلوچستان کا دورہ کر چکے ہیں اور بلوچستان کی بہت سے لائف تصاویر کھینچی ہیں جو کئی قومی روزناموں میں ان کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ پریس فوٹو گرافی کا انھیں کافی تجربہ ہے۔

اکتیسواں باب

دفتر اطلاعات قلات

سابقہ ریاستی بلوچستان (موجودہ قلات ڈویژن) میں انگریزی دور میں کوئی دفتر اطلاعات نہیں تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہاں اس دفتر کی ضرورت ہی نہ رہی ہو۔ دوسرے اس دور میں قلات ڈویژن میں ایک بھی اخبار شائع نہیں ہوتا تھا۔ زلزلے کے بعد دوسری جنگ عظیم کے دوران بھی وہاں کوئی ایسا دفتر قائم نہیں ہوا، اور قیام پاکستان کے بعد بھی دس سال تک وہاں ایسے دفتر کا قیام عمل میں نہیں لایا گیا۔ آخر کار اس ڈویژن میں سب سے پہلے ایک دفتر اطلاعات قائم ہوا۔

مسٹر ایس آئی این جعفری

دسمبر ۱۹۵۷ء میں قلات کے افسر اطلاعات مسٹر ایس آئی این جعفری مقرر ہوئے جو آج کل کوئٹہ ڈویژن کے افسر اطلاعات ہیں۔ مسٹر جعفری نے تھوڑے ہی عرصے میں دفتر کی باقاعدہ تنظیم کی اور ابھی وہ پوری طرح اس دفتر کی تنظیم مکمل نہ کر پائے تھے کہ ان کا تبادلہ ہو گیا۔ ان کا باقی حال انفارمیشن آفیسر کوئٹہ کے عنوان کے تحت پہلے آ چکا ہے۔

ایم اے منگی

فروری ۱۹۵۸ء میں مسٹر ایم اے منگی افسر اطلاعات قلات مقرر ہو کر آئے۔ وہ بھی یہاں زیادہ عرصہ نہیں رہے اور جون ۱۹۵۹ء میں چلے گئے۔

علی مظہر رضوی

جولائی ۱۹۵۹ءمیدں مسٹر علی مظہر رضوی انفارمیشن آفیسر قلات مقرر ہو کر آئے۔ مسٹر علی مظہر رضوی ایک نڈر اور صحافیوں کے ہمدرد انفارمیشن آفیسر تھے۔ یہاں کے صحافی انھیں بہت پسند کرتے تھے۔ وہ صحافیوں کے مفاد کی حفاظت اپنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ بعد میں ترقی پا کر کوئٹہ میں ۱۹۶۱ء میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور لاہور چلے گئے۔

عمر عامر

مسٹر علی مظہر رضوی کوئٹہ آئے تو ان کی جگہ جون ۱۹۶۱ء میں مسٹر عمر عامر نے انفارمیشن آفیسر قلات کے عہدے کا چارج سنبھالا۔ عمر عامر ضلع پشاور میں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے اور کلکتہ مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر بی اے کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے لی۔ ۱۹۴۵ء میں مسٹر عامر کلکتہ کے روزنامے "عصر جدید" میں بحثییت نیوز ایڈیٹر انچارج نائٹ شفٹ تعین ہوئے۔ اور بحثییت ایسوی ایٹ ایڈیٹر "روزنامہ الحق "(شام کا پرچہ) کلکتہ میں کام کرتے رہے۔ مسٹر عمر عامر ۱۹۴۹ء میں پاکستان آئے اور پشاور کے روزنامہ "شہباز" کے ادارے میں بطور نیوز ایڈیٹر شامل ہوئے اور اس کے ساتھ ہفتہ وار "تنویر" پشاور کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ان کے علاوہ ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۲ء تک کئی اخباروں کے کارسپانڈنٹ بھی رہے مئی ۱۹۵۲ء مسٹر عمر عامر صوبہ سرحد کے محکمہ اطلاعات میں بطور جرنلسٹ منتخب کر لیے گئے اور قیام وحدت پر انھیں اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر پشاور مقرر کیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں وہ ترقی پا کر انفارمیشن آفیسر قلات مقرر ہوئے۔

ہنس مکھ، ذہین عمر عامر ایک اچھے مصنف بھی ہیں۔ انھوں نے اب تک کئی

کتابیں لکھیں ہیں جن میں "یہ بھی گوارا ہے" (ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ) آب رواں کی سرزمین (مشرقی پاکستان کی سوشیل زندگی) شامل ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ جس کا نام "ایک ملکہ ایک محبوبہ" ہے۔

دراصل عمر عامر نے یہ ثابت کر دیا کہ ایک اچھا جرنلسٹ ایک اچھا مصنف بھی ہوتا ہے، اور ایک تجربہ کار جرنلسٹ ایک اچھا انفارمیشن آفیسر بھی۔ عمر عامر ایک وجیح، صحت مند، سرخ وسفید نوجوان ہیں۔ چونکہ وہ خود بھی جرنلسٹ رہ چکے ہیں۔ وہ جرنلسٹوں کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ عمر عامر دوست گر اور ملنسار ہیں اور جب کوئٹہ آتے تو پریس کلب میں رت جگا ہوا کرتا تھا۔ ان کا تبادلہ پشاور ہوگیا اور ان کی جگہ سید عشرت حسین نے جولائی ۱۹۶۵ء کو چارج لیا۔

سید عشرت حسین

سید عشرت حسین انفارمیشن آفیسر قلات ۵ مئی ۱۹۳۵ء سنڈیلہ ضلع ہردوئی۔ یوپی (انڈیا) میں پیدا ہوئے مگر ان کا اصل وطن کوہہ سادات ضلع جالندھر ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ۱۹۴۰ء میں ظہور وارڈ علی گڑھ داخل کیے گئے اور چھ سال تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہائی اسکول سنڈ سرکل میں پڑھتے رہے۔ عشرت صاحب موجودہ پیر پگاڑو شاہ مردان شاہ دوم کو اپنے کلاس فیلو بتاتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ انگلش ہاؤس میں بحیثیت بورڈر کے رہے۔ ۱۹۴۲ء میں جب سنٹو سرکل ینگ ڈبیٹنگ لیگ کے تحت پہلی مرتبہ پاکستان کے موضوع پر بحث ہوئی تو قائداعظم موجود تھے اور اس مباحثے میں عشرت صاحب نے پہلا انعام حاصل کیا تھا۔ امیر الدولہ انٹر کالج لکھنو ہائی اسکول اور انٹر مینجمنٹ کا امتحان پاس کیا اور لکھنو یونیورسٹی سے بی اے آنرز پاس کیا۔ اسی زمانے میں ہندوستان کے

اخبار "پانیئر" میں بطور کارسپانڈنٹ کام شروع کیا۔ اور اخبار "سٹیٹسمین" کے لیے لکھنو میں نمائندہ تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا۔ اور ۱۹۵۷ء میں محکمہ اطلاعات میں انفارمیشن آفیسر مقرر ہوئے۔ مارشل لا نافذ ہونے کے بعد جنرل اعظم خان کا پبلک ریلیشنز آفیسر اور جب وہ بحالیات کے وزیر بنے تو ان کے ساتھ اسی عہدے پر رہے۔ نوکری سے پہلے ایک سال تک انھیں حسین شہید سہروردی کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ جولائی ۱۹۶۵ء میں بطور انفارمیشن آفیسر قلات تعین ہوئے۔ ۲۸ فروری ۱۹۶۶ء قلات سے دفتر خضدار منتقل ہوئے۔ آج بھی عشرت صاحب وہیں ہیں اور وہاں سے کئی اخبارات نکلوانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

پس منظر

قلات ڈویژن کے صدر مقام قلات کے بارے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ قلات سال میں ۱۵ مارچ سے ۱۵ نومبر تک صدر مقام رہتا ہے اور ۱۶ نومبر سے ۱۴ مارچ تک اپنے سرمائی ہیڈکوارٹر ڈھاڈر منتقل ہو جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ قلات میں شدید سردی پڑتی ہے اور درجہ حرارت عام طور پر اس موسم میں نقطہ انجماد سے دس درجے نیچے تک ہوتا ہے۔ (دسمبر ۱۹۶۴ء میں جب سردی کی لہر آئی تو درجہ حرارت نقطہ انجماد سے ۳۲ درجے یعنی منفی صفر تھا۔ توقع ہے کہ ۱۹۶۶ء میں قلات کا نیا صدر مقام خضدار جب تعمیر ہو جائے گا تو قلات کے تمام دفاتر مستقل طور پر ۱۹۶۶ء تک وہاں منتقل ہو جائیں گے اور پھر ہر سال ڈھاڈر جانے کی ضرورت نہیں ہوا کرے گی۔ کیونکہ خضدار کی آب و ہوا خوشگوار ہے اور قلات کی طرح شدید نہیں ہے۔ اور یہ تاریخی شہر قلات ڈویژن کے تقریباً وسط میں اور کوئٹہ کراچی کو ملانے والی عظیم شاہراہ پر واقع ہے۔

قلات کا انفارمیشن آفس ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ قلات ریجن کوئٹہ کے براہ راست کنٹرول میں ہے۔ یہ دفتر مقامی اور قومی اخبارات کو محکمہ اطلاعات کوئٹہ کے ذریعے اطلاعات فراہم کرتا ہے۔اور قلات ڈویژن کے متعلق مختلف قومی اخبارات کے نمائندوں (جو اکثر کوئٹہ میں مقیم ہیں) اور متعدد مقامی اخبارات کے درمیان ایک طرف رابطہ کا کام کرتا ہے۔ دوسری طرف حکومت کے ترقیاتی کاموں اور پروگراموں کے متعلق خبریں، فیچر اور مضامین بھی فراہم کرتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اب تک کسی قومی اخبار کا کوئی نمائندہ قلات میں مقرر نہیں ہوا۔اور دفتر اطلاعات قلات ہی خبروں کی اشاعت کا ذمہ دار ہے۔ یہاں یہ بات بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ذرائع رسل و رسائل کے محدود ہونے اور تعلیمی لحاظ سے علاقہ کے پسماندہ ہونے کی بنا پر قومی اخبارات کی اشاعت اس علاقے میں کم ہے اور ہر قومی اخبار کا نمائندہ جو کوئٹہ میں مقیم ہے، اس کے ذمے دونوں ڈویژنوں کی خبروں کی ترسیل کا کام ہے۔ جو وہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہتے ہیں اور جب کوئی اہم شخصیت مثلاً صدر پاکستان، گورنر مغربی پاکستان، مرکزی وصوبائی وزراء وغیرہ اس علاقے کے دورے پر آتے ہیں تو قومی اخبارات کے نمائندے ان کے ہمراہ ہوتے ہیں اور ان کے دورے کی پوری کاروائی اپنے اخبارات کو بھیجتے ہیں ہیں اور دفتر اطلاعات انھیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

قلات کا دفتر اطلاعات بیاسی ہزار مربع میل کے وسیع رقبے کی پبلسٹی کا کام انجام دیتا ہے جس میں مکران، خاران اور قلات وکچھی کے اضلاع شامل ہیں۔

دفتر اطلاعات نے کئی مفید اور پر از معلومات پمفلٹ کتابچے اور سالنامے بھی شائع کیے ہیں۔ اس کی مطبوعات حسب ذیل ہیں۔ قلات ایئر بک ۱۹۶۳ء۔ قلات ایئر بک ۱۹۶۴ء نیا افق ۱۹۶۴ اور مستونگ کے سالانہ میلے کے متعلق تفاصیل وحقائق، وغیرہ۔

بتیسواں باب

محکمہ نشر واشاعت قبائل کوئٹہ

محکمہ نشر و و اشاعت قبائل نے کوئٹہ اور قلات ڈویژن میں حکومت کے ترقیاتی کاموں اور یہاں کی ثقافت اور ادب کے فروغ کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ جہاں انقلابی حکومت نے سیاسی، معاشی، سماجی، زرعی، تعلیمی وغیرہ مفید اصلاحات نافذ کر کے ایک نئے معاشرے کی ابتدا کی ہے۔ وہاں حکومت نے ایسے شعبے، ادارے اور محکمے بھی قائم کیے ہیں جو صحیح معنوں میں بڑے اہم ہیں۔ محکمہ نشر و اشاعت قبائل کو لیجیے۔ وہ حکومت کی اصلاحات اور ترقیاتی کاموں کے لیے ایک نقیب کا کام دے رہا ہے۔ اس کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ ترقیاتی کام جو حکومت عوام کی فلاح و بہبود کے لیے انجام دے ان سے عوام الناس، خاص طور پر قبائلی عوام کو آگاہ اور باخبر رکھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، یہ محکمہ اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔

اس محکمے کا کام دیگر نشر و اشاعت و اطلاعات کے محکموں سے قدرے مختلف بھی ہے۔ اس محکمے کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کیے جائیں کہ پاکستان کے عوام میں جذبہ حب الوطنی کو مزید ابھارا جائے اور قومی یک جہتی، ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے ساتھ اس محکمے نے اس ترقی پذیر علاقے کو ادبی لحاظ سے بھی ایک نہایت باعزت مقام عطا کیا ہے۔ یہ محکمہ دیدہ زیب مطبوعات کے علاوہ سمعی و بصری پبلسٹی، بین الصوبائی خیر سگالی کے وفود مباحثے، مناظرے، مختلف قبائل کے درمیان نشانہ بازی، نیزہ بازی، مقابلے منعقد کراتا ہے۔

قیام

چونکہ اس محکمے کا اس علاقے کی صحافت سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے دیگر نشر و اشاعت کے محکموں کی طرح اس کا مختصر حال اس کتاب میں درج کیا جانا ضروری تھا۔ یہ محکمہ ۹ جون ۱۹۶۱ء میں قائم ہوا۔ اور اس کے پہلے سربراہ ڈپٹی ڈائریکٹر امیر عثمان خان تعین ہوئے۔

تصانیف

سب سے پہلے اس محکمے کے کارکردگی میں اس کی تصانیف یا مطبوعات کا ذکر آتا ہے۔

یہ محکمہ "اولس" کے نام سے پشتو اور بلوچی میں ماہوار دو رسالے شائع کرتا ہے جن کا مختصر حال اخباروں کی تاریخ میں آچکا ہے۔

اولس سالنامہ

۱۹۶۳ء میں اولس کا جو سالنامہ اس محکمے نے شائع کیا اسے اس علاقے کا تاریخی، ثقافتی اور ادبی گزیٹیر کہا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئٹہ قلات کے قبائل، ان کی تاریخ، بڑے بڑے رہنماؤں کی جدوجہد آزادی کی داستانیں، رومان، قبائل کی ترقی، ادب جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اس علاقے کی ثقافت پر اچھے لکھنے والوں نے سیر حاصل معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ سالنامہ اس علاقے کا انسائیکلوپیڈیا ہے جو اس علاقے کے متعلق تحقیقات کرنے والوں کے لیے بہت مفید رہنما ہے۔

پمفلٹ

محکمہ نشر و اشاعت قبائل نے مختلف پمفلٹ بھی شائع کیے ہیں۔ایک پمفلٹ جو بلوچی میں شائع کیا ہے۔اس میں صدر پاکستان کا منشور شائع کیا گیا ہے "مزل پہ مزل" (منزل بہ منزل) نامی پمفلٹ میں ۱۹۵۸ء سے اب تک ترقیاتی کاموں کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

پنیحہ ورونڑہ

اس محکمے نے پشتو میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا مطلب ہے "پانچ بھائی" اس کتاب میں رحمان بابا، شاہ عبداللطیف بھٹائی، علامہ دین پوری، قاضی نذر الاسلام اور علامہ اقبال کے حالاتِ زندگی کے علاوہ اسلام کے ان ناموروں نے یگانگت، بھائی چارہ، حب الوطنی کے موضوعات پر جو کچھ لکھا ہے، ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے اور یہ بتا یا گیا ہے کہ قاضی نذر الاسلام اور رحمان بابا گو پندرہ سو میل کے فاصلے پر پیدا ہوئے مگر اخوت اور بھائی چارہ کے متعلق ان کے خیالات میں کس قدر یگانگت پائی جاتی ہے۔

گشتن

گشتن کے نام ایک اور کتاب بلوچی میں محکمہ نشر و اشاعت قبائل نے شائع کی ہے۔گشتن کا مطلب فرمان یا فرمودہ ہے۔اس کتاب میں تقاریر کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جو صدر پاکستان نے مارشل لا سے ۱۹۶۵ء تک کی ہیں۔

باتصویر پوسٹر

یہ محکمہ گذشتہ سال سے ایک تصویر پوسٹر (تصویری خبرنامہ) پشتو اور بلوچی میں ماہوار شائع کرر ہا ہے۔اس تصویری خبرنامے میں وہ ترقیاتی کام جو گذشتہ ماہ ہوا ہو، پیش کیا جاتا ہے اور اس بنیادی جمہورتیوں کی یونین کونسلوں، اسکولوں، دفاتر، بازار، قہوہ خانیوں، لائبریروں، کلبوں اور اخبارات کے دفتر بھیجا جاتا ہے۔

مذہبی پوسٹر

محکمہ نشر واشاعت قبائل ایک اور پوسٹر جو عام طور پر دلفریب اور رنگین ہوتا ہے، شائع کرتا ہے۔اس میں وہ قرآنی آیات اور احادیث خوبصورت رنگوں میں درج ہوتی ہیں جو قومی یک جہتی، حب الوطنی اور مساوات کے درس کی حامل ہیں۔

قومی ترانہ

اس محکمے نے قومی ترانے کا ایک رنگین پوسٹر بھی شائع کرایا ہے جس کے پس منظر میں پاکستان کا نقشہ ہے۔قومی ترانہ پشتو ترجمے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور تمام اسکولوں اور قومی اداروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پاکستان چم شانک

یہ پاکٹ سائز کا کتابچہ بلوچی زبان میں شائع کیا گیا ہے۔اس میں پاکستان کے قیام کی مختصر تاریخ، جغرافیہ، حدود اربعہ، بڑے بڑے ترقیاتی کام، ثقافت اور قومی ترانے کے ساتھ درج ہے۔

نوے کال، نوئی ژوند، نوی کارونہ

نوے کال، نوے ژوند، نوے کارونہ (نیا سال، نیا عزم، نئے کام) کے عنوان سے ایک رنگین پوسٹر بھی اس محکمے نے شائع کیا ہے جس میں پاکستان اور مغربی پاکستان کے بجٹ کے علاوہ کوئٹہ قلات کا بجٹ بھی درج ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ ملک کے بجٹ میں اس علاقے کا کتنا حصہ ہے۔ اس کا مقصد بھی عوام کی اطلاع کے لیے اور قومی یک جہتی اور جذبہ حب الوطنی کو بیدار کرنا ہے۔

وفود

مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کو زیادہ قریب لانے اور ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے اور خیر سگالی کے لیے مغربی پاکستان کے صحافیوں کا جس میں کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے صحافی بھی شامل تھے۔ ایک وفد مشرقی پاکستان کے اس محکمے کے زیر اہتمام گیا۔ اور ایک وفد اسی مقصد کے لیے وہاں سے آیا۔ اس پروگرام کے تحت کوئٹہ اور قلات کے کالجوں کے طلبا پر مشتمل ایک وفد ۱۹۶۵ء میں مشرقی پاکستان گیا اور ایک وفد مشرقی پاکستان کے طالب علموں کا آیا۔ ۱۹۶۳ء میں کوئٹہ اور قلات کے پچاس طلبا کا وفد اس محکمے کے زیر اہتمام مغربی پاکستان کے دورے پر گیا۔ اب قبائلی ملکوں اور قبائلی طلبا کا وفد دورے پر بھیجنے کی تجویز ہے۔

مباحثے

یہ محکمہ اب تک کئی بین المدارس اور انٹر کالج مباحثے کوئٹہ، لورالائی اور سبی میں منعقد کرا چکا ہے جن کا مقصد طلبا میں یکجہتی، حب الوطنی اور ان میں خطابت کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے۔

ویک

اس محکمے کے زیر اہتمام لورائی ویک، سبی ویک کے دوران نیزہ بازی، نشانہ بازی، کشتی اور قومی کھیلوں کے مقابلے اور مسابقے ہوتے ہیں۔ ایسے مقابلے اور مسابقے قومی تیوہاروں کے موقع پر اس محکمے کے زیر اہتمام منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

مشاعرے

اس محکمے کے زیر اہتمام ۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء کو بانی پاکستان حضرت قائد اعظمؒ کے یوم ولادت پر ایک شاندار مشاعرہ منعقد ہوا۔ اور ہر سال تین اکتوبر کو علامہ عبدالعلی کی برسی یہ محکمہ مناتا ہے۔ ان کی یاد میں تقاریر ہوتی ہیں۔ اور ایک مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ اس موقع پر ضلع لورالائی، ژوب اور سبی کے پڑھے لکھے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ علامہ عبدالعلی اس علاقے کے ایک مخلص، محبّ وطن، عظیم پشتو شاعر، ادیب اور مستند حکیم تھے۔ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ اس سال ۱۹۶۵ء میں گلستان میلے کے موقع پر ایک مشاعرہ پشتو زبان میں منعقد کرایا گیا تھا۔

پبلسٹی وین

اس محکمے کی پبلسٹی وین (یعنی سفری سینما یونٹ) مہینے میں بیس دن کوئٹہ قلات کے دور دراز علاقوں میں جاتی ہے اور وہاں حکومت کے ترقیاتی کاموں کے متعلق دستاویزی فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ یہ فلمیں دیہی علاقوں میں بہت مقبول ہیں۔ اور لوگوں کا اصرار ہوتا ہے کہ سینما یونٹ زیادہ سے زیادہ عرصہ ان کے دیہات میں رہے۔ یہ یونٹ پسنی، گوادر، تربت، فورٹ سنڈیمن، شیرانی، کوہلو، کاہان، ڈیرہ بگٹی جیسے دور دراز علاقوں کے دورے کر چکی ہے۔

قبائلی زندگی کا ایک دن

اب تک یہاں کے علاقوں کے متعلق فلمیں باہر سے آتی تھیں مگر اب اس عنوان سے یہاں ایک فلم بنائی جا رہی ہے۔ یہاں کی قبائلی زندگی اور حکومت کے ترقیاتی کام جس طرح یہاں کے لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انھیں فلم میں پیش کرنے کی یہ پہلی کوشش ہے۔

کلچرل شو

اس محکمے کے زیر اہتمام جشن کوئٹہ کے دوران ہر سال کلچرل شو بھی ہوتے ہیں۔ جس میں پاکستان کے مختلف علاقوں سے فنکار مدعو کیے جاتے ہیں جو یہاں آ کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

تحقیقات اور حوالہ جات

اس محکمہ میں تحقیقات اور حوالہ جات کا شعبہ بھی ہے جس کے تحت ایک لائبریری ہے اور نیشنل اور ریجنل قبائل کے متعلق معلومات کا ذخیرہ ہے۔اس کے علاوہ اس محکمہ کے پاس ترقیاتی کاموں، ثقافتی سرگرمیوں کے بارے میں بے شمار بلاک ہیں۔اس سے تحقیقات کرنے والوں ،اخبار نویسوں ،طلبا اور پروفیسروں کو بڑی معلومات اور امداد حاصل ہوسکتی ہے۔

شعبے اور عملے

اس محکمے کے حوالہ جات اور تحقیقات کے شعبے، بلوچی شعبے، پشتو شعبے ہیں اور عملے میں ڈپٹی ڈائریکٹر،اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر،ایڈیٹر بلوچی مطبوعات،ایڈیٹر پشتو مطبوعات، کاتب، آرٹسٹ تصنیف سے متعلق سٹاف اور دفتری عملہ شامل ہے۔

اضلاعی انفارمیشن سنٹر

اس محکمے کے زیرغور یہ تجویز بھی ہے کہ ہر ضلعی مقام پر ایک انفارمیشن سنٹر قائم کیا جائے جہاں ایک چھوٹی سی لائبریری، ریڈنگ روم، کچھ قومی اور مقامی اخبارات اور ایک ریڈیوسیٹ ہوتا کہ لوگوں کو معلومات حاصل کرنے میں سہولت ہو۔فورٹ سنڈیمن میں یہ مرکز قائم کر دیا گیا ہے۔اس سال خضدار، پشین، قلعہ سیف اللہ میں ایسے مراکز قائم کرنے کی تجویز ہے۔ایسے مراکز میں شوکیسوں میں ترقیاتی اور ثقافتی سرگرمیوں کی تصاویر بھی رکھی جائیں گی اور سمعی و بصری طریقہ پر لوگوں کو ترقیات کے کاموں کے بارے میں واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔

امیر عثمان خان

ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ نشر و اشاعت قبائل

محکمہ نشر و اشاعت قبائل کوئٹہ ریجن کے پہلے ڈپٹی ڈائریکٹر امیر عثمان خان میں دبلے، پتلے، گوراچٹا رنگ، خوبصورت لمبے تڑنگے تو نہیں۔ مگرانھیں پست قد بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہنس مکھ اور ملنسار ہیں۔ سنجیدہ ہوں تو چہرے سے تدبر برسنے لگتا ہے۔ امیر عثمان خان ۲۰ فروری ۱۹۳۲ء کو اپنے آبائی وطن موضع زروبی، تحصیل صوابی مردان میں ایک خوشحال زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی دسویں اور اعلیٰ تعلیم بی اے پھر ایل ایل بی کی ڈگری پشاور یونیورسٹی سے حاصل کی۔ تعلیم کے بعد ۱۹۵۴ء میں محکمہ نشر و اشاعت پشاور میں ملازمت اختیار کی ۔ ۱۹۵۶ء میں محکمہ سیاحت کے افسر سیاحت تعین ہوئے اور قیام وحدت کے بعد پشاور میں اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر مقرر ہوئے۔ بعدازاں مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن نے آپ کو انفارمیشن آفیسر کی پوسٹ کے لیے منتخب کیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء میں محکمہ تعلقات عامہ لاہور میں تعین ہوئے۔ مئی ۱۹۵۸ء میں ڈویژنل انفارمیشن آفیسر ہو کر کوئٹہ آئے اور سید اختر شاہ سے چارج لیا۔ کوئٹہ میں اخبار نویسوں سے پہلی ملاقات میں آپ نے کہا" میں یہاں صحافیوں کے لیے کوتوال بن کر نہیں آیا اور یہ میرا کام ہے"۔ چنانچہ آپ ایک سال تک انفارمیشن آفیسر رہے اور آپ نے اپنے سلوک سے صحافیوں پر یہ ثابت کر دیا کہ آپ واقعی کوتوال بن کر نہیں آئے تھے بلکہ ایک دوست اور ہمدرد تھے۔ ابھی آپ کو یہاں آئے ہوئے ایک سال اور کچھ دن ہوئے

تھے کہ جون ۱۹۵۹ء میں انھیں ترقی دے کر مغربی پاکستان کے محکمہ تعمیر نو میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر تعین کیا گیا اوران کے سپرد قومی یک جہتی اور بنیادی جمہوریتوں کے شعبے کیے گئے۔ اور ایک سال بعد پھر آپ کا تقرر جون ۱۹۶۰ء میں بحیثیت اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کوئٹہ قلات ریجن ہوا۔ اور آپ نے یہاں کے سید حسنات احمد سے چارج لیا۔ مرکزی حکومت نے کوئٹہ قلات ریجن میں محکمہ نشر و اشاعت قبائل کے قیام اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس محکمے کے قیام کا فیصلہ کیا اور پھر صدارتی کابینہ کی منظوری کے مطابق یہ محکمہ قائم ہوا۔ مرکزی پبلک سروس کمیشن نے امیر عثمان خان کا انتخاب ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے کے لیے کیا۔ اس وقت سے اب تک آپ اس کے انچارج ہیں۔

امیر عثمان خان کو عوامی بہبود کے کاموں سے دلچسپی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پچھلے چار سال سے آپ ریڈ کراس کے یہاں کے سیکرٹری ہیں۔ اور آپ کو گورنر مغربی پاکستان نے سند بھی دی ہے۔ آپ ڈفرن اسپتال کی انتظامیہ کے ممبر بھی ہیں۔ آپ نے یہاں بزم ثقافت قائم کی۔ جس کا کام علاقائی ادب اور ثقافت کو فروغ دینا ہے۔ آپ اس اعزازی جنرل سیکرٹری ہیں اور ہر سال جشن کوئٹہ کی ثقافتی تقریبات کا انتظام و انصرام اور پبلسٹی کا کام ان کے ذمے ہوتا ہے۔ آج کل آپ کوئٹہ قلات ریجن کے قبائل کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھ رہے ہیں۔

میر امان اللہ گچکی

ایڈیٹر اُولس بلوچی

میر امان اللہ گچکی ، محکمہ نشر و اشاعت قبائل کے ماہوار رسالہ اولس بلوچی اور تصانیف بلوچی کے ایڈیٹر ہیں۔آپ جولائی ۱۹۳۱ میں مکران میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم تربت (مکران) میں حاصل کی۔ بعدازاں اعلیٰ تعلیم (بی اے) کوئٹہ و کراچی میں حاصل کی۔اس محکمے میں آنے سے پیشتر دو سال تک ریڈیو پاکستان کوئٹہ میں بطور سپر وائزر بلوچی پروگرام کام کرتے رہے پھر محکمہ ویلیج ایڈ میں تین سال بحیثیت آفیسر تعلقات عامہ وافسر تقریبات کام کرتے رہے۔ستمبر ۱۹۵۹ء میں اولس بلوچی کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔اور اب تک کام کر رہے ہیں۔ میر امان اللہ گچکی ہنس مکھ اور خوش اسلوب نوجوان ہیں اور ان کے متعلق یہ بات فخر سے کہی جا سکتی ہے کہ ان کا شمار ان نوجوان بلوچوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی ذہنی کاوشیں ملک کی ترقی و استحکام اور ثقافت و زبان کی ترقی کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔

قاضی سعید محمد خان

ایڈیٹر اولس پشتو

محکمہ نشر و اشاعت قبائل کے ماہوار رسالے اولس پشتو اور تصانیف کے ایڈیٹر ہیں۔ آپ ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ لکی مروت ضلع بنوں ڈی آئی خان ڈویژن کے رہنے والے ہیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور ساتویں جماعت تک اسکول میں پڑھے اور سولہ سال کی عمر میں دینیات کی تعلیم کے لیے درس نظامیہ پڑھنے کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی سے سند فراغت حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں اورینٹیل کالج لاہور سے آنرزان عربک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۵۸ء تک محکمہ تعلیم میں بطور استاد علوم شرقیہ رہے۔ اور ساتھ ساتھ منشی فاضل، ادیب فاضل، پشتو فاضل، آنرزان پشتو کے طلبا کو پڑھاتے رہے۔ میٹرک اور ایف اے کے امتحانات کے پرائیویٹ طور پر پاس کیے ۱۹۴۸ء میں میران شاہ ایجنسی سے پہلا پشتو پندرہ روزہ نعرۂ حق شائع کیا۔ پھر جنوبی وزیرستان ایجنسی میں پشتو کا اخبار "تعمیر وزیرستان" پندرہ روزہ جاری کیا۔ ان اخباروں کو حکومت کی سرپرست حاصل تھی۔ ایک سال سے زیادہ عرصے تک پندرہ روزہ جمہور اسلام ٹرائیبل پبلسٹی پشاور کے ایڈیٹر رہے۔ پھر ویلج ایڈ میں بطور اسسٹنٹ پبلسٹی آفیسر ڈی آئی خان ڈویژن تعین رہے۔ اس کے بعد افسر روابط علاقہ قبائل (جو گزیٹڈ افسر کی سطح کا تھا) کے عہدے پر رہے۔ اور نومبر ۱۹۶۲ء سے اولس پشتو ماہوار کوئٹہ کے ایڈیٹر ہیں۔ اردو اور پشتو کے شاعر ہیں۔ پشتو زبان مادری ہے اور اردو سے بہت زیادہ شغف ہے۔

تینتیسواں باب

ریڈیو پاکستان کوئٹہ

کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں جہاں سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ تک بلند مقامات ہیں ۱۹۵۶ء تک مقامی ریڈیو اسٹیشن کی میڈیم اور شارٹ لہروں سے محروم تھا اور یہاں کے عوام اور سیاسی جماعتیں اس علاقے میں چھوٹا ہی سہی مگر ایک ریڈیو اسٹیشن کے قیام کے خواہاں اور متمنی تھے اور اس سلسلے میں سیاسی لیڈروں، عوامی لیڈروں اور عوامی رہنماؤں نے بار بار مطالبہ بھی کیا تھا کہ یہاں اطلاعات، ادبی، ثقافتی، معاشرتی، زرعی، صنعتی، تعلیمی سرگرمیوں کو ابھارنے اور ان سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے ایک ریڈیو اسٹیشن بلا تاخیر قائم ہونا چاہیے۔ یہ مطالبہ قیام پاکستان سے ۱۹۵۶ء تک برابر جاری رہا۔ اور آخر کار یہاں ایک ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کی منظوری دے دی گئی۔ مگر مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ ریڈیو اسٹیشن کی عمارت کہاں ہو۔ اس وقت ناممکن تھا کہ فوراً عمارت تعمیر کی جائے۔ صرف ایک صورت یہ تھی کہ کوئی عمارت جو موزوں ہو، کرایہ پر حاصل کر کے اس میں آلات نصب کیے جائیں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔

پہلی عمارت

دو ہزار ماہوار کرایہ پر عمارت شہر بھر میں موزوں اور مناسب مقام پر نہ مل سکی۔ ملی بھی تو کوئٹہ شہر سے دو میل دور سریاب روڈ پر۔ جو ایک بنگلہ تھا جس میں ایک رسیونگ سنٹر، ٹرانسمیٹر سٹوڈیو اور آفس قائم کر دیے گئے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اس وقت کے یہاں کے کمشنر معز الدین احمد نے باقاعدہ اس کا افتتاح کیا۔ اس وقت اس اسٹیشن کی ایک کلو واٹ میڈیم پاور تھی۔ ابتدا میں اردو اور بلوچی میں گانے نشر کرنے کے پروگرام شروع کیے

گئے۔ پھر ہفتہ وار ایک گھنٹہ پشتو کے پروگراموں کو دیا جانے لگا۔ ایک کلو واٹ میڈیم ویو کے ٹرانسمیٹر کی بساط ہی کیا ہوتی ہے صرف پچاس مربع میل کے رقبے میں اس کی آواز پہنچ سکتی تھی۔ باوجود تکالیف اور زحمتوں اور مشکلات آہستہ آہستہ ڈرامے، خواتین اور بچوں کے پروگرام مرتب کیے گئے۔ شروع میں مقامی فنکاروں کی تعداد دس کے قریب تھی۔ ڈرامہ کے لیے صرف پانچ فنکار میسر آئے۔ پھر صرف دو ڈرامے مہینے میں ہونے لگے اور اب چار ڈرامے ہوتے ہیں۔ جن میں تین اردو کے ایک بلوچی یا پشتو کا ہوتا ہے۔

نئی عمارت

کوئٹہ شہر کے نزدیک ایک ریڈیو اسٹیشن کے نئی بلڈنگ پانچ لاکھ روپے لاگت سے تیار ہوئی۔ یہ ایئر کنڈیشنڈ بلڈنگ ہے۔ اگست ۱۹۶۲ء میں ریڈیو اسٹیشن سریاب روڈ کوئٹہ سے نئی بلڈنگ میں منتقل ہوا اور سریاب کے نزدیک ٹرانسمیٹر اور ریسیونگ سنٹر قائم کیے گئے۔ کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن کی عمارت کی شکل انگریزی کے حروف ٹی (T) کی ہے اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بلڈنگ لاہور، پشاور، حیدر آباد، کراچی اور ڈھاکہ کی بلڈنگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس بلڈنگ میں ایک کی بجائے دس کلو واٹ میڈیم ویو کا ٹرانسمیٹر لگایا گیا۔ اور پھر ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو وزیر اطلاعات ونشریات چوہدری فضل القادر نے یہاں دس کلو واٹ شارٹ ویو ٹرانسمیٹر کا افتتاح کیا۔ اور شارٹ ویو کی نشریات شروع ہونے سے پروگرام تقریباً دوسو مربع میل کے حلقے سے بھی زیادہ علاقہ میں بخوبی سنے جانے لگے۔ پر فضا مقام پر اس بلڈنگ میں اسٹوڈیو اور دفتر کے لیے کافی جگہ ہے۔ یہ دو منزلہ بلڈنگ پر فضا ماحول میں بڑی پر رونق اور باوقار دکھائی دیتی ہے۔

طلبا اور ریڈیو

کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن نے عوام سے رابطہ کے سلسلے میں طلبا کو نظر انداز نہیں کیا۔ کالج اور اسکول میگزین کے نام سے پروگراموں کے علاوہ ریڈیو کے زیر اہتمام مباحثے بھی کرائے گئے۔ سب سے پہلے مقابلے میں صرف چھ طلبا تھے۔ دوسرے میں ان کی تعداد بارہ تک جا پہنچی۔ ان مقابلوں کی وجہ سے طلبا میں فن خطابت سے دل چسپی بڑھ رہی ہے۔

خواتین اور بچے

کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن سے ہر ہفتہ خواتین آدھ گھنٹے کا پروگرام نشر ہوتا ہے۔ اور ہر اتوار کو پہلی مجلس بچوں کے لیے آدھ گھنٹے کے پروگرام سے شروع ہوتی ہے۔ ویسے ہر روز بچوں کے لیے دس منٹ کا پروگرام ہوتا ہے۔

دیگر پروگرام

دیگر پروگراموں میں ہر مہینے جو تقریریں نشر ہوتی ہیں۔ ان میں تیرہ اردو میں، تیرہ بلوچی میں اور تیرہ پشتو میں ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ کئی اور پروگرام ہیں۔ جن کو دلچسپ اور مفید بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان میں ریڈیو ڈاکٹر گل کاکو، لالک اختر ے، خاکے، ڈرامے، مشاعرے، فیچر خاصے دلچسپ ہوتے ہیں۔ ہر سال ریڈیو اسٹیشن کی سالگرہ کی تقریب منائی جاتی ہے۔ جس میں دیگر اسٹیشنوں کے فنکار بھی بلائے جاتے ہیں۔

عوام سے رابطہ

کچھ دنوں سے پروگراموں کی اہم خصوصیت ریڈیو کا عوام سے رابطہ براہ راست پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ہر ماہ ایسے پروگرام نشر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو سبی، مستونگ، لورالائی، فورٹ سنڈیمن، نوشکی، چمن وغیرہ دور دراز علاقوں میں منعقدہ تقریبوں کے متعلق ہوتے ہیں۔

ریڈیو سیٹوں کی تعداد

ایک سرکاری اطلاع کے مطابق ۱۹۵۶ء میں کوئٹہ قلات میں ریڈیو سیٹوں کی تعداد دو ہزار پانچ سو تھی۔ مگر گذشتہ سال تک چار گنا سے زیادہ ہو چکی ہے۔ ۶۲۔۱۹۶۱ء میں کوئٹہ شہر اور چھاؤنی میں ریڈیو سیٹس کی تعداد ۵۴۱۷ تھی۔

۶۳۔۱۹۶۲ء میں یہ تعداد ۲۰۲۷ ہوئی اور ۱۹۶۳ء میں کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں میں معہ کوئٹہ شہر اور چھاؤنی یہ تعداد ۱۰۷۰۳ تھی۔

بھارت کے بزدلانہ حملے کی وجہ سے ریڈیو سیٹوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے مگر صحیح اعداد و شمار نہیں مل سکے۔

مقبول فنکار

کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن کے مقبول فنکار یہ ہیں: اردو میں غلام مصطفےٰ ناز، بلقیس بیگم، کنیز بانو، رضیہ بیگم، احسان اللہ یٰسین، پشتو میں سلیم جاوید ملا عبدالغنی، اخلاص خان ترین، آغا محمد اور رہمنوا۔ بلوچی میں مرید بلیدی، فرید بلیدی، لونگ بگٹی، فیض محمد۔

سازندے

اس اسٹیشن کے مشہور سازندے یہ ہیں: استاد کرم بخش پیرنا۔ طبلہ نواز۔ امام الدین صلاحی۔ رباب نواز۔ محمد شریف کلارینٹ پلییئر۔ امان اللہ قریشی ستار نواز۔

منتظمین

سب سے پہلے ریجنل ڈائریکٹر مسٹر کے جی علی ۱۶ اگست ۱۹۵۶ء کو تعین ہوئے۔

مگر کوئٹہ میں وہ ستمبر ۱۹۵۶ء میں آئے اور اپنے عملے کے تعاون سے ریڈیو اسٹیشن کوئٹہ کو ترقی دے کر یہاں کے علمی، ادبی، ثقافتی اور لسانی سرگرمیوں میں بیداری پیدا کر کے ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو تبدیل ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد ان کی جگہ مسٹر ایم اے کاظمی نے اسی تاریخ کو چارج لیا۔

آج کل وہی ایجنل ڈائریکٹر ہیں۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل منتظمین ہیں۔ امان اللہ ریجنل انجینئر، بشیر احمد اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر (ان سے پہلے عبدالحمید اعظمی تھے)۔ عبدالمالک بلوچ اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر۔ پروگرام آرگنائزر یہ ہیں:۔ عبدالصمد خان درانی، ظفراللہ کرمانی، مظہر عباس انصاری۔ پروگرام پروڈیوسر یہ ہیں:۔ علی حسن، زاہد، رحمت اللہ نیازی، غلام حسین، عطا شاد، ظفر مرزا، جمیل ملک، نثار مظلوم، صورت خان مری۔

خبروں کا شعبہ

کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن میں خبروں کا شعبہ شروع سے ہی قائم ہے۔ سب سے پہلے یہاں مسٹر کے ایچ انصاری کی ایک سال تک نیوز ایڈیٹر رہے۔ ان کے بعد کاظمین نقوی ۱۹۵۷ء میں یہاں آئے۔ وہ ۱۹۶۱ء تک رہے۔ وہ بڑے ہر دلعزیز تھے۔ ان کے تبادلے

پراس یونٹ کے انچارج مسٹر اعظم علی رہے۔ پھر یہاں مسٹر عباس علی جعفری آئے اور وہ تبدیل ہو گئے۔اس یونٹ میں تین مترجم پشتو، بلوچی اور اردو کے ہیں۔ یہ مترجم کنٹریکٹ کی بنیاد پر مقرر ہیں۔ یہ ایک بڑا نقص ہے۔ مترجم ہونے چاہئیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن سے مقامی خبریں انگریزی میں نشر نہیں ہوتیں۔ مگر پہلے خبریں انگریزی میں لکھی جاتی ہیں۔ پھر ان کا ترجمہ پشتو، بلوچی اور اردو میں ہوتا ہے۔

ایم اے کاظمی

ریجنل ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان کوئٹہ

۱۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ریڈیو پاکستان کوئٹہ نے جب اپنی نشریات کا آغاز کیا تو اس کی نشر گاہ سے جو پہلی آواز سنی گئی وہ مسٹر ایم اے کاظمی (بی ایس سی، ایل ایل بی سلیگ) کی تھی۔اس وقت وہ یہاں بحیثیت پریزینٹیشن آرگنائزر کے تعین ہو کر آئے تھے۔اور آج وہ اس نشر گاہ کے ریجنل ڈائریکٹر ہیں۔ محنت کر کے اس درجہ پر پہنچنے پر علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے:۔

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا

میخانہ حافظ ہو کہ بت خانہ بہزاد

مسٹر کاظمی نے ریڈیو پاکستان سے وابستگی کی قلیل مدت میں جو ترقی کی منزلیں طے کی ہیں وہ قابل رشک ہیں،

جرات ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے

مسٹر کاظمی یکم فروری ۱۹۴۹ء میں ریڈیو پاکستان سے بحیثیت ٹرانسمیشن اسسٹنٹ وابستہ ہوئے اور ۱۹۵۳ء تک اسی حیثیت سے کراچی اور راولپنڈی کی نشر گاہوں پر ریڈیو پاکستان کی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۳ء میں جب ریڈیو پاکستان کوئٹہ کا قیام عمل میں آیا تو پریزنٹیشن آرگنائزر کی حیثیت سے ان کا تبادلہ کوئٹہ ہو گیا۔ ۷ نومبر ۱۹۵۷ء میں وہ ترقی پا کر اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر بن گئے۔ اس حیثیت سے انھوں نے کراچی، حیدر آباد اور کوئٹہ کی نشر گاہوں میں فرائض سرانجام دیے۔ بعد ازاں انھیں ترقی دے کر شعبہ بیرونی نشریات میں آفیسر اون اسپیشل ڈیوٹی مقرر کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں انھوں نے ریڈیو پاکستان کی نظامت اعلیٰ میں بھی کام کیا اور بالآخر ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو تیسری مرتبہ کوئٹہ میں بحیثیت ریجنل ڈائریکٹر کے تعین ہوئے۔

چونتیسواں باب

سنڈیمن لائبریری

صحافت کا قومی اطلاعات ونشریات کے اداروں کے بعد لائبریریوں سے بھی گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کوئٹہ قلات ڈویژنوں کی لائبریریوں کے بارے میں مختصر سا ذکر اس کتاب میں کر دیا جائے۔

زلزلے سے پیشتر بلوچستان اور ریاستی بلوچستان میں لائبریریوں کی بہت کمی رہی ہے۔ زلزلے سے پیشتر یہ لائبریریاں تھیں؛ سنڈیمن لائبریری، مسلم لائبریری اور ریڈنگ روم (جو سورج گنج بازار میں واقع تھی) اس میں اسلامیات کے علاوہ دیگر علوم پر کافی کتب تھیں۔ خالصہ لائبریری اور آریہ سماج لائبریری، جو صرف غیر مسلموں کے لیے تھی۔ قلات میں خان قلات کی اپنی ذاتی لائبریری تھی جواب بھی ہے۔ تھیوسافیکل لائبریری۔

۱۹۳۵ء کے تباہ کن زلزلے میں ان لائبریریوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ مسلم لائبریری بالکل ختم ہوگئی۔ تقسیم کے بعد خالصہ اور آریا سماج اور تھیوسافیکل لائبریریاں بھی ختم ہوگئیں۔ سنڈیمن لائبریری کو زلزلہ میں بہت نقصان پہنچا۔ مگر وہ اب بھی علم وتحقیقات کے جویا اصحاب کا سہارا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ایک چھوٹی سی لائبریری احمدیہ فرقہ نے بھی قائم کی ہے جو بہت مختصر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد امریکی مرکز اطلاعات اور خانہ فرہنگ دو ادارے قائم ہیں جہاں ادب، ثقافت، حوالہ جات اور علوم کی دیگر شاخوں کے متعلق کتب موجود ہیں مگر ان میں امریکہ اور ایران کے بارے میں زیادہ کتب ہیں۔

مسلم لائبریری کی اس علاقے میں اشد ضرورت ہے۔ پبلک کو اس طرف خاص توجہ دے کر جلد از جلد ایک ایسی لائبریری قائم کرنی چاہیے اور صاحب استطاعت اور علم

دوست حضرات کو اس طرف آج نہیں تو کل توجہ دینی پڑے گی۔

چونکہ صحافت کا لائبریری سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے کوئٹہ قلات کی سب سے بڑی، سب سے قدیم پبلک لائبریری، سنڈیمن لائبریری کا مختصر حال درج کیا جا رہا ہے۔ یہ کوئٹہ میونسپلٹی کے زیر انتظام ہے اور اس کے انچارج مسٹر عبدالرزاق ہیں۔

کوئٹہ اور قلات کے علاقہ مغربی پاکستان میں پسماندہ علاقہ کہا جاتا ہے۔ تعلیم کے میدان میں آج بھی یہ علاقہ سب سے پیچھے ہے اور دور کے رہنے والوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ اس علاقے کے مرکزی شہر کوئٹہ میں ایک ایسی لائبریری بھی موجود ہے جس کا شمار چند سال پہلے ملک کے اہم ترین کتب خانوں میں ہوتا تھا اور آج بھی یہ لائبریری جسے سنڈیمن لائبریری کہا جاتا ہے، اپنی افادیت اور قدامت کے اعتبار سے کم اہم نہیں۔

یہ لائبریری ۱۸۸۴ء میں سر رابرٹ سنڈیمن کے نام پر قائم کی گئی تھی جو برطانوی عہد میں سابق بلوچستان میں گورنر جنرل نے پہلے ایجنٹ تھے جس نے اس علاقے کو برطانوی قلمرو میں شامل کیا تھا اور اس کے نام پر اس لائبریری کے علاوہ ایک اسپتال، سنڈیمن اسپتال، ایک اسکول سنڈیمن اسکول، ایک سڑک سنڈیمن روڈ اور ضلع ژوب میں ایک شہر فورٹ سنڈیمن کے نام سے موسوم ہیں۔

سنڈیمن لائبریری کے لیے ایک نہایت خوشنما اور شاندار عمارت ترپن ہزار روپے کی لاگت سے تعمیر کی گئی جو ۱۹۰۶ء میں مکمل ہوئی اور اسی زمانے کے وائسرائے منٹو کی بیگم نے اسی سال اس کی رسم افتتاح ادا کی تھی۔

جنوبی جناح روڈ پر لائبریری کی موجودہ عمارت اسی جگہ بنائی گئی ہے۔ جہاں زلزلے سے پیشتر عجائب گھر تھا، اور لائبریری اس مقام پر تھی۔ جہاں ایک ٹیلے پر فوارہ بنا

ہوا ہے۔ یہ ٹیلہ زلزلے کے بعد ایک ہندو ٹنڈن کے مجسمے کے لیے بنایا گیا تھا۔مگر جب مسلمانوں کو علم ہوا تو انھوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور مجسمہ نہیں لگایا جا سکا۔ دراصل ہندو اس لیے ٹنڈن کا مجسمہ نصب کرنا چاہتے تھے۔ کہ اس نے زلزلے کے بعد شہر کی کھدائی اور صفائی کروائی تھی اور اس کام کا اس نے ٹھیکہ لیا تھا۔

۱۹۳۵ء کے زلزلے میں لائبریری کی عمارت کے ساتھ بہت سی قیمتی اور نادر کتابیں بھی ضائع ہوگئیں ۔ یہ بہت بڑا نقصان تھا۔زلزلے کے بعد جہاں انسانوں اور جانوروں کے لیے عارضی خیمے نصب ہوئے۔ وہاں دفاتر اور سنڈیمن لائبریری کے لیے بھی خیمے لگائے گئے ۔نو سال تک یعنی ۱۹۴۴ء تک یہ لائبریری انھیں خیموں میں کام کرتی رہی۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے حکومت نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی اور یہ خوف پیدا ہوگیا تھا کہ علم وفن کا یہ بیش بہا خزانہ عارضی جھونپڑیوں اور خیموں میں پڑا پڑا ضائع نہ ہو جائے۔ چنانچہ علم دوست اور قدردان فن وادب نے ارباب اقتدار کو اس طرف متوجہ کیا۔ بار باران کو جھنجھوڑا آخر کار حکومت نے ۱۹۴۴ء میں زلزلہ فنڈ سے لائبریری کی موجودہ عمارت تعمیر کرائی۔

۱۹۴۴ سے ۱۹۴۹ء تک لائبریری کا انتظام بھی انتظامیہ کے سپرد رہا۔زلزلے کی ہلاکت خیزیوں اور بتاہ کاریوں اور دوسری جنگ عظیم اور تقسیم وطن کے اثرات کی بنا پر لائبریری کی جانب توجہ نہیں دی جاسکی اور مالی مشکلات اور مذکورہ حالات کی بنا پر لائبریری کی کتابوں میں اضافہ نہ ہوسکا۔ لائبریری کی حالت خراب سے خراب ہونے لگی۔لیکن لائبریری کی مجلس انتظامیہ کے جوممبر کوئٹہ میں رہ گئے تھے انھوں نے علم وادب کے اس بیش بہا خزانے کو تباہی سے بچانے کے لیےاس ادارے کو میونسپلٹی کے حوالے کردیا۔ یہ ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔

میونسپلٹی کی تحویل میں آنے کے بعد اس لائبریری کی نئی زندگی شروع ہوئی۔ میونسپلٹی نے لائبریری کے انتظام کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی جس کے ارکان کی تعداد نصف تعداد لائبریری کے ممبروں اور نصف تعداد میونسپلٹی کے ممبروں پر مشتمل تھی۔ ۱۹۵۲ء میں میونسپلٹی نے لائبریری کی عمارت میں ایک کمرے کا اضافہ کیا۔ اس کے لیے فرنیچر خریدا۔ اور تقریباً پانچ ہزار کتابوں کا اضافہ کیا۔ اسی دوران لائبریری میں آنے والے اخبارات و رسائل کی مجموعی تعداد بھی بڑھی۔ اس وقت لائبریری کے لیے خریدے جانے والے اور بصورت عطیہ آنے والے اخبارات و رسائل کی مجموعی تعداد انسٹھ ہے۔ جن میں بارہ روزنامے ہیں۔ ملک کے تقریباً تمام اہم اور قابل ذکر اخبارات و رسائل اور دنیا کے منتخب میگزین لائبریری میں آتے ہیں۔ کوئٹہ میونسپلٹی تقریباً نو ہزار روپے سالانہ اس لائبریری پر خرچ کرتی ہے۔

اس وقت سنڈیمن لائبریری میں کتابوں کی مجموعی تعداد سولہ ہزار سے زائد ہے جن میں تین چوتھائی سے زیادہ انگریزی زبان کی ہیں۔ اردو، فارسی، پشتو اور پنجابی زبانوں کی کتابوں کے علاوہ تقریباً آٹھ کتابیں ہندی، گجراتی اور گورمکھی زبانوں کی بھی ہیں۔ قدیم مخطوطات سے یہ لائبریری محروم ہے۔ یہ کتاب انگریزی کی قدیم ترین کتاب ۱۸۹۵ء کی مطبوعہ ہے۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور پرتگالیوں کی ہندوستان کی دریافت اور فتح سے متعلق ہے۔ اس کی تین جلدیں ہیں اور ہاتھ سے بنائے ہوئے کاغذ پر چھپی ہوئی ہے۔ کتاب کی حالت آج بھی اچھی ہے۔ عام کتب خانوں کی طرح سنڈیمن لائبریری میں ایک چوتھائی سے زیادہ کتابیں ہیں۔ افسانے، ناول، مذہب اور فلسفے کا اچھا ذخیرہ ہے۔

لیکن جن کتابوں کی وجہ سے اس لائبریری کا شمار ملک کے ممتاز کتاب خانوں میں ہوتا ہے وہ ہیں کتب حوالہ جات، ان میں زیادہ تر حکومت برطانیہ کی شائع کردہ ہیں۔

غیر منقسم ہند کی مردم شماری کی رپورٹیں ، بلوچستان ایجنسی کی انتظامی رپورٹیں، امپریل کی گزٹیئر کی تمام جلدیں اور ہندو پاک کے تمام اضلاع کے گزٹیئر شامل ہے۔ان کے علاوہ کئی قسم کے انسائیکلو پیڈیا موجود ہیں۔سابق بلوچستان اور یہاں کے قبائل کی تاریخ سے متعلق جو کتابیں لائبریری میں ہیں۔انھوں نے سنڈیمن لائبریری کو ملک کی دوسری لائبریریوں سے ممتاز بنا دیا ہے۔

لائبریری میں اس وقت صرف پچاس افراد کے بیک وقت بیٹھنے کا انتظام ہے۔ یہ جگہ یقیناً ناکافی ہے۔موسم گرما میں لائبریری امیں آنے والوں کی تعداد تین سے زیادہ روزانہ ہوتی ہے۔

پینتیسواں باب

خانہ فرہنگ ایران

اگست ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد ایران وہ پہلا اسلامی اور ہمسایہ ملک تھا۔ جس نے پاکستان کے ساتھ دوستانہ و برادرانہ تعلقات قائم کرنے کی مخلص اور کامیاب کوشش کی۔ جس کا جواب پاکستان کی طرف سے بھی ویسے ہی اخلاص اور محبت سے دیا گیا۔ دونوں ملکوں میں سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ اتحاد، یگانگت کے رشتہ کو زیادہ مستحکم اور استوار کرنے کے لیے ایک ملک کے خیر سگالی کے وفود دوسرے ملک میں آنے جانے لگے۔ ایران اور پاکستان میں نہ ٹوٹنے والا اتحاد برقرار ہونے لگا۔ سیاسی اور تجارتی معاہدات کے علاوہ دونوں ملکوں میں ایک ثقافتی (فرہنگی) معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی ایک نقل اس وقت خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ میں موجود ہے۔ اس معاہدے کے الفاظ سے اور دفعات کو خود پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایران اور پاکستان اگرچہ دو ملک ہیں مگر حقیقت میں ایک ہیں اور سرحدوں کی یہ ظاہر حد بندی برائے نام ہے۔ مذکورہ معاہدے کی رو سے دونوں ممالک ایک دوسرے ملک کے شہروں میں اطلاعات کے مراکز، لائبریریاں کھولیں۔ کراچی، لاہور اور کوئٹہ میں ثقافتی ادارے حکومت ایران نے کھولے ہیں۔ ان سے دونوں ملکوں کے عوام کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کو سمجھنے اور قریب آنے کا موقع ملا۔

کوئٹہ میں خانہ فرہنگ

کوئٹہ میں شہر کے ایک مرکزی مقام ماڈل ٹاؤن ہال میں چند کمرے کوئٹہ میونسپلٹی نے ایران کے خانہ فرہنگ کے لیے دیے ہیں۔اور ۹ مارچ ۱۹۵۷ء میں اس وقت کے کمشنر مسٹر معز الدین احمد نے اس کا افتتاح کیا تھا مگر ۱۹۶۵ء کے آخر میں خانہ فرہنگ شارع اقبال پر منتقل کر دیا گیا جس کی نئی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔

خانہ فرہنگ کا کام

خانہ فرہنگ ایران آٹھ سال سے یہاں کام کر رہا ہے اور جو خدمات انجام دے رہا ہے۔ان کی اجمالی تفصیل یہ ہے (۱) ایران اور پاکستان کے برادرانہ تعلقات کو زیادہ مستحکم کرنے کے لیے زیادہ کوشاں رہنا (۲) پاکستانیوں کو ایران کے متعلق ہر قسم کی اطلاعات فراہم کرنا (۳) سیاحوں کو ایران کے تاریخی مقامات کے حالات و کوائف اور ایران کے نقشے وغیرہ مفت مہیا کرنا (۴) ایران کے بارے میں فارسی، اردو اور انگریزی میں لٹریچر تقسیم کرنا (۵) پاکستانی کالجوں اور مدرسوں کو علمی، ادبی اور فنی کتابیں اور رسالے تحفے کے طور پر دینا۔

اس ثقافتی اور تعلیمی ادارے کا انتظام سرکنسولی شاہنشاہ ایران کوئٹہ کی نگرانی میں ہے۔افتتاح سے پہلے اس کی تنظیم آقائے عبداللہ رازی نے کی اور افتتاح کے بعد کوئی ساڑھے چھ سال تک سرکنسولی کے تحت اس کے انچارج بھی رہے۔

کتابوں کی تفصیل

خانہ فرہنگ کوئٹہ میں پانچ زبانوں کی کتابیں موجود ہیں: فارسی، عربی، اردو، انگریزی اور فرانسیسی۔ فارسی کتابوں کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔ جن موضوعات اور مضامین پر کتابیں ہیں ان کی تعدا اٹھانوے ہے جن کا مختصر ذکر نیچے ہے۔ (۱) ادبیات، نثر، افسانے، داستانیں، ڈرامے، تاریخی معاشرتی رومانی ناول اور مضامین و ادب (۲) نظم، مثنوی، قصیدہ، غزل، رباعی، مراثی اور نظم کی دوسری اصناف، جن کے موضوع فلسفیانہ، صوفیانہ، عاشقانہ، رزمیہ اور اخلاقی پند و نصیحت وغیرہ ہیں (۳) ادبیات، نثر و نظم، عروض و قوانی، علم بدیع و بیان، موازنہ و تنقید وغیرہ (۴) مذہبی کتب میں اسلام کے مختلف مذہبی عقائد کی کتابیں مثلاً دینیات، فقہ، حدیث، تصوف اور قوانین اسلامی، قرآن پاک کے ترجمے، تفاسیر اور مذہبی تحریکیں وغیرہ (۵) علمی اور طبی کتب میں نفسیات، نجوم، زراعت، معدنیات، نباتات، ادویات، جراحی وغیرہ۔

اخبارات اور سالے

پاکستانی اور دیگر اردو رسالے، انگریزی میگزین کافی تعداد میں باقاعدہ طور پر لائبریری میں پڑھنے والوں کے لیے ہر وقت موجود رہتے ہیں اور ایران سے روزنامے اور رسالے بڑی تعداد میں آتے ہیں جن میں سے کچھ تو پڑھنے والوں کو دیے جاتے ہیں، کچھ دوسرے شائقین خانہ فرہنگ کی طرف سے خانہ فرہنگ کے اخراجات پر دوسرے شہروں میں بھیجے جاتے ہیں۔ مختلف ناموں سے آنے والے رسالوں کی تعداد ۵۲ ہے۔ ان میں مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے سرفہرست یہ ہیں۔ (۱) مذہبی مضامین، درسہائے از مکتب اسلام، نامہ آستن قدس (۲) ادبی، ہنری اور فنی لیخا، سخن، ارمغان (۳) صوتی

اور موسیقی راویو ایران، مجلّہ موسیقی (۴) تفریح اور عام معلومات ، اطلاعات ہفتگی روشن فکر، تہران مصور (۵) تعلمی و تربیتی ، اموزش و پرورش ماہنامہ فرہنگ (۶) انگریزی، ایران ٹوڈے، اور فیکس آباوٹ ایران۔

ڈائریکٹر خانہ فرہنگ

ڈائریکٹر خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ۔ مسٹر امیر عبداللہ رازی ہیں جن کے حالاتِ زندگی اور دیگر معلومات قومی اخباروں کے نمائندوں کے آخر میں درج ہیں۔

چھتیسواں باب

امریکی مرکز اطلاعات کوئٹہ

کوئٹہ کی سب سے زیادہ بارونق سڑک جناح روڈ ختم ہوکر جہاں گلاسسٹر روڈ شروع ہوتا ہے بائیں جانب ایک مختصر مگر دیدہ زیب عمارت ہے جس کے سامنے بڑا وسیع تکون سبزہ زار ہے جس کے دونوں جانب خوبصورتی سے ترتیب دیے ہوئے پھولوں کے تختے ہیں۔موسم گرما ور بہار میں اس مثلث سبزہ زار اور چمن کا حسن ودل کشی قابل دید ہوتی ہے۔اس کے مغرب میں امریکی مرکز اطلاعات کوئٹہ کی عمارت ہے جس میں ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی ہے۔اس مرکز کا افتتاح ۱۱ مارچ ۱۹۵۷ء کو اس وقت کے کمشنر مسٹر معز الدین احمد نے کیا تھا اور اس موقع پر امریکہ کے پاکستان میں سفیر مسٹر ہوریس اے ہلڈرتھ بھی موجود تھے۔

کتب خانہ

مرکز کی عمارت میں داخل ہوتے ہی پہلا قدم دائیں جانب کتب خانے کے ہال میں ہوتا ہے جو دارالمطالعہ ہے۔اسی ہال میں حوالہ جات کی کتب بھی ملتی ہیں۔اس وقت لائبریری میں کوئی نوے قسم کے مختلف رسائل آتے ہیں۔جن میں ٹائم لائف، نیوز ویک، ابونی، نیشنل جیوگرافک میگزین، سیچر ڈے ایوننگ پوسٹ، ہائی ڈے کے علاوہ لائبریری جرنلز اور ادبی رسالے مثلاً ہاربر ایٹلانٹک،کومنٹری وغیرہ شامل ہیں۔بچوں کے لیے چند میگزین منگوائے جاتے ہیں۔اس میں بوائز لائف، ہائی لائٹ فار چلڈرن، جیک اینڈ جل، چلڈرنز ڈائجسٹ ، اسکول لائف اور چائلڈ ہڈ ،ایجوکیشن بہت دلچسپ اور

معلوماتی ہیں۔خواتین کے لے با تصویر رسالے امریکن گرل، گڈ ہاؤس کیپنگ، ہاؤس لینڈ گارڈن، لیڈیز ہوم جرنل، ہاؤس بیوٹی فل، میک کال، ووگ اور مارے موزیل بہت دل چسپ ہیں۔ان رسائل کے علاوہ بہت سے سائنسی، طبی، مکینیکل، آرٹ اور انجینئرنگ سے متعلق دورحاضر پر روشنی ڈالنے کے رسائل بھی مل سکتے ہیں۔

لائبریری میں کوئی ساڑھے چارسو کتب حوالہ جات کی ہیں۔جن میں علم دوست حضرات کے لیے گراں بہا خزانہ موجود ہے۔یہ لائبریری شروع میں صرف اٹھارہ سو کتب سے شروع کی گئی تھی لیکن اس وقت تقریباً ساڑھے پانچ ہزار کتب صرف انگریزی زبان میں موجود ہیں۔یہ کتب ہر مضمون پر مشتمل ہیں۔ فلاسفی، سوشل سائنس، پولیٹیکل سائنس، مذہب، فنون لطیفہ، نظم، ڈرامہ، تاریخ وسیرتا ورطب غرضیکہ ہر شخص کواس کے ذوق کے مطابق کتابیں دستیاب ہوسکتی ہیں، البتہ جنسیات، علم نجوم، دست شناس اور جاسوسی کتب و رسائل نہیں منگوائے جاتے۔تقریباً ایک ہزار کتب بچوں کے لیے آسان انگریزی کی ہیں جو ہر مضمون کے متعلق ہیں۔تقریباً ڈیڑھ ہزار کتابیں اردو کی ہیں جوزیادہ تر ترجمے ہیں۔

لائبریری کی رکنیت

لائبریری میں ہر شخص بلاتمیز ممبر وغیرہ آسکتا ہے۔گھر پر کتب یا رسائل لے جانے کے لیے ممبر بننا ضروری ہے جس کے لیے کوئی ماہانہ فیس یا داخلہ نہیں ہے۔یہ ایک پرائمری لائبریری ہے اور ہر شخص ممبری فارم پر کر کے لائبریری کا ممبر بن سکتا ہے۔ایک وقت میں دو کتابیں اور ایک رسالہ جاری کیا جاتا ہے۔کتابوں کے علاوہ لاکھوں زراعتی ،ثقافتی، سائنسی، معلوماتی اور دور حاضر پر روشنی ڈالنے والے پمفلٹ اور کتابچے عوام میں مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔

کتابوں کے تحفے

کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کو جن میں سنڈیمن لائبریری کوئٹہ بھی شامل ہے، ہزاروں کی تعداد میں کتب اس مرکز نے تحفے میں دی ہیں۔

ممبروں کی تعداد

یکم اپریل ۱۹۵۷ء سے دسمبر ۱۹۶۱ء تک لائبریری کے تقریباً چار ہزار پانچ سو ممبر بنے جنوری ۱۹۶۲ء سے پرانی ممبرشپ ختم کر کے ازسرنو ممبرشپ شروع کی گئی اور دسمبر ۱۹۶۴ء تک ممبروں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔

جاری کردہ کتب

دسمبر ۱۹۶۴ء تک تقریباً ایک لاکھ دس ہزار انگریزی، تئیس ہزار اردو کی کتابیں ممبروں کو جاری کی گئیں۔ ساڑھے چار سو سے زائد کتابیں پی، ڈبلیو ریلوے، گورنمنٹ کالج برائے خواتین اور دوسرے دو اداروں کو دی گئیں۔ یہ ادارے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت کتابیں تبدیل کراتے ہیں۔ محکمہ پی ڈبلیو ریلوے یہ کتابیں کوئٹہ زاہدان ریلوے لائن پر اپنے سٹاف کو جاری کرتا ہے۔ مجموعی طور پر ان اداروں نے کوئی سولہ سو کتابیں اپنے ممبروں کو جاری کی ہیں۔

لائبریری میں آنے والے

اب تک اس مرکز میں سات لاکھ سے زائد افراد آ چکے ہیں۔جن میں طلبا،طالبات،سرکاری ملازمین، پروفیسر، وکیل،ڈاکٹر،کاروباری لوگ،شاعر،ادیب، جرنلسٹ، تاریخ دان،فوجی غرضیکہ سبھی طرح کے لوگ شامل ہیں ہزاروں اشخاص نے مختلف معلومات حاصل کی ہیں۔جن میں امریکہ میں تعلیم،داخلہ سے متعلق معلومات میں خاص طور پر دلچسپی لی گئی،اس مرکز کی بدولت کوئٹہ کے طلبا، پروفیسر،امریکی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور کچھ آج بھی وہاں زیر تعلیم ہیں۔

شعبہ فلم

جس میں موسیقی، رقص،گراموفون ریکارڈ بھی شامل ہیں، ماہ مئی تا ستمبر کے دوران ہو کوئی اپنے پسندیدہ ریکارڈ گھنٹہ مقررہ وقت پر سن سکتا ہے۔اس سیکشن میں اس وقت اردو،انگریزی کی ساڑھے تین سے زیادہ فلمیں موجود ہیں۔جن میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔گرمیوں میں اوسطاً تین فلم شو مرکز مرکز ہیں اور چار مرکز کے باہر مختلف مقامات پر کیے جاتے ہیں۔یہ فلمیں اتنی دلچسپ اور معلوماتی ہوتی ہیں کہ ہر شو میں سیکڑوں شائقین جمع ہو جاتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک روز بچوں اور مستورات کو فلم دکھائی جاتی ہے۔موسم گرما میں مرکزی کی اپنی گاڑی ہوتی جو دور دراز علاقوں میں فلم دکھانے جاتی ہے۔

معلوماتی تقاریر

اس مرکز میں مفید معلوماتی تقاریر بھی کرائی جاتی ہیں۔ لیکن مقرر عام طور پر کوئٹہ کے ہی ہوتے ہیں اور حسب ضرورت لاہور یا کراچی سے بھی بلوائے جاتے ہیں۔ مرکز کے علاوہ اگر ضروری ہو تو کوئٹہ کے ہر دو کالج میں بھی تقریریں کرائی جاتی ہیں۔

صحافت پر سیمینار

مرکز میں چار مجلس مذاکرات بھی کرائی گئی ہیں۔ پہلی مجلس صحافت کے متعلق تھی جس کا افتتاح امریکی سفارتخانے کے پریس اتاشی نے کیا اور پاکستان کے اخبارات کے متعلق مدلل تقریری کیں۔ اس مجلس میں مقامی اخباروں کے ایڈیٹروں، قومی اخبارات کے نمائندوں علاوہ محکمہ تعلقات عامہ گورنمنٹ مغربی پاکستان اور ریڈیو پاکستان کے نمائندوں نے بھی شرکت کی تھی۔ اس سیمینار کی افتتاحی تقریر مسٹر شمس الحق نمائندہ ڈان نے کی تھی۔

سمعی و بصری طریقہ تعلیم

دوسری مجلس مذاکرہ سمعی و بصری طریقہ تعلیم کے متعلق تھی جس میں ڈاکٹر مس آئینہ قریشی محکمہ تعلیم حکومت مغربی پاکستان لاہور، اور مس صفیہ خان پرنسپل نیو ٹاؤن گرلز اسکول کراچی اور کوئٹہ و قلات ڈویژن کے کوئی پچیس اساتذہ نے اس میں شرکت کی۔ تیسری اور چوتھی مجلس کے طریقہ تعلیم سے متعلق تھیں۔ جن میں موجودہ طریقہ تعلیم اور ذریعہ تعلیم کی مشکلات کا موضوع خاص طور پر زیر بحث رہا۔ ایک تحریری مقابلہ بھی ہوا۔ جس کا عنوان تھا "آج کل لائبریروں کی اہمیت" ممبران کے لیے ایک سوالنامہ مرتب کیا گیا تھا جس میں چھ سوال تھے۔ یہ سوالات مرکز کی کتب حوالہ جات سے لیے گئے تھے اور شرط یہ رکھی گئی تھی کہ جواب بھی مرکز کی کتب حوالہ جات سے حوالہ دے کر لکھے جائیں۔ مقصد یہ

تھا کہ لوگوں کو کتب حوالہ جات سے متعارف کرایا جائے اور ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

طلبا کے تقریری مقابلے

اس مرکز کے زیر اہتمام دو دفعہ پانچ سلسلوں کا بین المدارس ماہانہ تقریری مقابلہ ہوا۔ جس میں کوئٹہ کے تقریباً تمام اسکولوں کے طلبا اور طالبات نے حصہ لیا۔

نمائش اور سٹال

اس مرکز کی کتابوں، آرٹ (پینٹنگ) فوٹو گرافی اور دیگر معلوماتی تصاویر کی نمائش بھی منعقد کی گئیں۔ اس کے علاوہ اس مرکز نے کوئٹہ اور قلات کے ڈویژنوں کے اکثر میلوں میں بھی شرکت کی۔ جس میں مستونگ، سبی، لورالائی اور فورٹ سنڈیمن قابل ذکر ہیں۔ ان میلوں میں فلم میں شو دکھانے کے علاوہ سٹال بھی لگائے گئے اور ریڈنگ روم کھولے گئے۔

امریکی مرکز اطلاعات کے سٹاف ڈائریکٹر کے علاوہ تین مستقل ملازم ہیں۔ مسٹر عبدالکریم چغتائی جو مرکز کی لائبریری کے انچارج ہیں۔ مسٹر عبدالجلیل سینما وی کے انچارج اور ایک ان کے اسسٹنٹ۔

ٹیلی وژن

اس مرکز اطلاعات کا ایک اور کارنامہ قابل ذکر یہ ہے کہ اس نے ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۳ء میں کوئٹہ میں جشن کوئٹہ کے دوران امریکی سفارت خانے کراچی کی طرف سے ٹیلی ویژن کا مظاہرہ کیا۔ لاکھوں افراد نے ٹیلی ویژن سیٹوں اور سٹیج پر بیک وقت موسیقی، رقص اور دیگر رنگا رنگ پروگرام دیکھے۔ کوئٹہ قلات ڈویژن کے سرکاری محکموں نے ٹیلی ویژن پر اپنے ترقیاتی کاموں کا مظاہرہ کیا۔

مسٹر حفیظ الرحمان

ڈائریکٹر امریکی مرکز اطلاعات کوئٹہ

امریکی مرکز اطلاعات کے پہلے ڈائریکٹر مسٹر حفیظ الرحمان ۱۹۵۱ء میں یو ایس آئی ایس میں شامل ہوئے اور ۱۹۵۶ء تک ان کے کراچی کے مرکز میں مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں نیا مرکز کوئٹہ میں قائم کرنے کے لیے یہاں بھیجے گئے اور مرکز کے ڈائریکٹر بنا دیے گئے۔

۱۹۶۱ء میں حیدر آباد میں نیا مرکز قائم کرنے کے لیے منتخب کیے گئے اور اسی سلسلے میں مئی ۱۹۶۲ء میں کوئٹہ سے حیدر آباد تبدیل ہوئے اور وہاں بھی ڈائریکٹر کے عہدے پر تعین ہوئے۔

سینتیسواں باب

گر تو برا نہ مانے!

اس باب میں اس عنوان سے کچھ خامیاں، کچھ شکایات اور کچھ مشورے اس لیے درج کیے جا رہے ہیں کہ ان شکایات، مشکلات، پریشانیوں اور خامیوں کو کیسے دور کیا جائے، جو یہاں کی صحافت کی ترقی کے سامنے چٹان بن کر کھڑی ہیں۔ یہ سب صحافی جانتے ہیں کہ برصغیر میں مسلمانوں کے تین نمایاں اور عظیم صحافی گذرے ہیں۔ محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان۔ انھوں نے صحافت کا وقار کس طرح بلند رکھا، ان کی سیکڑوں مثالیں ہیں۔

".....اخبار نویس کے قلم کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہیے اور سونے چاندی کا سایہ بھی اس کے لیے سم قاتل ہے۔ جو اخبار نویس رئیسوں، فیاضیوں اور امیروں کے عطیوں کو قومی امانت، قومی عطیہ اور اس طرح کے فرضی ناموں سے قبول کر لیتے ہیں وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نور ایمان کو بیچیں، بہتر یہ ہے کہ دریوزہ گری کی جھولی گلے میں ڈال کر اور قلندروں کی طرح قلمدان لے کر رئیسوں کی ڈیوڑھیوں پر گشت لگائیں ۱۲ر ہر گلی کوچے "کام ایڈیٹر کا" کی صدا لگا کر خود اپنے تئیں فروخت کرتے رہیں.... (الہلال ۲۷ جولائی ۱۹۱۶ء) یہ الفاظ ہیں ایک علم بردار صحافت کے۔ الفاظ میں ایک صحیح اور صالح ایڈیٹر کی جامع تعریف اور کردار کا نقشہ موجود ہے۔ اگر ہمیں صحافت کو پروقار رکھنا ہے تو سونے چاندے کے ان سایوں سے بچنا ہوگا جن سے ضمیر، نور ایمان اور قلم تک بک جاتے ہیں۔ خودارادی صحافت یہ ہے کہ اپنی مدد آپ کریں۔ اور اپنی مدد آپ اس وقت ہوسکتی ہے جبکہ صحافت کے فروغ کے لیے ان ذرائع کو استعمال کریں جو صحافت کا جزو ایمان ہے۔

اخبار کی خوبصورتی

یہاں کے بعض اخبارات کی ترتیب (سیٹنگ) بعض اوقات بہت خوبصورت اور جاذب نظر ہوتی ہے۔اور بعض دفعہ نہایت بھدی، بے ڈھنگی اور مایوس کن، جس سے اخبار کے صفحے کی بہت سے جگہ بے کار ضائع ہو جاتی ہے۔اگر کوشش کی جائے تو جو جگہ ضائع ہوتی ہے اس کی جگہ دو چار اور خبریں دی جاسکتی ہیں۔ چھپائی کا بھی اکثر یہی حال ہے۔اس کے ذمہ دار پریس ہیں اور لکھائی کے بارے میں کاتب حضرات، اگر برا نہ مانے تو یہ بتانا ضروری ہے کہ گھٹی ہوئی لکھائی زیادہ خوبصورت ہوتی ہے اور اس کی چھپائی بھی اچھی ہوتی ہے۔زیادہ کھلے کھلے الفاظ لکھنے سے کاتب حضرات کا وقت اور محنت تو واقعی کم ہوتی ہے لیکن ان کے فن کی تعریف نہیں ہوتی۔ یہاں کے کاتب ایک سطر میں عام طور پر چھ یا سات الفاظ لکھنے کے عادی ہیں حالانکہ اسی نمبر کے قلم سے اسی مسطر کی ایک سطر میں دس سے بارہ تک الفاظ آسانی سے لکھے جاسکتے ہیں۔ جو بہت خوبصورت نظر آتے ہیں۔

بازار میں فروخت

بازار میں فروخت کے لیے اخبار کو ہر لحاظ سے معیاری بنانا لازمی ہے۔گو دیگر علاقوں کے اخبارات کے مقابلے میں یہاں کے اخبارات کا معیار قابل قدر حد تک بلند ہے۔مگر اسی معیار کو منزل مقصود نہیں سمجھ لینا چاہیے۔نصب العین کم ازکم یہ ہو کہ یہاں کے اخبارات کا معیار قومی اخبارات جیسا ہونا چاہیے۔ پہلے تو معیار بتدریج بلند کرتے جانا چاہیے۔اس کے ساتھ ساتھ اخبارات کی فروخت کے لیے ایجنسیاں قائم کرنا، تیز اور چالاک ہاکر مقرر کرنا بھی لازمی ہے۔اگر موجودہ معیار پر ہی پرچہ بازار میں فروخت کرنا

چاہیں تو اس کی قیمت کم کرنا ہوگی اور وہ زیادہ سے زیادہ پانچ نئے پیسے ہونی چاہیے۔ مگر معیار بلند کر کی سعی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ پرانی اور نقل شدہ خبریں اور مضامین شائع کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اگر یہاں کے پرچوں کا معیار قومی اخبارات کے معیار سے کچھ کم بھی ہو تب بھی یہاں پرچہ تیرہ پیسے میں فروخت ہوسکتا ہے کیوں کہ قومی اخبارات کو ترسیل اور کمیشن کے اخراجات برداشت کرنے ہوتے ہیں، مگر یہاں کے اخبارات کو شہر میں بیچنے کے لیے ترسیل کا خرچ برداشت نہیں کرنا پڑتا اور اگر ہاکر تنخواہ وار ہوں تو کمیشن کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ ورنہ صرف کمیشن دینا پڑے اور کمیشن قومی اخبارات سے زیادہ بھی دیا جائے تو نقصان نہیں ہو گا۔ یاد رکھیے یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ اخبارات کی زندگی ان کی اشاعت پر ہوتی ہے نہ کہ اشتہارات پر۔ جب اشاعت زیادہ ہوگی تو اشتہارات خود بخود آئیں گے۔

اشتہاروں کا حصول

جب تک اور شہروں کی طرح یہاں بھی اشتہار فراہم کرنے والی کمپنی یا ایجنسی قائم نہ کی جائے اور اشتہار حاصل کر اخباروں کو مہیا کرنے والے ایجنٹ مقرر نہ ہوں جو کمیشن پر کام کریں۔ اشتہاروں کا حصول ایک مشکل امر ضرور رہے گا۔ اگر کوشش کی جائے ،اور اچھے کارکنوں کو اس بات پر آمادہ کیا جاسکے کہ وہ ایسی کمپنی قائم کریں تو فبہا۔ ورنہ صحافی حضرات مل کر خود ایک اشتہار حاصل کر کے اخباروں کو اشتہار فراہم کرنے والی کمپنی یا ایجنسی قائم کرسکتے ہیں۔ یہ مشکل آسانی سے حل ہوسکتی ہے۔اس میں کسی سرمایہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ صرف ایک دفتر کھولنا ہوگا۔

مختلف موقعوں پر لوگ بینڈ بل اور پوسٹر چھپوا کر تقسیم کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ

وہ اخبار کو اشتہار نہ دیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ اشتہار دینے والے لوگ سمجھتے ہوں کہ اخبار میں اشتہار دے کر جو پبلسٹی ہوتی ہے وہ ناکافی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو بتایا اور سمجھایا جائے کہ ہینڈ بل اور پوسٹر کو لوگ اتنی توجہ اور دلچسپی سے دیکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں۔ جتنی توجہ سے اخبار پڑھے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اگر اخبارات میں اشتہارات دیں گے تو ہینڈ بل یا پوسٹر کے چھپوا کر تقسیم کرنے یا چسپاں کرانے کے خرچ اور زحمت سے بچیں گے اور ان کے ضیاع سے بھی محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ اخبار ہر جگہ مشتہر کے اس فالتو خرچ اور زحمت کے بغیر دور دور پہنچ جاتے ہیں اور ایک اخبار میں چھپنے والے اشتہار کو کئی لوگ دیکھنے اور پڑھتے ہیں۔

یہاں کے کچھ ایڈیٹروں نے انفرادی طور پر بڑے بڑے شہروں میں جا کر اشتہار حاصل کیے۔ ان کی طرح ہر اخبار نویس خود یا اپنے نمائندوں کے ذریعے اشتہار حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر بہترین تدبیر یہی ہے کہ اشتہارات کے حصول کے لیے کمپنی، فرم یا ایجنسی قائم کی جائے۔ پھر کسی اخبار نویس کو باہر جا کر اشتہارات حاصل کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ وہ کمپنی یا ایجنسی خود اشتہارات فراہم کر کے اخبارات کو مہیا کرے گی۔

مقامی خبروں کا فقدان

یہاں کے روزناموں اور دیگر اخبارات کی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ ان میں سب سے زیادہ مقامی خبریں ہوں۔ ان کے بعد قومی اور آخر بین الاقوامی اہم خبروں کو جگہ دی جائے۔ مقامی اخبارات میں مقامی مسائل، خبریں، حالات زیادہ ہوں گے وہ اتنے ہی زیادہ مقبول ہوں گے۔ لیکن یہاں کے اخبارات میں مقامی خبریں اکثر بہت کم اور برائے نام ہوتی ہیں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ قومی اخبارات میں یہاں کے کسی روزنامے

کے مقابلے میں وادی بولان کی اہم خبریں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ بہت مرتبہ کوئٹہ شہر کی اہم سٹریٹ نیوز یہاں کے کسی روزنامے میں شائع نہیں ہوتی اور دو دن بعد وہ قومی اخبارات میں چھپ کر آ جاتی ہے۔ اس کیلیے شہر کی خبروں پر کڑی نظر ہونی چاہیے، اور دور کے مقامات پر کم از کم ہر ضلع میں نامہ نگار مقرر ہونے چاہئیں، اور جب مقامی خبریں اور مسائل مقامی اخبارات میں زیادہ شائع ہوں گے تو لازمی بات ہے کہ قارئین کی دلچسپی بڑھے گی۔ دلچسپی بڑھے گی تو اخبار کی اشاعت بھی زیادہ ہوگی۔ کم از کم پہلے اور آخری صفحوں پر مقامی خبریں زیادہ ہونی چاہئیں، اور اگر شہ سرخی بھی مقامی خبر کی ہو تو زیادہ موزوں اور بہتر ہوگا۔

کارٹون اور تصویری کہانیاں

آج طنزیہ اور مزاحیہ کارٹون بڑی دلچسپی اور ذوق وشوق سے دیکھے جاتے ہیں، اور تصویری کہانیاں جو پہلے قسط وار بچوں کے لیے ہوا کرتی تھیں اسی قسم کی تصویری کہانیاں آج بچوں سے زیادہ بڑے پسند کرتے ہیں عوام تصویری کہانی پڑھنے کے خوگر یا عادی بنا دیجیے وہ آپ کے اخبار کے مستقل خریدار رہیں گے۔ اسی طرح دلچسپ تعمیری، طنزانگیز کارٹون چھاپیے۔ اخبار کی مانگ اور اشاعت بڑھے گی۔ اگر کسی مغربی ملک سے فیچر سنڈیکیٹ کی باتصویر کہانیاں حاصل نہیں کر سکتے تو آرٹسٹ مہیا کیجیئے جو آپ کے اخبار کے لیے باتصویر کہانیاں بنا سکے۔ یا کہانی کی تصویریں بنا سکے اور اسی طرح روزمرہ حالات، تقریبات، حادثات واقعات کے متعلق تصاویر بھی ضرور چھاپنی چاہئیں۔ کیوں کہ صحافت کے ارتقا کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہاں کے اخبارات میں کارٹون، تصویری کہانیوں باتصویر مضامین اور فیچر کی بہت کمی ہے۔ کوشش کر کے مقامی اور اچھے ذہین لوگوں کے تعمیر آرٹیکل چھاپیے۔ اخبار مقبولیت حاصل کرے گا۔

نیوز پرنٹ کا مسئلہ

آج کل نیوز پرنٹ کی نایابی کا مسئلہ تو باقی نہیں ہے لیکن اس کی گرانی کا مسئلہ ضرور موجود ہے۔ وہ نیوز پرنٹ جو پہلے پانچ چھ روپے ریم ملا کرتا تھا اب سولہ سترہ روپے ریم ہے۔ اور کچھ دن پہلے اکیس بائیس روپے ریم تک جا پہنچا تھا۔ اس کا علاج یہاں کے صحافیوں نے سوچا تھا اور یہاں ایک پریس سنڈیکیٹ قائم ہوا تھا لیکن اسے باقاعدہ چلانے کا مسئلہ سامنے تھا۔ اور اس قائم شدہ تنظیم کو ذاتی جھگڑوں اور اختلافات کی نذر ہونا پڑا۔ اس تنظیم کو باقاعدہ اور خلوص سے چلانے کی کوشش کی جاتی تو نیوز پرنٹ کی نہ قلت رہتی، نہ کاغذ مہنگا ملتا، اب بھی اس کا یہی علاج ہے۔

امدادی فنڈ

پاکستان کے دوسرے شہروں میں صحافیوں نے اپنے لیے امدادی فنڈ قائم کر رکھے ہیں۔ لیکن یہاں ایسا کوئی فنڈ نہیں ہے۔ اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت صحافی حضرات کو ایک ایسا فنڈ قائم کرنا چاہیے تاکہ ضرورت اور مصیبت کے وقت اس فنڈ سے صحافیوں کی امداد ہو سکے۔ اگر یہ فنڈ قائم ہو جائے تو اس کے لیے عطیات بھی مل سکتے ہیں۔

بلوں کی وصولی

بلوں کی وصولی کی تاخیر کو صرف دو صورتوں میں برداشت کیا جا سکتا ہے۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ اخبارات کے مالی وسائل اتنے اچھے ہوں کہ یہ ضرورت ہی نہ پڑے کہ یہ دیکھا جائے کہ بل کب وصول ہوتا ہے لیکن اس کے لیے اخبار کو سرمایہ دار بننا پڑے گا۔ یعنی اخبار کا محفوظ سرمایہ ہونا چاہیے۔ جو بہت مشکل کام ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تھرفٹ اینڈ کریڈٹ قسم کو کوئی سوسائٹی قائم کی جائے جیسی ڈیلی گروپ کے زمانے میں قائم ہوئی تھی۔ مگر اسے بھی چلانے کے لیے خلوص اور ایثار کی ضرورت ہو گی۔ اگر کوئی منظّم

مربوط اور اچھے قواعد وضوابط کے تحت چلنے والی سوسائٹی قائم ہو سکے تو بلوں کی وصولی کی تاخیر چنداں پروانہیں رہے گی۔ کیونکہ محکمہ اطلاعات کے ذریعے جو اشتہارات آتے ہیں۔ان کے لیے تو محکمہ مذکورہ کوشاں رہتا ہے مگر جو اس محکمے کے علاوہ دیگر ذرائع سے اشتہارات آتے ہیں۔ ان کے بلوں میں جو تاخیر ہوتی ہے اس کا علاج کریڈٹ اینڈ تھرفٹ جیسی تنظیم کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔

خبروں کی سرخیاں

یہاں کے اخبارات میں خبروں کی سرخیاں مضمون کے مطابق تو ہوتی ہے لیکن انھیں زیادہ دل کش اور دلچسپ ہونا چاہیے تاکہ عوام کے سامنے اخبار آتے ہی اس کی سرخیاں خود اپیل کریں کہ انھیں پڑھا جائے اور لوگ دلچسپی سے خبریں پڑھیں۔خبروں کی ساخت وترتیب بھی دلچسپ اور ماہرانہ انداز میں ہونی چاہیے۔

اشتہاروں کی سرخیاں اور مضمون

اشتہاروں کے مضمون اور سرخیاں جاذب توجہ باندھنا اور سرخیاں قائم کرنا بھی ایک فن ہے۔اس کے لیے بہت محنت اور ذہانت کی ضرورت ہے۔اشتہار کم سے کم الفاظ میں اس قدر دل کش اور جامع مرتب کیے جائیں کہ قارئین کی نظر ان پر پڑے تو وہ اسے پڑھے بغیر نہ رہ سکیں۔اس کے لیے باقاعدہ مطالعہ اور مشاہدے کی بہت ضرورت ہے۔ اشتہارات کے بارے میں اگر نمونے درکار ہوں تو قومی اخبارات اور مغربی ممالک کے انگریزی اخبارات اور رسائل سے بہت رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے جن میں عجیب عجیب انداز اور سلیقے سے جاذبیت سمودی جاتی ہے اور چونکہ اخبارات کی حیات اشاعت کے بعد اشتہارات پر منحصر ہوتی ہے،اس پر ڈسپلے کرنا سودمند ہوگا۔اشتہارات میں غلطی تو کبھی برداشت ہی نہیں کی جاسکتی۔ان کا پروف بڑی عمیق نظروں سے پڑھنا چاہیے۔

بلاک سازی کا پلانٹ

اس باب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ تصاویر زیادہ سے زیادہ شائع کرنی چاہئیں۔موجودہ وقت کا تقاضا ہے کہ سمعی و بصری طریقہ سے عوام کے اذہان کو متاثر کیا جائے۔اس لیے زمانے کے تقاضے کے مطابق صحافی حضرات کو اپنے اخبارات کا معیار بلند کر کے اخباروں کی اشاعت بڑھانا چاہیے۔تاخیر اور خرچ سے بچنے کے لیے یہاں بلاک سازی کا پلانٹ ضرور ہونا چاہیے۔کوشش کر کے بلاک سازی کا یہاں کی ضروریات کے مطابق چھوٹا سا پلانٹ بھی لگوایا جا سکتا ہے۔اور یہ کام امداد باہمی کے ذریعے آسانی سے انجام دیا جا سکتا ہے۔

اپنا پریس

کم از کم روزنامہ اخبار کا اپنا پریس ہونا لازمی ہے۔اس کے بغیر روزنامہ اخبار چلانا بڑی دقتوں کا سامنا کرنے کے مترادف ہے۔

پلے بیک ایڈیٹر کیوں؟

پچھلے باب میں ہم یہاں کے ان عامل ایڈیٹروں کو "پلے بیک ایڈیٹر" لکھنے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ ان بیچاروں کے نام اخبار کے ٹائٹل پر نہیں لکھے جاتے حالانکہ وہ ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے اس علاقے کے کئی افراد کا کام اکیلے کرتے ہیں۔اگر ان کے نام اخبار کے ٹائٹل پر سب ایڈیٹر یا اسسٹنٹ ایڈیٹر یا ادارہ تحریر کے رکن کی حیثیت سے درج کیے جائیں تو یقیناً وہ اور زیادہ محنت اور جانفشانی سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں گے۔کتنی حیران کن بات ہے کہ یہاں کے روزنامے اور ہفتہ وار اخبارات اپنے نامہ نگاروں اور نمائندوں کے حوالے سے خبریں شائع کر کے انھیں تو تسلیم کرتے ہیں۔لیکن

جو ایڈیٹر یہاں سب سے زیادہ کام کرتے ہیں انھیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس سے عامل صحافیوں کی دیانت اور اعتماد سخت مجروح ہوتے ہیں۔

ممدوح نہ بنایے

بلا ناغہ کسی شخص کا بیان، اس کے متعلق مبالغہ آمیز خبریں اس کی حمایت میں فرضی اور اصلی مراسلے اور اس کی طرف سے تبصرے وغیرہ اخبار کے پہلے صفحے یا اہم مقامات پر چھاپتے رہنا اور اسی پر اکتفا نہ کرنا۔ اس کی تصویر بھی ہر روز چھاپتے رہنا ایک ایسا اقدام ہے جو عوام کے دلوں میں ایسے اخبار کا وقار ذرہ بھر باقی نہیں رہنے دیتا۔ قارئین اس اخبار نویس کو جانبدار، انتہائی خوشامدی، پٹھو اور خدا جانے کیا کیا کہنے لگتے ہیں، اور یہ کہ فلاں اخبار فلاں شخص کی جیب میں ہے۔ ایسے اخبار کا نہ اثر رہتا ہے، نہ رسوخ نہ وقعت۔ اس لیے کسی اخبار کو ایسا ممدوح نہیں بنانا چاہیے جو اس اخبار کو بے وقعت اور چھیڑا بنا کے رکھ دے۔

اخبار کے صفحات پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ ملک اور قوم کے لیے ہوتا ہے۔ اور قارئین پر کتنا ظلم ہے کہ ایک اخبار کسی خاص شخص کے بیان، تعریف، خبر، تصویر بلا ناغہ چھاپنے کے بعد عوام کو اپنا اخبار پڑھنے پر مجبور کرے۔ البتہ عام ملک اور قوم کے لیے کوئی شخص بہتری اور بہبود کا کام کرتا ہے تو اس کی تعریف، اس کی خدمت، ایثار اور خلوق کے مطابق کر دی جائے تو وہ اس کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن قصیدہ خوانی، ثنا اور توصیف مسلسل مہینوں اور برسوں اور وہ بھی با تصویر کی جائے تو یہ اقدام صحافی اور صحافت دونوں کے لیے تذلیل کا باعث ہے۔ اخبار تو اس لیے ہوتا ہے کہ اس میں حقائق پر مبنی خبریں، بے لاگ تنقید، تعمیری تبصرے ہوں۔ عوام کے جائز مطالبات اور تکالیف کی بے باک ترجمانی کریں اور جو شخص ملک وملت کے لیے اہم خدمات انجام دے اس کی خدمات کا بلا مبالغہ

اعتراف کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن کسی ایسے شخص کی تعریف جس نے صرف مالک اخبار کو کچھ فائدہ پہنچایا، اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا اور اس شخص کے تاریک پہلوؤں کو دبا کر چھپانے کی کوشش بلکہ ایک قدم اور آگے اس کی برائیوں کو بھی بھلائی گنوانا صحافت کی سے بڑی بددیانتی ہے، اور ہر سمجھدار شخص کے خیال میں یہ بھی یلو جرنلزم کا ایک پہلو ہے۔

دشمن نہ بنایئے

ایسا کم دیکھنے میں آیا ہے، پھر بھی یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ کسی اخبار نویس کو کسی سے معمولی سا ذاتی اختلاف ہوا اور اس کے خلاف دھڑا دھڑ اخبار کے کال سیاہ ہوتے چلے گئے۔ ایسی خواہ مخواہ کی دشمنی مول لینا دانشمندی نہیں۔ ایک صحافی کو دشمنی ملک کے بدعنوان، شرپسندوں، معاشرتی برائیوں، وطن اور سماج دشمن عناصر سے ہونی چاہیے۔ لیکن کسی معزز شہری کے خلاف کسی معمولی سے لغزش پر محاذ قائم کر لینا ضابطہ اخلاق صحافت کے منافی بات ہے۔ جتنی لغزش ہوئی ہے، حقیقت نگاری اتنا ہی لکھنے کی اجازت تو دے سکتی ہے، مگر رائی کا پہاڑ خواہ مخواہ بنا کر دشمنی لینا ایک اچھے صحافی کا وطیرہ نہیں۔

آپس کی ناچاقی

اتفاق میں کتنی طاقت اور برکت ہے۔ یہ سب جانتے ہیں مگر افسوس اس وقت ہوتا ہے جب دو صحافی کسی معمولی سے اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں لڑتے نے اور اپنے اخبار کو دوسرے کے اخبار سے لڑانے لگتے ہیں اور قارئین کو ہر دو اپنی نا اتفاقی اور جنگ کا تماشا دکھاتے ہیں۔ دو اخبارات کے ایڈیٹروں کی آپس کی جنگ سے ان کا وقار قارئین کی نظروں میں گر جاتا ہے اور دونوں بے وقعت سمجھے جانے لگتے ہیں۔ اس جنگ سے بعض اوقات دو گروہ بن جاتے ہیں اور ایک ہی شہر یا علاقے کے اخبارات کسی نہ کسی گروہ میں

شامل ہوکر قلم بازی دکھانے لگتے ہیں۔ایسی جنگ صحافت کی تذلیل کا باعث ہوتی ہے اور مفاد پرست لوگ اس سے فائدہ بھی اٹھاجاتے ہیں۔صحافت کا احترام اس صورت میں سخت مجروح ہوتا ہے۔اسے بچانے کے لیے آپس میں افہام وتفہیم سے کام لے کر غلط فہمی دور کرلینی چاہیے،اور اپنے اخبار کو اس جنگ میں ہرگز ملوث نہ کرنا چاہیے۔اس بعدت کو روکنے کے لیے سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ وادی بولان کے صحافی ہوں یا سارے پاکستان کے صحافی، سب مل کر متفقہ طور ریہ طے کرلیں کہ کبھی کوئی اخبار نویس اپنے کسی دوسرے بھائی کے خلاف کچھ نہیں لکھے گا۔

اگر صحافی حضرات پیشہ وارانہ حد کو رشک میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں تو اختلاف پیدا ہونے کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں۔اگر صحافی حضرات مل کر یہ تہیہ کرلیں اور اس بات پر سختی سے پابند ہوجائیں کہ ایک دوسرے کی برائی ،غیبت ، کسی غیر صحافی یا افسر کے سامنے اپنے ذاتی مفاد کے حصول کے لیے نہ کریں گے تو آپس میں رواداری، ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔خلوص غالب آئے گا اور منافرت کی خلیج ہٹ جائے گی اور ایک دوسرے کی دل سے مدد کرنے کا جذبہ جب ابھرے گا تو اس طرح صحافیوں کا وقار بڑھے گا اور ان کے اخبار کی بھی قدر ہوگی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک صحافی اپنے دوسرے صحافی بھائی کیخلاف اس لیے محاذ بنالیتا ہے کہ دوسرے صحافی نے پہلے صحافی کے کسی دوست یا رشتہ دار کے خلاف اپنے اخبار میں کچھ لکھ دیا اور کچھ لکھا گیا، وہ ذاتی حیثیت یا کسی ذاتی پرخاش کی بناء پرنہیں بلکہ مفاد عامہ کی خاطر لکھا گیا۔اس صورت میں افہام وتفہیم سے کام لیا جاسکتا ہے اور غلط فہمی دور کی جاسکتی ہے،مگر پہلے صحافی کے خلاف ایک محاذ کر مخالفت شروع کردینا بہت غلط وطیرہ ہے۔ اگر پہلے اخبار نویس نے کسی شخص کی بدعنوانیاں بیان کی ہیں جو حقیقت پر مبنی ہیں اور مفاد عامہ کے لیے مضر ہیں تو اس صحافی کے خلاف محاذ قائم کرنے کا

صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ محاذ قائم کرنے والے بدعنوان کے حامی ہیں۔مگر کوئی اخبار نویس کسی بدعنوان کی حمایت اس لیے نہیں کرے گا کہ وہ بھی بدعنوان کا حامی کہلائے۔پھر ایسے محاذ کی تشکیل سراسر صحافت کی تذلیل ہے۔اس سے بچنا چاہیے۔

منافقت کا ازالہ

فتنہ انگیز، منافق، ہر جماعت اور ہر گروہ میں ایک آدھ ضرور ہوتا ہے۔اس کا کام دوستی کے پردے میں صرف اپنا الو سیدھا کرنا ہوتا ہے اور وہ منافقت سے کام لیتا ہے۔ایسے منافقت پسند لوگ جماعت اور گروہ میں نفاق کا بیج بونے کے لیے جماعت یا گروہ میں بہت مل جل کر رہتے ہیں تاکہ اپنے مفاد کی نگرانی کرتے ہوئے اپنی مطلب برآوری میں مصروف رہ سکیں۔وہ اپنے مخالف پر، جوان پر بدعنوانی،شرارت کو کامیاب نہ ہونے دے، طرح طرح کے سوقیانہ الزام، بہتان، افتر باندھ کر ان کی حمایت حاصل کرتے رہے ہیں جن کے ذریعے ایک دوسرے کے مفادات پورے ہونے کی توقع ہو۔ بدقسمتی سے وادی بولان کے صحافیوں میں بھی ایک آدھ ایسا فرد موجود رہا ہے اور ایسا آدمی ڈھکا چھپا بھی زیادہ عرصہ نہیں رہ سکتا۔اسے سب پہچانتے ہیں۔جو شخص ایک جماعت کو منافقت سے نااتفاقی اور انتشار میں مبتلا رکھ کر اپنا الو سیدھا کرتا رہتا ہے۔اسے صحافت کے وقار اور آپس کے اتحاد کے لیے بڑی آسانی سے راہِ راست پر لایا جاسکتا ہے، مگر حیرانی اس وقت ہوتی ہے کہ دونوں گروہ جانتے ہیں کہ ان کے درمیان منافق موجود ہے جو گروہ کے اتحاد کو نقصان پہنچا رہا ہے اور دونوں گروہ مصلحت بنی یا کسی اور وجہ سے اس منافق کو اپنے اتحاد اور اتفاق پر ترجیح دے کر اپنے ساتھ ملائے رکھتے ہیں اور وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔وہ اگر آج ایک گروہ کو ذلیل کرا رہا ہے تو کل اپنے مفاد کی خاطر دوسرے گروہ کو ذلیل کرانے سے دریغ نہیں کرتا۔ایسے منافق سے بچ

کر صحافت کو منافقت سے بچانا ضروری ہے۔ ایسے منافق کو صحافیوں کے اتحاد سے نہ کھیلنے دیں۔ خود اور اپنے دوسرے صحافی بھائیوں کو اس کا شکار نہ ہونے دیں۔ پھر دیکھیں آپ کا اتحاد، آپ کا وقار کتنا بلند ہوتا ہے۔ اگر صحافی حضرات میں اپنے بھائیوں کے لیے ہمدردی ،احترام، ایثار، اتفاق اور خلوص نہیں ہے تو وہ عوام کو کیونکر ان باتوں کی تلقین کر سکتے ہیں۔

دوسرے اخبار میں تردید

اکثر ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ ایک اخبار میں کوئی خبر کسی شخص کے خلاف شائع ہوئی (ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی برائی، اگرچہ وہ اس میں موجود ہی کیوں نہ ہو، چھپانا پسند کرتا ہے) اگر خبر غلط ہے اور اس سے اس کی شہرت اور عزت کو نقصان کا خطرہ ہے تو اسے اس اخبار کو تردید کے لیے کہنا چاہیے۔ اس اخبار کا ایسی صورت میں یہ فرض ہوگا کہ وہ تردید اور معذرت شائع کرے، مگر ایسا نہیں ہوتا۔ وہ شخص دوسرے اخبارات کے پاس پہنچتا ہے اور اس خبر کی تردید کرانا چاہتا ہے۔ ان اخباروں میں جن میں وہ خبر شائع ہوئی ہو۔ یہ طریقہ غلط ہے اور دوسرے کسی اخبار کو اس کی تردید چھاپنی نہیں چاہیے ورنہ تردید چھاپنے کا دوسرا مطلب ہوگا۔ اس سے بھی صحافیوں میں انتشار پیدا ہوتا ہو۔

جلسوں میں اخبار کی تقسیم

دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ کسی تقریب یا جلسہ میں اس تقریب کے نمبر شائع کر کے بعض ایڈیٹر حضرات خود حاضرین جلسہ میں اپنا اخبار تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔ یہ اقدام پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کسی تقریب کے متعلق اخبار کا نمبر یا ضمیمہ شائع کرایا گیا ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ مگر برائی یہ ہے کہ کوئی ایڈیٹر خود نمبر یا ضمیمہ تقسیم کرتا پھرے۔ یہ کام اپنے دفتر کے عملے سے کرانا چاہیے۔

اس طرح کسی اہم شخصیت کو جب وہ کسی تقریب میں شرکت لیے آ رہے ہوں یا تقریب کے بعد جا رہے ہوں، ایک ایڈیٹر کا اپنا اخبار خود اسے پیش کرنا ایک بہت ہی سبک بات ہے۔

پریس کانفرنس کے آداب

اگر بات چیت کے لیے صحافیوں کو پریس کانفرنس بلایا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صحافی حضرات ایک مبصر کی حیثیت سے اس کانفرنس میں بیٹھ کر بات چیت کو سنیں اور نوٹ کرنے کے قابل باتیں نوٹ کریں۔ اور پھر اپنے اخبار میں اس کاروائی کو شائع کریں یا نہ کریں یہ ان کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس میٹنگ کے بارے میں تنقید وتبصرہ اپنے اخبار میں شائع کرنا یا نہ کرنا ان کا حق ہے۔ ایسی میٹنگ میں اگر کسی صحافی سے معاملے میں اس کی رائے یا تجویز طلب کی جائے تو صحافی اپنی رائے اور تجویز پیش کرنے میں مختار ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اس میٹنگ میں خواہ مخواہ کسی مسئلے کی مخالفت یا موافقت میں میٹنگ کے ممبروں سے الجھ پڑنا ایک صحافی کا کام نہیں۔ اور نہ ہی میٹنگ کی کاروائی میں خواہ دخل در معقولات ہونا اس کو زیب دیتا ہے۔ جس کے پاس اپنی زبان کے علاوہ ایک اہم ہتھیار اپنے خیالات، اپنے دلائل، اپنی رائے، اپنی تجویز پیش کرنے کے لیے موجود ہو۔ جسے اخبار سمجھتے ہیں۔

اسی طرح کسی پریس کانفرنس میں باتیں سننے وسوالات پوچھنے کا حق صحافی کو حاصل ہے اور اگر کسی صحافی کی رائے یا تجویز پوچھی جائے تو وہ بھی بتائی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر پریس کانفرنس بلانے والے کی جگہ کوئی صحافی خود لے لے۔ اور کسی صحافی کے سوال کا جواب بھی کوئی صحافی دینے لگ جائے تو یہ طرز عمل دانشمندانہ ہے نہ صحافت کے شایان شان۔ ایسے طرز عمل سے صحافیوں کو اپنے وقار کو مجروح نہیں کرنا چاہیے، اور پریس کانفرنس کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

افسوسناک بے حسی

وادی بولان کے صحافیوں نے اکثر اپنے صحافی بھائیوں کی مصیبت، گرفتاری وغیرہ کے موقع پر کسی صحافی کی تذلیل و تحقیر کی جرات آفریں اقدام کیے ہیں۔ متفقہ طور پر خبروں کا بائیکاٹ کیا گیا اور اہم قرار دادیں منظور کر کے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا اور اکثر اپنے مطالبات منوا کر دم لیا۔ وادی بولان کے صحافی وطن عزیز کے دوسرے حصوں میں مقیم صحافیوں کے غم اور خوشی میں پیش پیش رہے ہے۔ ایسے بیسیوں قابل مبارک باد اقدام وادی بولان کے صحافیوں نے کیے۔ اداریے لکھے، صحافیوں پر ظلم و تشدد اور توہین آمیز سلوک کے خلاف آواز اٹھائی، احتجاج کیے۔ لیکن بعض اوقات ایسا افسوسناک واقعہ بھی ہوا کہ کسی کی گرفتاری یا تحقیر و توہین پر یہاں کے صحافی بالکل چپ سادھ کر بیٹھ گئے اور ایک لفظ بھی اس واقعہ کے متعلق لکھنا گوارہ نہ کیا اور ستم ظریفی یہ کہ بعض دفعہ ایک آدھ اخبار نے ایسے گرفتاری اور قید کے اقدام کو سراہا بھی۔ یہ نہایت افسوسناک امر ہے۔ ایسے بے حسی کے افسوسناک مظاہرے صرف آپس کی پھوٹ، ذاتی اختلافات اور رنجشوں کی وجہ سے ہوئے۔ ایسے موقع پر دشمن کو بھی ترس آجاتا ہے۔ چہ جائیکہ صحافی حضرات اپنے کسی بھائی کی گرفتاری یا حراست پر ایسی تنگ دلی اور بے حسی کا مظاہرہ کریں۔ ایسے موقعوں پر تمام صحافیوں کو اپنی ذاتی مخالفت اور رنجشوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے صحافی بھائی کو قید و حراست سے رہا کرانے یا اس کے لیے عدالتی انصاف طلب کرنے کے لیے متحد و متفق ہو کر دل سے جدوجہد کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں ۱۹۶۴ء میں مسٹر گل میں اریوری، ایڈیٹر "تعمیر بلوچستان" مستونگ گرفتار ہونے کی ایک مثال کافی ہے۔ ہم پاکستان کے کسی بھی حصے میں اپنے کسی بھی بھائی کی گرفتاری پر تو قرار دادیں منظور کرتے رہتے ہیں۔ مگر یہاں کے صحافی کے گرفتار ہونے پر کسی بھی صحافی نے ایک حرف تک نہیں لکھا۔ یہ بہت افسوسناک امر ہے۔

صحافی کی موت کا سامان

وادی بولان کے بعض اخبارات اور صحافیوں کے خلاف اپنی ذاتی رنجش اور کسی افسر اعلیٰ کے اشارے پر یہاں کے بعض صحافیوں نے ایسی خبریں بھی شائع کیں اور ایسے اقدامات کیے جن کو بنیاد بنا کر اخبار کی موت یا صحافی کو صحافت بدر کرنے کے انتظام کیے گئے۔ صحافت کا تقاضا اور صحافی کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے صحافی بھائی کے اخبار کی موت کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کرے۔ صحافت میں ایسی پست باتوں اور اقدامات سے صحافیوں کو قطعاً پرہیز کرنا چاہیے۔ کیوں کہ کل کلاں ان صحافیوں کو بھی ایسے واقعات سے دوچار ہونے کا قوی امکان پیدا ہوسکتا ہے۔ جو کسی اور کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود بھی ایسے ہی گڑھے میں گر سکتا ہے۔ ایک صحافی کو دوسرے کے مفاد کا تحفظ مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

ویوز پیپر

کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے تمام اخبارات میں ایک بھی ویوز پیپر نہیں ہے۔ اور یہ بہت بڑی کمی ہے۔ موجودہ ہفتہ وار اخباروں میں سے ایک کو با آسانی ویوز پیپر بنایا جاسکتا ہے۔ یا اس مقصد کے لیے نیا اخبار جاری کیا جاسکتا ہے۔ اس کمی کو دیکھیے کون اور کب پورا کرنے کے لیے میدان عمل میں آتا ہے۔

اٹھتیسواں باب

کچھ اور مشکلات

اس عنوان کے تحت یہاں کے صحافیوں کے کچھ مطالبات اور مشکلات پیش کی جا رہی ہیں:۔

خبریں فراہم کرنے میں امتیاز

جرائم کی خبریں، کوئٹہ میونسپلٹی، جیولاجیکل سروے، ریلوے انسپکٹر آف مائنز، موسمیات، جیوفزکس، آبزریٹری، سموگراف محکمہ صحت وغیرہ ادارے براہ راست کچھ اخباروں کو خبریں مہیا کرتے ہیں۔ اور خدا جانے کیوں ان اداروں کو ایک دو اخبار اور ایک آدھ نیوز ایجنسی ہی پسند ہیں۔ باقی اخبارات قومی ہوں یا مقامی شاید ان کی نظر میں معیاری نہیں یا وہ اردو میں چھپتے ہیں۔ بہرصورت خبریں فراہم کرنے میں یہ ادارے امتیاز برتتے ہیں۔ اور اگر ان محکموں کی توجہ اس طرف مبذول بھی کرائی جائے تو یہ محکمے پھر بھی کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ان محکموں کی خبریں اول تو محکمہ اطلاعات کے ذریعے مہیا کرنے چاہئیں اور اگر وہ یہ کام اپنے ہی ذمہ رکھنا چاہتے ہیں تو انھیں قومی اخبارات اور مقامی اہم اخبارات کے نمائندوں کو بیک وقت خبریں مہیا کرنی چاہئیں۔ ان محکموں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان محکموں کی بعض خبروں کی اہمیت مقامی، قومی اور بین الاقوامی دلچسپی کی ہوتی ہے۔ اس لیے انھیں خبریں مہیا کرنے میں امتیاز کو مدنظر نہیں رکھنا چاہیے۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک رکھنا چاہیے۔

افسران رابطہ کا فقدان

محکمہ پولیس کے ڈی آئی جی مسٹر محمد یوسف اورک زئی نے صحافیوں کی درخواست پر جرائم کی خبروں کے باقاعدہ ہینڈ آؤٹ کرنے کے لیے افسر رابطہ مقرر کر دیا تھا اور اب سپرنٹنڈنٹ پولیس یہ فرض ادا کرتے ہیں۔ مگر کوئٹہ میونسپلٹی، جیولاجیکل سروے، ریلوے، انسپکٹریٹ آف مائینز، جیوفزکس، آبزرویٹری، سسموگراف، محکمہ تعلیم، محکمہ صحت، سول اسپتال اور مسلح افواج کے افسران رابطہ نہیں ہیں اور کسی خبر کی تصدیق یا تفصیل کے لیے جب ان اداروں کو ٹیلی فون کیا جاتا ہے تو پہلا جواب عام طور پر یہ ملتا ہے کہ فلاں صاحب سے پوچھیے۔ اور جب فلاں صاحب سے پوچھا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ مجھے اس کے متعلق علم نہیں، فلاں صاحب سے پوچھیے اور نوبت محکمہ کے سربراہ تک پہنچ جاتی ہے اور انھیں جب ٹیلی فون کیا جائے تو ان کا سٹینو یا کلرک جواب دیتا ہے کہ سربراہ صاحب باہر دورے پر گئے، جب وہ آئیں گے تو بتا سکیں گے۔ اب بتایئے کہ خبر کی تصدیق کیسے ہو، اور اس کی تفصیلات کیسے معلوم ہوں۔ اس لیے ان محکموں کو اپنے افسران رابطہ ضرور مقرر کرنے چاہئیں۔ ورنہ خبریں محکمہ اطلاعات کے ذریعے بہم پہنچائی جائیں۔ اس کے بعد بھی افسران رابطہ کا تقرر ضروری ہے، کیوں کہ کسی خبر سے متعلق تفصیل یا خبر کے کسی پہلو کے بارے میں دریافت کرنا ہو تو افسر رابطہ کی طرف سے ہی رجوع کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔

صحافیوں کی بستی

کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے اکثر صحافیوں کے پاس اپنے ذاتی رہائشی مکان نہیں ہیں اور سوائے ایک دو کے سب کرایوں کے مکانوں میں رہتے ہیں اور پاکستان کے کئی شہروں میں حکومت نے صحافیوں کی بستی یا انھیں کم قیمت پر پلاٹ مہیا کرنے یا مکانات تعمیر کرا کے معمولی قسطوں پر دینے کی اسکیمیں منظور کی ہیں۔ مگر کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں کے صحافیوں کے لیے جو کرایوں کے مکانوں میں رہتے ہیں ان کے متعلق شاید یہ سوچا ہی نہیں گیا کہ انھیں رہائش کے لیے مکان مہیا کرنے کی سہولت دی جائے۔

کوئٹہ کے نزدیک حکومت ایک نواحی بستی تعمیر کر رہی ہے جس کا سنگ بنیاد صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے رکھا تھا۔ اس بستی میں یا کسی اور جگہ صحافیوں کو کرایہ کی لعنت سے بچانے کے لیے حکومت مکان یا پلاٹ مہیا کر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ کول مائینز کے مزدوروں تک کے لیے پلاٹ وقف کر دیے گئے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے یہاں کے صحافیوں کے لیے جو حکومت کے ترقیاتی پروگراموں کی صحیح اور بے انتہا پبلسٹی کرتے ہیں، سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں کے صحافیوں کی دراصل نواحی بستی میں ایک الگ کالونی بسا دی جائے تو اچھا ہے۔ پلاٹ اور مکان جو صحافیوں کے الاٹ کیے جائیں ان کی قیمت میں خاص طور پر رعایت دی جائے اور وہ بہت آسان قسطوں میں وصول کی جائے۔

ہنوز وعدہ فردا ہے

وادی بولان کے اکثر صحافیوں کی یہ بدقسمتی ہے ہے کہ انھیں اب تک باہر کے ملکوں کی سیاست یا دوروں کا موقع نہیں ملا ہے۔ کراچی، لاہور، راولپنڈی کے صحافی اور عامل صحافی بیرونی ملکوں میں آئے دن آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن اس علاقے کے صحافیوں پر اب تک محکمہ خارجہ یا وزارت اطلاعات ونشریات کی نظر نہیں پڑی۔ باوجودیکہ کئی وزرا صاحبان کے سامنے کوئٹہ کے دورے کے دوران یہ مطالبہ پیش کیا گیا۔ سب نے اس حق تلفی کو محسوس اور تسلیم کیا لیکن آج تک اس کا نتیجہ نہیں نکلا۔ وزرا اور سیکرٹری صاحبان جن کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا گیا وعدے تو سب کر گئے کہ وہ ضرور اس سلسلے میں متعلقہ افسران سے سفارش کریں گے مگر اب تک ان کے وعدے "ہنوز وعدۂ فردا" ہی ہیں۔

ہوائی سفر میں رعایت

حکومتِ پاکستان نے صحافت کی اہمیت کے پیش نظر ملک کے تمام صحافیوں کو ریل کے کرایہ میں رعایت دے رکھی ہے۔ یہ رعایت کچھ زیادہ نہیں۔ دراصل رعایت یہ ہونی چاہیے کہ صحافیوں کے لیے ہر درجے کا کرایہ نصف ہو۔ موجودہ رعایت کم ہے۔ اس کے علاوہ یہ کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے صحافیوں کا مطالبہ ہے ہی نہیں سارے پاکستان کے صحافیوں کا ہے کہ ہوائی سفر کے کرایہ میں بھی صحافیوں کو رعایت دی جائے۔ اور یہ رعایت نصف کرایہ کی صورت میں دی جانی چاہیے۔

پریس بیج

صدر مملکت، گورنر، وزرا یا اہم شخصیتوں کی آمد اور دورے کے وقت اکثر کاغذ کے گول بلے صحافیوں کو دیے جاتے ہیں۔ جن پر پریس لکھنا ہوتا ہے۔ یہ پریس پاس یا بلے ایک دو دن کی تقریبات کے بعد خراب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہر ایسے موقع پر ان کے بنوانے پر کافی خرچ ہوتا ہوگا۔ اسے سے بہتر یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے پیتل یا کسی اور دھات کے ٹین نما بیج جاری کیے جائیں۔ جن پر ان اخباروں کے نام لکھے ہوں۔ جن کہ یہ بیج لگانے والے ایڈیٹر یا نمائندے ہوں۔ صرف پریس لکھنا کافی نہیں ہے۔

مستقل شناختی سیکیورٹی پاس

کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے تقریباً تمام صحافیوں کے پاس شناخت کارڈ تو موجود ہیں لیکن جب صدر مملکت، گورنر یا کسی بیرونی ملک کے سربراہ یہاں آتے ہیں۔ تو موجودہ ایکری ڈی ٹیشن کارڈوں کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ سیکیورٹی پاس جاری کیے جاتے ہیں۔ اس لیے ایسے کارڈ صحافیوں کو دیے جانے چاہئیں۔ جو مستقل شناختی کارڈ اور سیکیورٹی بھی ہوں اور جو ریلوے کے کرایہ کے کنسیشن اور دیگر مواقع پر جہاں تک خبروں اور معلومات حاصل کرنے کا تعلق ہو، استعمال کیے جاسکیں۔ اس سلسلے میں صحافیوں کے بارے میں چھان بین کر کے اطمینان کرنے کے بعد ایسے کارڈ جاری کیے جاسکتے ہیں۔

طبی سہولتیں

وادی بولان کے صحافیوں کو یہاں کے سرکاری اسپتالوں میں کوئی سہولت حاصل نہیں ہے۔ ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جاتی۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک صحافی نے آنکھیں ٹیسٹ کرائیں تو اسے دس روپے فیس ادا کرنی پڑی۔ ایک اور صحافی نے خون ٹیسٹ کرایا تو اسے بیس روپے فیس ادا کرنی پڑی۔ اکثر معائنہ کے بعد دوا کا نام پرچی پر لکھ کر دے دیا جاتا ہے کہ جاؤ بازار سے خرید لو۔ یہاں تک کہ سرکاری اسپتالوں میں صحافیوں کے لیے خون، آنکھوں اور دیگر ٹیسٹ اور ادویات مفت ہونی چاہئیں۔ ایکس رے کی فیس بھی نہیں لینی چاہیے۔ اس کے علاوہ اگر کسی مریض صحافی کو اسپتال میں الگ کمرے کی ضرورت ہو تو وہ بھی اسے مفت دیا جانا چاہیے اور یہی سہولتیں صحافیوں کے بیوی بچوں کو بھی دی جانی چاہئیں۔

انتالیسواں باب

اخبارات کا ضابطہ اخلاق

دورِ حاضر میں ایک اخبار کو جو بہت سی پیچیدہ، نازک اور مشکل ذمہ داریاں انجام دینا ہوتی ہیں وہ ایک ترقی پذیر اور نو آزاد ملک میں مزید اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ ایک ایسے ملک میں اخبارات کا کام صرف عوام کو باخبر رکھنے یا ان کی ذہنی تربیت کی مساعی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ اس میں اخبارات پر ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں کہ وہ معاشرے کی مختلف خرابیوں کے بے نقاب کریں تاکہ عوام میں انھیں دور کرنے کا شعور بیدار ہو سکے۔ لیکن دوسروں کی اصلاح سے پہلے اخبارات کو بھی ضمانت حاصل کرنا ہوگی۔ کہ ان کا اپنا دامن بھی مکمل طور پر بے داغ ہو۔ اخلاق کے اس معیار پر پورا اترنے کے لیے ضروری ہے کہ اخبارات خود رضا کارانہ طور پر بعض بندشیں اور قیود عائد کریں۔ ایسا کرنا ایک جمہوری ملک میں اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ آزادی کا تصور ذمہ داری کے احساس کے بغیر ناممکن ہے۔ ذمہ داری کے احساس سے عاری ہونے کے بعد آزادی اور بے راہ روی میں فرق نہیں رہتا۔

ان تقاضوں کے پیشِ نظر مدیران جرائد کی نمائندہ تنظیم (کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز) گذشتہ دو سال سے اخبارات کا ایک ضابطہ اخلاق مرتب کرنے اور اس کے مفاد کے لیے اخبارات کی اخلاقی عدالت قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ اس نے جو ضابطہ اخلاق چار جولائی کے اجلاس میں منظور کیا تھا ۲۹ جولائی ۱۹۶۵ء کو ایوانِ صدر میں اسے ایک پرتپاک تقریب کے بعد باضابطہ طور پر نافذ کیا گیا۔

اس موقع پر مدیران جرائد سے خطاب کرتے ہوئے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اعلان کیا کہ میں اظہار رائے پر کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتا بلکہ میری یہ خواہش ہے کہ نئے انداز وفکر آزادانہ طور پر سامنے آئیں اور انھیں مکمل فروغ حاصل ہو۔ کیوں کہ ایک آزاد معاشرے کے لیے تعمیر نظریات کی تخلیق اور نشو نما ضروری ہے۔ صدر کی تقریری کا متن درج ذیل ہے:۔

"مجھے مسرت ہے کہ حکومت اور قومی پریس کے درمیان ایک ایسا انتظام طے پا گیا ہے جس کے مطابق اخبارات کامل آزادی کے ساتھ معاشرہ کے لیے انتہائی مفید طریقہ سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرسکیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کوئی پیشہ بھی اپنے معاملات کو نظم وضبط کا پابند بنائے بغیر اپنے فرائض سے بطریق احسن عہدہ براں نہیں ہوسکتا۔ ہر پیشے کے کچھ اصول اور معیار ہوتے ہیں۔ اور اس کے دفاتر کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اصولوں کی پابندی کرنے والے افراد کا تحفظ ہو۔ اور ان لوگوں کی نشاندہی کی جائے جو اصولوں کی پابندی کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور اس طرح اپنے پیشے کے وقار کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ پاکستان کے مدیرانِ جرائد اپنے ضابطہ اخلاق کو نافذ کرانے کی صلاحیت اور طاقت سے بہرہ ور ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ خود کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کا یہ مثال تجربہ کامیاب نہ ہو۔

میری خواہش اور کوشش یہ ہے کہ حصول آزادی کے بعد ہمارا ملک اقتصادی، سماجی، سیاسی اور بین الاقوامی غرضیکہ ہر میدان میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے۔ یہ مقصد ایک شخص کو کوشش سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے نظریات کی ضرورت ہے۔ تاکہ غیر متحرک معاشرہ کا جمود ختم ہوسکے۔ لہٰذا یہ بات غلط ہے کہ اس نئے نظریات، تبصروں یا تعمیری باتوں پر کوئی اعتراض کروں گا۔ ایسی بات وہی لوگ کہہ سکتے

ہیں، جنھیں یہ علم نہیں کہ اوپر کی سطح پر حکومت کا ڈھانچہ کس طرح کام کرتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ نظریات کی مرکزیت اور یکسانیت معاشرہ میں جمود پیدا کر دیتی ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ پاکستان ایک غیر جانبدار اور ترقی پذیر ملک بن جائے۔ پاکستان کی سی وسعت رکھنے والے ہر ملک کو متعدد اور متنوع مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ اور ان مختلف مسائل اور نئے نئے نظریات کے ذریعے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ گوناگوں نظریات کے اظہار پر کوئی پابندی لگانے کے بجائے نئے انداز ہائے فکر آزادانہ طور پر سامنے آئیں اور انھیں مکمل فروغ حاصل ہو۔ میں ایک آزاد معاشرے کے لیے تعمیری نظریات کی تخلیق اور نشو نما کو ضروری سمجھتا ہوں اور اسی طرح ہم ہر چیلنج کا جرائت اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں۔

نظریات کی تخلیق اور انھیں عوام تک پہنچانے کا ایک بڑا ذریعہ اخبارات ہیں۔ اور چونکہ اخبارات کا کام تنقید و تبصرہ اور عوام کی رہنمائی ہے۔ اس لیے انھیں مفید تنقید کے لیے ضروری معلومات بھی حاصل ہونی چاہئیں۔ انھیں جدید انداز فکر اور ترقیاتی سرگرمیوں سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اور ان میں نئے نظریات پیش کرنے کی پوری صلاحیت ہونی چاہیے۔ مسائل کا ہمہ گیر شعور اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے کہ اب اخبارات، لائبریریوں، حوالہ جات کی سہولتوں اور اطلاعات کے دوسرے ذرائع سے حقہ فائدہ اٹھائیں۔ موجودہ ترقی پذیر معاشرہ، خصوصاً پاکستان میں پرانی طرز کی صحافت کے لیے کوئی گنجائش نہیں اب پاکستان کے اپنے بے پناہ اور لاتعداد مسائل کی موجودگی میں ایک جاندار مطمع نظر کی ضرورت ہے۔ اور صحافتی تدبر کا تقاضا یہ ہے کہ اخبارات قومی مسائل حل کرنے میں عوام کی رہنمائی کریں۔

پاکستان کی صحیح تصویر اور نقشہ پیش کرنے کے سلسلے میں اخبارات پر بڑی ذمہ

داری عائد ہوتی ہے۔مثال کے طور پر غیر ملکی سیاح اخبارات کے مطالعہ سے ہی کسی ملک کے بارے میں ابتدائی تاثر قائم کرتے ہیں، مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ اخبارات نے مجموعی طور پر قومی مسائل کے بارے میں تعمیری انداز فکر اختیار کر لیا ہے۔البتہ کہیں کہیں پریشان کن حالات بھی نظر آتے ہیں۔اور ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ حقائق توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا۔اور مسائل کے حل کے بارے میں غیر ہمدردانہ رویہ اختیار کیا گیا۔تاہم مجھے یقین ہے کہ اب پاکستان کا پریس اپنے ضابطہ اخلاق کی بدولت ایک نئے دور کا آغاز کرے گا"۔

ضابطہ اخلاق

ا۔پیشہ صحافت کو ایک عوامی ادارہ کی حیثیت حاصل ہے۔اسے نہ تو انفرادی یا سماج دشمن مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بننا چاہیے۔اور نہ ہی ایسے مفادات کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔جو اس پیشہ کے تقاضوں کے منافی اور عوامی مفاد کے لیے مضرر رساں ہوں۔

۲۔مضامین، خبروں، تصاویر اور اشتہارات وغیرہ کی اشاعت میں درج ذیل باتوں سے ہر صورت اجتناب کرنا ہوگا:۔

ا۔اخلاق باختگی یا فحاشی

ب۔مضامین میں افراد، اداروں یا گروپ کے خلاف عامیانہ اور بازاری الفاظ واصلاحات۔

ج۔افراد کی نجی زندگیوں کو اس انداز سے پیش کرنا کہ ان کی تضحیک وتوہین مقصود ہو۔البتہ عوامی مفاد کی خاطر افراد کو بے نقاب کرنا قابل اعتراض نہیں ہوگا۔

د۔افراد، اداروں، گروپوں یا ایک اخبار کی طرف سے دوسرے اخبار کے خلاف ہتک آمیز یا غلط الزامات۔

۳۔واقعات پرتبصرے اورخبریں منصفانہ اورحقیقت پرمبنی ہونی چاہئیں۔حقائق سے دانستہ گریز کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

۴۔سرخیاں،خبروں کے مندرجات سے مختلف اورمنافی نہیں ہونی چاہئیں۔

۵۔جو بیانات اشاعت کی غرض سے نہ دیے جائیں انھیں چھاپنا نہیں چاہیے۔

۶۔ایک صحافی کو اپنے ذریعہ و ماخذ کی رازداری کا تحفظ کرنا چاہیے۔اوراس پر جو اعتماد کا جائے اسے برقراررکھنا چاہیے۔

۷۔خبروں،مضامین اورتصوریروں کی تاریخ اشاعت پر پابندیوں کوملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

۸۔خبروں، مضامین ،تصاویر اورفیچر کی شکل میں معاوضہ پرتجارتی اعلانات یا اشتہارات اس انداز میں شائع نہ کیے جائیں کہ ان کے تجارتی اعلانات یا اشتہارات ہونے کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

۹۔اخبارات رسائل، یا خبررساں ایجنسیوں کی جانب سے شائع ہونے والی کسی غلط اطلاع کے نتیجہ میں جائز تصحیح یا تردید شائع ہونے والی کسی غلطی کے نتیجہ میں جائز تصحیح یا تردید جلدازجلد اس انداز میں چھاپی جائے کہ اصل خبر(جس کے باعث تصحیح یا تردید جاری کرنا ضروری ہو) سے پیدا ہونے والا تاثر یکسر ختم ہوجائے۔

۱۰۔اخبارات ایسی خبروں،تبصروں،تصویروں یا اشتہارات کو شائع نہیں کریں گے جن سے ملک کی سلامتی یا قومی استحکام کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

۱۱۔اخبارات ایسی کوئی چیز شائع کرنے سے احتراز کریں گے، جس سے مسلح افواج پاکستان کے کسی رکن کی وفاداری کوزک پہنچے۔

۱۲۔اخبارات کوئی ایسی چیز شائع نہیں کریں گے جس سے عوام کے مختلف

طبقوں کے درمیان منافرت پیدا ہوا، البتہ علاقوں اور گروپوں کے درمیان عدم مساوات کے معاملات میں شکایات اور نظریات کی جائز ترجمانی کی جاسکتی ہے۔

۱۳۔کسی دوسرے ملک کے واقعات بتانے اور ان پر تبصرہ کرنے کے سلسلے میں اخبارات اس ملک کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کریں گے تا کہ منصفانہ اور حقیقت پسندانہ رپورٹنگ اور تبصرے کر سکیں۔

۱۴۔ا۔قومی وصوبائی اسمبلیوں کی کاروائی کی روداد شائع کرتے وقت کاروائی کے ایسے حصے شائع نہیں کیے جائیں گے جنھیں سپیکر نے اسمبلی کے ریکارڈ سے حذف کرنے کا حکم دیا ہو۔ ایوان کے تمام طبقوں کی تقاریر صحیح رپورٹ پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

ب۔عدالتوں یا ٹریبونل ، بالخصوص ایسے مقدمات کی کاروائی کی رپورٹنگ کرتے وقت جو سیاسی اہمیت رکھتے ہوں، یہ احتیاط کی جائے گی کہ استغاثہ یا صفائی کی طرف سے عدالتوں میں موقف یا شہادت یا دلائل پیش کیے گئے ہوں ان میں کوئی تحریف نہ کی جائے۔

۱۵۔ا۔مزدوروں کے متعلق کسی معاملہ میں اخبارات واقعات کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کریں گے۔وہ صنعتی اور دوسرے پیداواری یونٹوں، رفاہ عامہ کے اداروں اور لازمی سروسز میں کسی صورت میں بھی ہڑتالوں یا بدامنی کی کسی دوسری صورت میں حوصلہ افزائی نہیں کریں گے۔البتہ صنعتی تعلقات اور حالات کار پر جائز تبصرے اس شق کی زد میں نہیں آئیں گے۔

ب۔طلبا کے مسائل کے سلسلے میں اخبارات ایسی کوئی چیز شائع نہیں کریں گے جن سے طلبا میں غیر تعلیمی امور کے متعلق ایجیٹیشن کی حوصلہ افزائی ہو۔البتہ اخبارات کو یہ

حق حاصل ہوگا کہ وہ طلبا سمیت شہریوں کے ہر طبقہ کے بارے میں تعصب و جانبداری سے پاک خبریں اور نظریات پیش کریں۔

۱۶۔کوئی اخبار کسی بیرونی ملک یا ادارہ سے کوئی مالی امداد یا مالی مفاد کسی شکل میں قبول نہیں کرے گا۔اس کا اطلاق معاوضہ رائے اشتہارات پر نہیں ہوگا۔

۱۷۔اخبارات اس ضابطہ اخلاق کو برقرار رکھیں گے اور ضابطہ پر دستخط کرنے والے اخبارات کسی صورت میں اس ضابطہ کے خلاف کوئی چیز شائع نہیں ہونے دیں گے۔

کورٹ آف آنر

اخباروں کے ضابطہ اخلاق پر عملدرآمد کے لیے مندرجہ ذیل انتظامات کیے جائیں:۔

۱۔کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کی سٹینڈنگ کمیٹی ایک پریس کورٹ آف آنر قائم کرے گی۔ جو ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج (چیئرمین) اور چھ ایڈیٹروں پر مشتمل ہوگی، جن میں سے ایک کورٹ کا سیکرٹری ہوگا۔ ان ارکان میں سے نصف اصحاب اور ہر سال ریٹائرڈ ہوجایا کریں گے۔پہلی ریٹائرمنٹ کا فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا۔ریٹائر ہونے والے ممبر اپنی ریٹائرمنٹ کی تاریخ سے بارہ ماہ گذرنے سے قبل دوبارہ انتخاب میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔کورٹ کا ممبر ایسے امور میں حصہ نہیں لے گا جن میں اس کا اپنا اخبار ملوث ہو۔

۲۔الف۔سیکرٹری۔کسی ایسے فریق کی جانب سے تحریری شکایات وصول کرے

گا جسے ضابطہ پر دستخط کرنے والے اخبار کی جانب سے ضابطہ کی مبینہ خلاف ورزی کی شکایت ہوگی۔

ب۔سیکرٹری شکایت کو کورٹ میں پیش کرے گا اور کورٹ کے ایما پر اس اخبار کے ایڈیٹر سے رپورٹ طلب کرے گا جس کے خلاف شکایت کی گئی ہو۔

ج۔اس رپورٹ کے موصول ہونے پر یا اگر تیس روز کے اندر رپورٹ موصول نہ ہوئی تو وہ (سیکرٹری) چیئرمین کی ہدایت پر کورٹ کا اجلاس طلب کرے گا جس میں شکایت کنندہ کے نمائندوں اور متعلقہ ایڈیٹر کو مدعو کیا جائے گا۔

د۔اس قسم کی شکایت پر کورٹ آف آنر کا فیصلہ ایک اعلامیہ کی صورت میں جاری کیا جائے گا۔ضابطہ پر دستخط کرنے والے تمام اخبارات اور رسائل کے لیے اسے شائع کرنا لازمی ہوگا۔اگر کسی دستخط کنندہ نے اس اعلامیہ کو شائع نہ کیا تو یہ ضابطہ کی خلاف ورزی ہوگی۔اور اس سلسلے میں مناسب کاروائی کی جائے گی۔

ضابطہ کی خلاف ورزی

۳۔عدالت ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والے اخبار کو متنبہہ کرسکتی ہے یا اس کی مذمت کرسکتی ہے یا وہ فریقین میں مصالحت کی کوشش کرسکتی ہے۔

۴۔اگر کوئی اخبار سنگین جرم کا مرتکب پایا گیا تو عدالت مجاز تنظیم سے یہ کہہ سکتی ہے کہ وہ اس اخبار کو پریس آرگنائزیشن سے خارج کردینے پر غور کرے جس سے وہ تعلق رکھتا ہے یا وہ متعلقہ فریق کو اپنے تحفظ یا پناہ سے محروم کردے۔

۵۔کورٹ کے چیئرمین کو کسی دستخط کنندہ کی جانب سے ضابطہ کی کسی خلاف ورزی کے سلسلے میں اس کے خلاف ازخود کاروائی شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔

۶۔شکایت کنندہ خواہ حکومت ہو یا کوئی فرد، پریس کورٹ آف آنر سے شکایت کرنے کے بعد کوئی اور کاروائی کرنے سے احتراز کرے گا۔کورٹ آف آنر کا فیصلہ قبول کیا جائے گا۔

چالیسواں باب

دلچسپ واقعات

صحافی، جہاں قارئین کے پڑھنے کے لیے دلچسپ خبریں فراہم کرتے ہیں وہاں ان کی اپنی بھی بعض دفعہ دلچسپ خبریں بن جاتی ہیں۔اس باب میں صحافیوں کے کچھ دلچسپ واقعات ان کی دلچسپی کے لیے جمع کر دیے گئے ہیں۔ان واقعات کے یہاں لکھنے کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہے، اور نہ کسی صحافی کی توہین مطلوب ہے۔ان واقعات کا یہاں لکھنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ واقعات یہاں کی صحافت کا ایک حصہ ہیں اور ان کے نہ لکھنے سے یہ کتاب نامکمل رہتی۔

قائداعظم کی پریس کانفرنس

فروری ۱۹۴۸ء میں بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ سبی میں پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے تشریف لائے۔آپ نے اس علاقے میں آزادی کے بعد پہلی پریس کانفرنس میں یہاں کے صحافیوں سے باتیں کیں۔قائداعظم نے اس موقع پر صحافیوں سے کہا کہ بلوچستان مجھے اس قدر عزیز ہے کہ میں نے اس کے انتظامات کو اپنے اختیارات میں شامل کر رکھا ہے تاکہ اس علاقے کو ہر جہتی ترقی جلد از جلد دی جا سکے۔آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو وسائل سے مالا مال کر رکھا ہے۔اب یہ یہاں کے عوام کا کام ہے کہ انھیں کام میں لائیں۔اس پریس کانفرنس میں مولانا عبدالکریم ایڈیٹر میزان، مولانا محمد عبداللہ، ایڈیٹر پاسبان، عبدالصمد درانی ایڈیٹر استقلال، میر محمد حسن نظامی ایڈیٹر بولان، محمد رفیق پراچہ ایڈیٹر جمہور، مسٹر حسن اختر نمائندہ اے پی پی، مسٹر فضل

احمد غازی ایڈیٹر خورشید، مولانا شبیر الحسنین ایڈیٹر الاسلام اور بیرونی ممالک کے جرنلسٹ بھی شامل تھے۔

بازاری باتیں مت کرو

قائداعظم کی اس پہلی پریس کانفرنس میں الاسلام کے ایڈیٹر مولانا شبیر الحسنین نے قائداعظم سے سوال کیا۔

شبیر الحسنین:۔ قائداعظم! حکومت ہندوستان نے ۱۹۴۸ء سے مسلم لیگ کو ہندوستان میں خلاف قانون جماعت قرار دے دیا ہے۔

قائداعظم:۔تم نے یہ بات کہاں سنی؟

شبیر الحسنین:۔قائداعظم یہ بات میں نے ابھی ابھی بازار میں سنی ہے۔

قائداعظم:۔کوئی اور بات کرو۔میرے سامنے بازاری باتیں مت کیا کرو۔

قصہ زمین برسرزمین

قیام پاکستان کے بعد فروری ۱۹۴۸ء میں قائداعظمؒ بحیثیت گورنر جنرل اور نواب زادہ لیاقت علی خان بحیثیت پاکستان کے پہلے وزیراعظم سبی دربار کے موقع پر تشریف لائے۔عصرانہ کے وقت نواب زادہ صاحب نوابوں، سرداروں اور شاہی جرگہ کے ممبروں سے ملتے ہوئے اس ٹیبل پر پہنچے جہاں اخبار نویس بیٹھے تھے۔میاں امین الدین اے جی جی بلوچستان اور کرنل اے ایس بی شاہ آپ کے ہمراہ تھے۔میاں امین الدین نے تعارف کرایا۔

میاں امین الدین:۔یہ اخبار نویس ہیں۔

نوابزادہ صاحب:۔یہاں کتنے اخبار نویس ہیں؟

راقم الحروف:۔ جناب چودہ پندرہ ہفتہ وار اخبار ہیں۔

نوابزادہ صاحب:۔ اتنے اخبارات! مجھے تو یہ معلوم ہی نہ تھا۔

اور پھر اخبار نویسوں کا تعارف کرایا گیا تو گل محمد ایروی ایڈیٹر تعمیر بلوچستان تک بات پہنچی۔

نوابزادہ صاحب:۔ آپ کا کون سا اخبار ہے؟

گل محمد ایروی:۔ ہفتہ وار تعمیر بلوچستان حیدر آباد۔

نوابزادہ صاحب نے چونک کر پوچھا:۔ اور آپ رہنے والے کہاں کے ہیں۔

گل محمد ایروی:۔ ایری، بلوچستان کا۔

نوابزادہ صاحب:۔ عجیب بات ہے۔ بلوچستان کے رہنے والے ہیں اور اخبار حیدر آباد سے شائع کرتے ہیں۔ قصہ زمین بر سر زمین چاہیے۔

نوابزادہ لیاقت علی خان کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل میں گل محمد ایروی اپنا اخبار حیدر آباد سے بلوچستان لائے تھے۔

ثبوت قبر میں ہے

صاحبزادہ خورشید احمد اے جی جی بلوچستان تھے۔ ان دنوں لٹھے اور کفن کے کپڑے پر کنٹرول تھا اور پرمٹ سے ملا کرتا تھا۔ بلوچستان کے بی ایریا میں کفن کا کپڑا شاہی جرگے کے ممبروں اور سرداروں کے ذریعے لوگوں کو ملا کرتا تھا۔ مسلم لیگ سردار اور نوابی سسٹم کے خلاف تھی۔ اس لیے "خورشید" ہفتہ وار اور "الاسلام" ہفتہ وار کے صفحات اس سسٹم کے خلاف بھرے رہتے تھے۔ ان دنوں فضل احمد غازی ان دونوں اخباروں کے

ایڈیٹر تھے۔انھوں نے ایک خبر شائع کی کہ مری کے علاقے میں ستر اسی روپے کے عوض ایک کفن کا کپڑا ملتا ہے (حالانکہ کفن کے لیے کنٹرول ریٹ بہت ہی کم تھا) اور وہاں کے لوگ اتنے غریب تھے کہ کفن نہ ملنے کی وجہ سے اپنے مردوں کو چٹائیوں میں لپیٹ کر دفن کر دیتے تھے۔

اس خبر کی اشاعت پر سردار دودا خان بہت مشتعل ہوئے اور گھبرا کر کچھ سرداروں سمیت اے جی جی کے پاس شکایت لے کر پہنچے۔اے جی جی نے فضل احمد غازی کو بلایا اور اس خبر کا ذریعہ اطلاع اور ثبوت مانگا۔ظاہر ہے کہ فضل احمد غازی اپنے اخبار کے نامہ نگار کا نام کس طرح بتاتے جبکہ وہ نامہ نگار اسی سردار کے علاقے کا آدمی تھا۔اس کی موت یقینی تھی اگر نام بتا دیا جاتا کیوں کہ سرداروں کو ان دنوں بہت اختیارات حاصل تھے۔فضل احمد غازی نے نامہ نگار کا نام بتانے سے انکار کرتے ہوئے اے جی جی سے کہا کہ میرے پاس صرف ایک ثبوت ہے۔وہ یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو قبر بتاتا ہوں۔آپ اسے کھدوائیں،اگر اس میں مردہ چٹائی میں لپٹا ہوا نکل تو بہتر آپ سزا کے طور پر سردار صاحب کو دفن کر دیں اور اگر مردہ کفن میں ملبوس نکلے تو سزا کے طور پر مجھے دفن کر دیں۔

جواب معقول تھا۔اے جی جو بہت مشتعل تھے،ٹھنڈے پڑ گئے اور بولے "کیا تم مجھے بلوچوں سے مروانا چاہتے ہو جو قبر کھودنے کے لیے کہہ رہے ہو" اور اس کے فوراً بعد سردار کی طرف رخ کر کے کہا" کیا یہ چیلنج قبول ہے؟" سردار کو تو یقین تھا کہ جس کو قبر کو کھودا گیا اس میں سے مردہ چٹائی ہی میں نکلے گا اس لیے اس نے صاف انکار کر دیا کہ " قبر کھدوانے کے لیے تیار نہیں" اس پر اے جی جی نے کہا کہ "تم قبر نہیں کھدوا سکتے تو میں اسے کس بات پر سزا دوں۔کیوں کہ اس کا ثبوت تو قبر میں ہے"۔

باما شراب و با زاہد نماز

قیام پاکستان سے کچھ پہلے کے دور کے اخبار نویس متضاد نظریات رکھتے تھے۔ مثلاً قاضی محمد عیسیٰ خان الاسلام کے پروپرائیٹر اور پرنٹر کی حیثیت سے سیاسی طور پر ہندوستان کی تقسیم کے زبردست حامی تھے اور ان کا اخبار اسی مقصد کے حصول کیلیے کام کر رہا تھا۔ دوسری طرف عبدالصمد خان اچکزئی استقلال کے پروپرائیٹر اور پرنٹر کی حیثیت سے اکھنڈ بھارت کے قائل تھے، اور جو لوگ ہندوستان کی تقسیم یعنی پاکستان کا قیام چاہتے تھے انھیں عبدالصمد خان اچکزئی "ٹوڈی" کہا کرتے تھے۔لیکن یہ دو متضاد نظریات رکھنے والے حضرات جب پریس ایسوسی ایشن کی میٹنگوں میں بیٹھتے تھے تو پریس کی آزادی اور وفاق کے لیے ان کے نظریات میں کوئی تضاد نہیں ہو کرتا تھا۔ اور بعد میں استقلال کے ایڈیٹر عبدالصمد خان درانی تھے۔ اور الاسلام کے ایڈیٹر مسٹر فضل احمد غازی تھے۔ اپنے اپنے اخبارات میں ایک دوسرے کو نظریات کی بنا پر خوب برا بھلا لکھتے رہتے تھے۔لیکن جب شام کے وقت دفتر سے فارغ ہو کر اکٹھے سیر کرنے نکلتے تو ان کو اس طرح ساتھ دیکھ کر کانگریسی عبدالصمد درانی کو اور مسلم لیگی فضل احمد غازی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے لیکن اخبارات کے صفحات پر نظریات کے تضاد کو دیکھ کر ان کے شکوک رفع ہو جاتے ۔اس کے برعکس آج کل کے نظریات کا تضاد نہیں مگر صحافیوں میں آپس میں وہ ربط و ضبط نہیں جو اس زمانے میں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ اشتہارات ہوں یا اور کوئی وجہ ہو۔

بچہ ایڈیٹر

یہ بھی ایک دلچسپ واقع ہے کہ مسٹر فضل احمد غازی نے جب "خورشید" ہفتہ وار کے لیے ڈیکلریشن داخل کرنے کے لیے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو درخواست دی تو ڈسٹرکٹ نے اس بات پر ڈیکلریشن داخل کرنے سے انکار کر دیا کہ ان کی عمر کم تھی۔ چنانچہ اس کے لیے مسٹر فضل احمد غازی سول سرجن ریلوے کے پاس گئے اور ان سے سرٹیفکیٹ حاصل کیا کہ ان کی عمر وہ نہیں ہے جو اسکول کے رجسٹر میں درج ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے۔ کتنی عجیب بات تھی کہ لوگ اپنی زیادہ عمر کو کم کرانے کے لیے سرٹیفکیٹ لیتے ہیں لیکن فضل احمد غازی نے اپنی زیادہ عمر کا سرٹیفکیٹ لیا۔ پھر انھیں "خورشید" کا ڈیکلریشن داخل کرانے کی اجازت ملی۔

پیسے کھاتے مگر بل ادا کرتے

یہ دل چسپ بات فضل احمد غازی نے بتائی کہ ان کا اخبار "خورشید" وہ واحد اخبار تھا جسے بیچنے کے لیے کبھی کوئی ہاکر نہیں رکھا گیا۔ چونکہ وہ سٹوڈنٹس فیڈریشن کا اخبار تھا۔ طلبا خود اسے شام کے وقت فروخت کیا کرتے تھے اور وہ پیسے بھی خود کھا جایا کرتے تھے لیکن جب پریس کا بل آتا تو وہی نوجوان مل کر بل ادا کرنے کا خود ہی انتظام کر لیا کرتے تھے۔

پڑھنے بھی ایڈیٹر جائے

جب مسٹر فضل احمد غازی نے "گلستان پشتو" ماہوار رسالہ جاری کیا تو اکثر لوگوں نے محض ان سے تعلقات کی بنا پر اس کی خریداری قبول کی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ پشتو پڑھنا نہیں جانتے۔ حالانکہ ان کی مادری زبان پشتو تھی۔ ایک صاحب کا ذکر انھوں نے سنایا کہ جب گلستان ان کے پاس پہنچتا تو ان کا آدمی گلستان کے ایڈیٹر کو بلانے آتا۔ مسٹر فضل احمد غازی جاتے اور سارا رسالہ انھیں پڑھ کر سناتے اور وہ صاحب اکثر زور دیتے رہتے کہ "گلستان" کو پشتو کی بجائے اردو میں شائع کیا جائے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ان صاحب نے آہستہ آہستہ پشتو پڑھنا سیکھ لیا ورنہ خدا جانے کب تک پڑھنے کے لیے ہر ماہ ان کے پاس جانے کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور اب وہی صاحب ریڈیو پر تقریر نشر کرتے ہیں۔ ایک اور صاحب ایسے ہیں جو اب پشتو کے ادیب اور اچھے شاعر بھی ہیں۔

سوچنا اردو میں، لکھنا پشتو میں

یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ "گلستان" پشتو ماہوار رسالے کے مالک اور ایڈیٹر جن کی مادری زبان پشتو ہے۔ ابتدائی دنوں میں گلستان کے لیے جب مضامین کو ترتیب دیتے تو پہلے اردو میں مضامین لکھتے اور پھر ان کا ترجمہ پشتو میں کرتے۔ ان دنوں ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے نیوز ایڈیٹر مسٹر ایاز یہاں تھے۔ ایک دن وہ گلستان کے ایڈیٹر مسٹر فضل احمد غازی کے پاس آئے تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ غازی اپنے اردو کے مضمون کا پشتو میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر خوب ہنسے اور کہا تم اردو میں سوچتے ہو اور پشتو میں لکھتے ہو۔ غازی نے جواب دیا کہ میں براہ راست پشتو نہیں لکھ سکتا۔ اس پر ایاز نے کہا جس زبان میں تم باتیں کر رہے ہو وہ کون سی زبان ہے۔ غازی نے جواب دیا، پشتو۔ ایاز نے کہا

پھراسی میں لکھا کرو۔ چنانچہ غازی نے ایاز کے کہنے کے مطابق پشتو میں لکھنا شروع کیا اور اب وہ براہِ راست پشتو میں لکھتے ہیں۔

امتیاز نہ تھا

۱۹۴۷ء کے آخری مہینوں میں اس علاقے کی صحافت لڑکوں کے ہاتھ میں تھی۔ مثلاً مسعود غزنوی، فضل احمد غازی، محمود احمد، طفیل، شمس الحق، سلیم جہانگیر وغیرہ شروع شروع میں توان میں سے اکثر کو اداریہ، شذرہ اور خبر میں کوئی تمیز نہیں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ اس زمانے کے پرچوں کو آج دیکھا جائے تو اکثر خبروں پر اداریہ اور شذرہ کا گمان ہوتا ہے۔مثلاً کسی فرد سے متعلق خبر آئی۔ اگر وہ ہم خیال اور ہم مسلک تھا تو اس خبر میں اس ک خوب تعریف بھی موجود۔اور اگر کوئی شخص مخالف تھا تو خبر میں اس کی خوب خبر لی جاتی اور تو اوران دنوں "جمہور"، "خورشید" اور "الاسلام" بغیر اداریے کے شائع ہوتے تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ آج کل بھی بعض صحافی اس روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

صحافت، بڑوں تک رسائی

مرحوم غلام محمد شاہوانی ایڈیٹر "نوائے وطن" گرفتار ہوئے اور انھیں ہتھکڑی لگائی گئی۔اس سلے میں کیف افلیس میں صحافیوں کا ایک ہنگامی اجلاس احتجاج کے لیے منعقد ہوا۔اوراس بات پر غور کیا گیا کہ ایک صحافی کو ہتھکڑی کیوں لگائی گئی۔ پولیس کے اس اقدام پر غم وغصہ کے اظہار کے لیے تمام سرکاری تقریبات کے مقاطعہ کی تجویز پر غور ہورہا تھا کہ ایک صحافی اٹھے اوراپنے ساتھ دوتین اور صحافیوں کو لے کر بولے۔ "نہ۔نہ۔ تقریبات کے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ نہ کریں۔ہم تو اسی لیے صحافت میں آئے ہیں کہ اس سے بڑوں تک رسائی ہوتی ہے"۔

جیب کیوں بھاری ہے

قومی اسمبلی کے سپیکر عبدالوہاب خان بحیثیت قائم مقام صدر کوئٹہ آ رہے تھے۔ حفیظ جاوید پبلسٹی آفیسر تھے۔انھوں نے دوصحافیوں کو ایئر پورٹ جانے کے لیے کارڈ جاری نہیں کیے۔ان کے پاس ایکری ڈی ٹیشن کارڈ موجود تھے۔انھوں نے ڈیوٹی پر موجود ڈی ایس پی کو ایئر پورٹ جانے کے لیے کارڈز دکھائے۔مگر ڈی ایس پی نے انھیں روک دیا اور کہا کہ ان کارڈوں سے آپ نہیں جاسکتے۔اس پر دونوں نے اپنے اپنے کارڈ پھاڑ کر پھینک دیے کہ جب یہ کارڈ اس مصرف کے بھی نہیں تو ہم اپنی جیبیں کیوں بھاری رکھیں۔

کاریز ــــــ کیرتجز

۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے کہ صدر پاکستان باہر گئے ہوئے تھے ان کی جگہ قائم مقام صدر عبدالوہاب خان (سپیکر قومی اسمبلی) کوئٹہ دورے پر آئے۔ان دنوں سیلاب آئے ہوئے تھے،انھوں نے کوئٹہ میں کاریزوں وغیرہ کا معائنہ کیا اور پریس کانفرنس میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے متعلق بات چیت ہورہی تھی۔انھوں نے انگریزی میں کہا۔ "I also saw demage carriages" اخبار نویس سمجھے شاید انھوں نے کہیں ویگنوں کا معائنہ کیا ہے،جنھیں سیلاب سے نقصان پہنچا ہے۔اس کے فوراً بعد کسی نے پوچھا یہاں جو پانی کا ذریعہ کاریزیں ہیں ان کو بھی کچھ نقصان ہوا ہے؟ تو وہ فوراً بولے "ہاں ہاں۔ میں انھی کی بات کررہا ہوں۔یعنی وہ کاریز کو کیرتج (گاڑی) کہ رہے تھے۔صحافی یہ سن کر مسکرا کر رہ گئے۔

اے پی پی ــــــ فقیرا پی

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ارباب کرم خان بلوچستان کے ایڈوائیزری کونسل کے ایڈوائزر مقرر ہوئے۔اے پی پی کے نمائندے مسٹر صفدر قریشی ان سے ملنے اور بیان لینے گئے۔ارباب صاحب کے پاس اور بھی لوگ بیٹھے تھے۔صفدر صاحب کا جب کسی نے ارباب صاحب سے تعارف کرایا کہ آپ اے پی پی کے نمائندے ہیں۔اس پر ارباب صاحب نے فوراً کہا "ہوا کرے، پرواہ نہیں" اور ارباب صاحب نے کوئی توجہ نہیں دی۔ مسٹر صفدر کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔اور انھوں نے ارباب صاحب کے قریبی حلقوں سے شکایت کی کہ ایسا ہوا ہے۔اس پر ارباب صاحب سے کسی نے پوچھا۔آپ سے اے پی پی کا نمائندہ ملنے آیا تھا اور وہ آپ کا بیان لینا چاہتا تھا کہ آپ ایڈوائزر بنے ہیں، بلوچستان کے لیے کیا کریں گے، مگر آپ نے کوئی توجہ نہیں دی۔ یہ سن کر ارباب صاحب نے جواب دیا، ہاں ایک نوجوان آیا تو تھا اور کسی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ فقیرا پی کا نمائندہ ہے۔میں نے کہا "ہوا کرے پرواہ نہیں" اس پر ارباب صاحب کو بتایا گیا کہ وہ فقیرا پی کا نمائندہ نہیں، اے پی پی (نیوز ایجنسی) کا نمائندہ تھا جو آپ کا بیان لینے کے لیے آیا تھا۔

نہ اخبار نہ چندہ

جب سردار نور محمد گولہ نئے نئے ایڈیٹر بنے تو انھوں نے ایک دن پریس کانفرنس بلائی۔ اخبار نویسوں اور اخباری نمائندوں کا تعارف ہوتے ہوئے اے پی پی کے نمائندے کی باری آئی۔ یہ سن کر نور محمد خان گولہ مرحوم بولے۔ بھائی آپ کا اخبار میرے پاس کبھی نہیں آیا اور نہ کبھی آپ چندہ لینے کے لیے آئے۔ اس پر قہقہہ پڑا۔اور پھر انھیں سمجھایا گیا کہ اے پی پی کسی اخبار کا نام نہیں، وہ تو خبر رساں ایجنسی ہے۔

لیجئے چندہ بیس روپے

سردار شیر محمد رند، ایک سادہ ،محبّ وطن اور مخلص سردار تھے۔ان سے جب کوئی اخبار نویس ملنے جاتا تو وہ بڑے خوش ہوتے اور اپنے پاس بٹھاتے۔حال پوچھنے کے بعد کہتے ،آپ نے اخبار کا چندہ نہیں لیا، یہ لیجئے بیس روپے۔ پھر باتوں میں مصروف ہو جاتے۔ پاس بیٹھے لوگوں سے دو چار باتیں کرتے پھر اخبار نویس کی طرف متوجہ ہوتے "اوہ سائیں! آپ اپنے اخبار کا چندہ لینے نہیں آئے۔وڑی یہ بیان لکھیں۔اور یہ لیں اپنے اخبار کا چندہ بیس روپے "اور پھر باتوں میں لگ جاتے اور پھر چندہ دیتے۔ ایک اخبار نویس نے بتایا کہ سردار صاحب سے اس نے اسی طرح تین مرتبہ چندہ لیا اور ایک اور صحافی ان سے بھی سبقت لے گیا۔اور اس نے صبح سے شام تک سات مرتبہ بیس بیس روپے چندہ لیا۔

آقا! کارِشما تمام شد؟

پاک ایران سرحد کے تعین کے سلسلے میں ایرانی مندوبین ایران سے بذریعہ طیارہ کوئٹہ پہنچے۔ان کے قائد آقائے جہاں بانی تھے۔اخبار نویس ہوائی اڈے پر پہنچے۔ آئے جہاں بانی سے بات چیت کرتے ہوئے ایک صحافی نے ان سے فارسی میں پوچھا" آقا! کارشما تمام شد؟(آقا آپ مرگئے)اس پر زوردار قہقہہ پڑا۔اور صحافی نے اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے کہا" مقصد من ایں بود کہ کارشما مکمل شد یا نہ"۔

باقاعدہ پروانہ بھیجا

ایک مرتبہ ایک پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے ای اے سی سے کہا کہ اخبار والوں کو بلاؤ، انھیں کچھ باتیں بتانی ہیں۔اس پر ای اے سی صاحب نے تحصیلدار سے کہا کہ پروانہ لکھ کر اخبار نویسوں کو بلاؤ۔تحصیلدار نے باقاعدہ پروانہ لکھا:۔

"ہرگاہ کہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کا حکم ہے کہ تم مسمی (صحافی کا نام) فلاں تاریخ کو، بوقت فلاں، پولیٹیکل ایجنٹ کے سامنے اصالتاً پیش ہو۔

میرے دستخطوں سے جاری ہوا۔تحصیلدار کی مہر اور جب اخبار نویسوں کو یہ پروانہ پہنچا تو وہ بڑے جز بز ہوئے۔بات ہی ایسی تھی۔اور جب اخبار نویس پولیٹیکل ایجنٹ سے ملے تو انھوں نے شدید احتجاج کیا کہ یہ کیا طریقہ ہے اخبار نویسوں کو بلانے کا۔آپ کی تو عدالتی کاروائی میں بھی ملزم اور مجرم کہہ کر پکارنا چاہیے۔چہ جائیکہ اخبار نویسوں کو پروانہ لکھ کر اس طرح طلب کیا۔اس پر پولیٹیکل ایجنٹ نے اخباروں نویسوں سے معافی مانگی اور ای اے سی اور تحصیلدار کو تنبیہہ کی کہ آئندہ اخبار نویسوں کو اس طرح پروانہ نہ لکھا جائے۔

نوٹسوں کا سلسلہ

انجمن اسلامیہ بلوچستان پر خاکساروں کا قبضہ تھا۔قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ نے اس انجمن پر قبضہ کر لیا اور مسلم لیگیوں نے عہدے سنبھالے تو اسلامیہ ہائی اسکول کی حالت کافی خراب تھی ۔اس کی خراب حالت کے متعلق " خورشید " ہفتہ وار میں ایک شذرہ نما خبر شائع ہوئی جس میں ہفت روزہ " پکار " کا بھی کچھ ذکر تھا۔اور اس زمانے میں پکار بھی آج کی طرح خاکسار تھا۔چنانچہ " خورشید " میں شائع شدہ خبر کو ہتک

آمیز سمجھ کر مسٹر عبدالکریم بٹ نے فضل احمد غازی کو ایڈیٹر "خورشید" کو ہتک عزت کا نوٹس دیا اور معافی مانگنے کا مطالبہ کیا۔ مگر فضل احمد غازی نے معافی نہ مانگی۔ ادھر نوٹسوں کا سلسلہ نہ ٹوٹا اور اس کی یاد دہانی ہوتی رہی اور اس طرح تقریباً ایک سال گذر گیا۔ خدا جانے یہ سلسلہ کب تک جاری رہتا اگر فضل احمد غازی نظر بند اور "خورشید" بند نہ ہوتا۔ فضل احمد غازی نے بتایا کہ میں نے جیل میں بھی نوٹس کا انتظار کیا مگر نوٹس نہ ملا۔

ایڈیٹر "جنگ" پر مقدمہ

بلوچستان پریس کے خان محمد اکبر خان اچکزئی نے ایک مرتبہ روزنامہ "جنگ" کراچی کے مالک اور مدیر میر خلیل الرحمان صاحب پر ایک خبر کی اشاعت پر، جو اکبر خان پریس کے خلاف جنگ میں چھپ گئی تھی، دعویٰ دائر کر دیا۔ وہ خبر روزنامہ جنگ کے نمائندہ مقیم کوئٹہ نے تو بھیجی نہ تھی۔ اور پہلے تو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ جنگ میں کس ذریعے سے پہنچی اور کیسے چھپی۔ چنانچہ میر خلیل الرحمان اور میر حبیب الرحمان صاحبان کو دو مرتبہ کوئٹہ آنا پڑا۔ دوسری مرتبہ جب وہ کوئٹہ آئے تو اپنے ساتھ کراچی کے ایک روزنامے کا پرچہ لائے جس میں وہی خبر جو جنگ میں ایک کالمی چھوٹی سے چھپی تھی، کراچی کے اس پرچے میں پہلے صفحے پر سات کالمی شہ سرخی سے چھپی ہوئی تھی۔ میر خلیل الرحمان صاحب نے محمد اکبر خان اچکزئی سے کہا کہ آپ سے ہمیں کوئی دشمنی تھی اور نہ اب ہے اور کوئی وجہ مخاصمت بھی نہیں ہے، اور نہ ہمارے نمائندے نے یہ خبر بھیجی۔ اس اخبار سے یہ خبر لی گئی ہے۔ اور جنگ میں اس کی اشاعت سے جو تکلیف آپ کو پہنچی ہے اس پر ہمیں افسوس ہے۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالکریم ایڈیٹر "میزان"، خان عبدالغفور خان درانی اور کمال الدین احمد نمائندہ "جنگ" نے محمد اکبر خان اچکزئی سے مصالحت کی کوشش کی۔ اور محمد اکبر خان

اچکزئی نے اپنی روایتی فراخدلی سے مصالحت پر آمادگی ظاہر کی۔ مقدمہ واپس لے لیا اور راضی نامہ ہو گیا۔ پھر عبدالغفور خان درانی نے میر خلیل الرحمان اور میر حبیب الرحمان اور محمد اکبر خان اچکزئی کے اعزاز میں ایک دعوت دی جس میں کوئٹہ بیشتر صحافی بھی مدعو تھے۔ اس مصالحت پر تمام لوگوں اور صحافیوں نے میر خلیل الرحمان اور محمد اکبر خان کے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کی تعریف کی۔

نادانستہ غلطی

بعض اوقات نادانستہ طور پر صحافیوں سے بڑی سنگین غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ ہوا یوں کہ راقم الحروف ان دنوں ہفتہ وار " میزان " کا مدیر معاون تھا۔ ارباب کرم خان بلوچستان ایڈوائزری کونسل کے ایڈوائزر مقرر ہوئے۔ " میزان " میں ان کا بلاک چھپنا تھا۔ چنانچہ اور بلاکوں کے ساتھ ان کے بلاک کو ترتیب دے کر پریس بھیج دیا۔ بلاک اخبار میں چھپ گئے اور اخبار پوسٹ بھی کر دیا گیا۔ اس کے ایک دن بعد پتہ چلا کہ ارباب کرم خان کے بلاک کی جگہ دیوان بہادر رتن چند کا بلاک چھپ گیا ہے۔ یہ دیکھ کر " میزان " کا عملہ بہت گھبرایا اور پریشان ہوا کہ یہ بلاک کہاں سے آیا اور کس طرح چھپ گیا۔ بلاک کے الٹا چھپ جانے، کسی خبر کے کاپی جوڑتے وقت الٹا چسپاں ہو جانے کے واقعات ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر یہ واقعہ بڑا ہی سنگین تھا۔ مگر ارباب کرم خان نے فراخدلی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ کوئی بات نہیں، انسان سے ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ چنانچہ معذرت شائع کی گئی اور معاملہ ختم ہو گیا۔ لیکن آج تک یہ معمہ حل نہ ہو سکا کہ دیوان بہادر رتن چند کا بلاک کہاں سے آیا اور ارباب کرم خان کا بلاک کہاں گیا۔ یہ معمہ ہنوز حل طلب ہے اور شاید کبھی حل نہ ہو سکے۔

سردار جی کتھے جانا اے

قلات ڈویژن کے دو اخبار نویس کے اپنے قبائلی لباس کا بہت احترام ہے۔ اور وہ ہر جگہ اور ہر تقریب میں اسی لباس میں جانا پسند کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو ذرا پنجابی میں بات کرنے کا بھی بہت شوق ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں صحافی اپنے قبائلی لباس میں لاہور ریلوے اسٹیشن سے باہر نکلے اور سامان تانگے میں رکھوا کر بیٹھ گئے۔ پنجابی بولنے کے شائق صحافی نے تانگہ والے سے کہا:۔

چل یار لے چل!

بلوچی پہناوے اور اس پنجابی زبان کے فقرے سے تانگہ والے نے اندازہ کچھ یوں لگایا اور بولا:۔

سردار جی! کتھے جانا اے؟

سورن سنگھ کون تھا؟

ایک روزنامے کے ایک پلپے بیک ایڈیٹر شیخ طاہر کے پاس پہنچے۔ اور بولے کوئی خبر بتاؤ؟ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ اعلانِ تاشقند کے بعد دونوں ملکوں کے لیڈر واپس آ چکے تھے۔ اور سورن سنگھ بھارت کے وزیر خارجہ نے کشمیر کے بارے میں "اٹوٹ انگ" کا دہلی میں نعرہ لگایا تھا۔ شیخ طاہر نے حسبِ عادت مذاق سے کہا "سورن سنگھ مر گیا" پلپے بیک ایڈیٹر تعجب سے بولا "ہیں سورن سنگھ مر گیا۔ میں تو اس کے خلاف ابھی اداریہ چھپنے کے لیے دے کر آیا ہوں" ساتھ ہی پلپے بیک ایڈیٹر نے ٹیلی فون اٹھایا اور اپنے دفتر والوں سے کہا کہ "اخبار روک لو۔ سورن سنگھ مر گیا۔ اس کی خبر جائے گی۔" اس کے جواب میں دوسری طرف سے پوچھا گیا "اخبار تو روک لیں گے مگر یہ تو بتاؤ کہ سورن سنگھ تھا کون؟"

اداریہ کا تعطیل

مستونگ کے ایک اخبار کے ایڈیٹر دورے پر تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں ایک اشتہار آیا جو آدھے صفحے کا تھا۔ کاتب نے اخبار کے پہلے اور چوتھے صفحے پر اشتہار کا چربہ لگا دیا اور دوسرے اور تیسرے صفحے کے درمیان اس نے اخبار کا نام، تاریخ اور شمارہ وغیرہ لکھا۔ اور ایک کونے میں جلی حروف میں لکھا "اداریہ کا تعطیل" اور اس سرخی کے نیچے لکھا کہ چونکہ ہمارا ایڈیٹر صاحب دورے پر ہے اور ہمارا علاقہ بھی خطرناک ہے اس لیے شمارے میں سوائے اشتہار کے آپ لوگوں کو کچھ نہیں بھیجا (شائع) جا سکتا۔ آپ کا جنرل منیجر (کاتب کا نام) آج اداریہ کا چھٹی ہے۔

تردید ہی نہ کر سکیں گے

کوئٹہ کے ایک بڑے وکیل کے پاس ایک صحافی پہنچے اور ان سے کہا، آپ مہربانی کر کے اپنا ایک فوٹو دے دیں۔ وکیل نے پوچھا کیا کریں گے آپ میرے فوٹو کا۔ صحافی نے کہا کہ اخبار میں چھاپنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ جب کبھی آپ کا کوئی بیان چھاپنا ہو گا اس کے ساتھ آپ کی تصویر بھی چھپ جایا کرے گی۔ وکیل صاحب بولے۔ جب میں بیان دوں گا تب ہی چھپے گا نا! اگر میں بیان نہ دوں تو کیسے چھپے گا۔ اور مجھے بتائے بغیر تم نے چھاپا تو میں اس کی تردید کر دوں گا۔ یہ سن کر صحافی نے جواب دیا۔ آپ کا جو بیان میں چھاپوں گا وہ ایسا ہو گا جس کی آپ تردید ہی نہ کر سکیں گے۔

درستی ناممکن

ایک دن مستونگ کے ایک صحافی کوئٹہ آئے اور بولے میرے اخبار کا کاتب چلا گیا ہے اور اب ایک کم عمر کاتب میرا اخبار لکھتا ہے۔مگر وہ اس قدر غلطیاں کرتا ہے کہ جن کا کوئی حساب نہیں۔میں نے مجبوراًاور تنگ ہو کر اس کاتب سے کہہ دیا ہے کہ مجبوری امر ہے۔آپ صرف اخبار کی تاریخ اشاعت،شمارہ اور جلد نمبر درست لکھ دیا کریں۔باقی اغلاط کی پرواہ نہیں۔کیوں کہ وہ اس قدر ہوتی ہیں کہ ان کی درستی کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

کمشنر لندن ڈویژن

ایک شام ایک ہوٹل میں کمشنر قلات ڈویژن میر عجم خان نے کوئٹہ و قلات کے صحافیوں کو دعوت عشائیہ دی۔باتوں باتوں میں ایک صحافی نے کمشنر سے کہا"جناب آپ کو مبارک ہو" کمشنر صاحب کچھ متعجب ہو کر بولے" کس بات کی مبارکباد دے رہے ہیں"اخبار نویس نے کہا"جناب آپ لندن ڈویژن کے کمشنر ہو گئے ہیں۔" کمشنر نے پوچھا وہ کس طرح،میں سمجھا نہیں"اس پر اخبار نویس نے کہا"جناب یہاں کے ایک روزنامے میں ایک خبر چھپی ہے جس کی ڈیٹ لائن ہے"لندن..... جنوری..... کمشنر لندن ڈویژن...... الخ۔اور یہ خبر کمشنر قلات ڈویژن یعنی آپ کے متعلق ہے۔"اس پر ایک زوردار قہقہہ ہال میں گونجا۔

تقریب کا بائیکاٹ، چائے کا نہیں

خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کی حیثیت سے کوئٹہ آئے تو کوئٹہ میونسپلٹی نے ٹاؤن ہال میں قائداعظم کی تصویر کی نقاب کشائی کی تقریب منعقد کی۔ صحافیوں کی نشستیں سٹیج سے دور حاضرین کے پیچھے اور ایسی جگہ تھیں جہاں سے وہ نہ دیکھ سکتے تھے، نہ سن سکتے تھے۔ انھوں نے یہ صورت دیکھ کر تقریب کا بائیکاٹ کر دیا اور تمام صحافی ہال سے احتجاجاً باہر نکل آئے۔ اور ایک ہوٹل میں جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک معمر صحافی بولے اب تقریب تو ختم ہو گئی ہو گی۔ چلو چائے پیئیں، اس پر کسی نے کہا بائیکاٹ کیوں کیا تھا۔ معمر صحافی نے فوراً جواب دیا۔ تقریب کا بائیکاٹ کیا ہے، چائے کا تو نہیں۔

نمائندہ گویا نادان تھا

حسن محمود بحیثیت وزیر کوئٹہ آئے تو عبدالصمد خان درانی نے جو اس وقت نوائے وقت کے نمائندے تھے کہا کہ پی این ای سی کے اجلاس منعقدہ بہاولپور میں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ حسن محمود نے کہا کہ ہاں۔ اس وقت میں نے راشدی اور الطاف حسین کو آپس میں لڑا دیا تھا۔ اور ان میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اس واقعہ کو خبر بنا کر عبدالصمد خان درانی نے "نوائے وقت" کو بھیج دی۔ خبر چھپی اور اس پر اخبار نے اداریہ لکھ ڈالا اور جب حسن محمود کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے کہا کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ گویا نمائندہ "نوائے وقت" نادان تھا جو ان کا مطلب نہ سمجھ سکا۔

معذرت پوٹ میں

سردار بہادر خان اے جی جی کوئٹہ ہو کر آنے والے تھے۔ اور انھوں نے بولان میل سے آنا تھا۔ کوئٹہ کے ایک ہفت روزہ اخبار نے ان کے استقبال کا حال پہلے ہی چھاپ لیا۔ ان کے اخبار کی شہ سرخی اور خبر سردار بہادر خان کے استقبال کے متعلق ہی تھی۔ انھوں نے لکھا تھا کہ کوئٹہ کے شہریوں، معززین، ممبران شاہی جرگہ سول اور ملٹری کے افسران اور ہزاروں لوگوں نے اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا۔ انھیں ہار پہنائے گئے اور قبائلی سرداروں اور افسران سے ان کا تعارف کرایا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایڈیٹر کو صبح پتہ چلا کہ سردار بہادر خان نہیں آ رہے۔ ایڈیٹر نے اخبار کے دوسرے صفحے کی پوٹ میں لکھا "ہمیں افسوس ہے کہ سردار بہادر خان جو آج صبح بولان میل سے آنے والے تھے، آج نہیں آ رہے ہیں۔ پہلے صفحے کی بڑی سرخی کی خبر کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں" اور یہ اخبار باقاعدہ شائع ہوا۔

قومی مسائل

سردی کا موسم تھا۔ صبح صبح "نوائے وقت" کے نمائندے عبدالصمد خان درانی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے سردی سے ہانپتے باہر آئے تو دیکھا کہ مولوی ابراہیم خلیل دروازے پر کھڑے ہیں۔ عبدالصمد خان درانی نے پوچھا، خیر تو ہے، اس بے وقت کیسے آنا ہوا کہ میری نیند بھی خراب کر دی۔ مولوی ابراہیم نے کہا "قومی مسائل پر بات چیت کرنے آیا ہوں" یہ سن کر عبدالصمد درانی نے انھیں خوب سنائیں اور کہا کہ یہ کوئی وقت ہے۔ بات دراصل یہ تھی کہ پریس کلب کے انتخابات تھے اور عبدالصمد خان درانی صدارت کے امیدوار تھے۔ مولوی ابراہیم اسی سلسلے میں ووٹ مانگنے آئے

تھے۔مگرسننی پڑیں جلی کٹی۔اس کے بعد درانی صاحب کے گھرنہیں گئے اور ووٹ بھی درانی صاحب کے خلاف دیا۔

کشمیر کے فرزند

مشتاق احمد گورمانی مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔وہ کوئٹہ آئے تو ایک صحافی نے اپنے فرزند کو یہ کہہ کر ان کے سامنے پیش کیا،"یہ ہے آپ کا غلام زادہ"معاً پیچھے کھڑے ہوئے صحافیوں میں سے ایک نے کہا"میں سمجھا کشمیر کے لیے اپنے فرزند کو پیش کرنے لگے ہیں۔"

امتحان اور اداریہ

ایک ہفتہ وار کے ایڈیٹران دنوں طالب علم تھے اور امتحان دے رہے تھے۔ انھوں نے اداریہ لکھا جو مختصر تھا۔اس کے آخر میں انھوں نے یہ فقرہ لکھا،"چونکہ کل ہمارا اقتصادیات کا پرچہ ہے اس لیے ہم اپنے ایڈیٹوریل کو یہاں ختم کرتے ہیں"۔

مرغا بنادوں گا

ایک ہفتہ وار اخبار میں ایک ڈاکٹر کے خلاف یہ خبر شائع ہوئی کہ انھیں انجکشن لگانا بھی نہیں آتا۔سب انسپکٹر پولیس نے اس کے ایڈیٹر اور اس کے اسسٹنٹ کو بلوچستان سیفٹی قوانین کے تحت تھانے بلایا اور کہا سچ سچ بتاؤ یہ خبر کس نے لکھی ہے ورنہ میں "مرغا" بنادوں گا۔مگر پیشتر اس کے کہ کسی کو مرغا بنایا جاتا کالج کے پرنسپل نے بیچ بچاؤ کر کے معاملہ ختم کرادیا۔

رعب بندوق میں

عید کی شام کو کچھ صحافی کہیں جا رہے تھے۔ان کے ساتھ مسٹر فضل احمد غازی بھی تھے۔ایک آدمی کو سڑک کے کنارے کھڑے دیکھا تو فضل احمد غازی کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی۔انھوں نے اس سے پوچھا کہ " کیا کسی کی تلاش میں ہو"اس نے جواب دیا،"میں تو ایسے ہی کھڑا ہوں " مگر ہم تو تلاش میں ہیں"غازی نے جواب دیا۔اور ساتھ ہی پوچھا"آپ کام کیا کرتے ہیں"۔ اس نے جواب دیا"میں پولیس میں ہوں"۔غازی نے پوچھا"آپ وردی میں نہیں ہیں"تو اس نے کہا کہ "ایسے ہی باہر نکل آیا ہوں اور وردی صندوق میں رکھ آیا ہوں"اس پر غازی نے کہا"بڑے عجیب آدمی ہو اپنا"رعب"صندوق میں رکھ آئے ہو اور یہاں ایسے ہی کھڑے ہو"۔

مارشل لا کا ناجائز استعمال

امین الدین میڈیکل اسکول میں طلبا نے ہڑتال کر دی۔قاضی نور الحق خان نمائندہ پاکستان ٹائمز نے ہڑتال کی خبر تار سے بھیجی تو اس وقت کے پولیٹیکل ایجنٹ نے وہ خبر رکوا دی اور قاضی صاحب کو اپنے دفتر بلا کر ڈانٹا۔اس توہین آمیز رویئے پر تمام صحافیوں نے احتجاج کرتے ہوئے پولیٹیکل ایجنٹ کے خلاف مذمت کی قرارداد منظور کی۔انھیں پتہ چلا تو بڑے گرم اور تیز ہوئے مگر بس نہ چل سکا۔کچھ دن بعد مارشل لا (۱۹۵۸ء) نافذ ہوا تو پولیٹیکل ایجنٹ نے صحافیوں کے صدر سے کہا۔اب مارشل لا لگا ہوا ہے اور حالات دوسرے ہیں۔میں کام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک صحافی اپنی قرارداد واپس نہ لیں۔ورنہ میں مارشل لا کے قواعد کے کاروائی کروں گا۔یہ پہلی ناجائز دھمکی تھی جو مارشل لا

کے نفاذ کے بعد یہاں کے صحافیوں کو دی گئی۔ صدر اور ایک دو صحافیوں نے آپس میں مشورہ کر کے وہ قرارداد واپس لے کر ایک بہت بڑی غلطی کیوں کی اگر یہ دو تین آدمی قرارداد واپس نہ لیتے تو کیس مارشل لا کورٹ میں جاتا۔ یقیناً صحافی غلطی پر نہیں تھے۔ قصوروار پی اے تھا۔ اور مارشل لاء کورٹ اس کے خلاف فیصلہ دیتا۔ خدا جانے ان دو تین صحافیوں کو پی اے نے کیا ہوا دکھایا کہ انھوں نے باقی صحافیوں سے پوچھے بغیر اس وقت قرارداد واپس لے لی۔ ہر صحافی کو اس واقعہ پر بڑا صدمہ ہوا۔

کہہ کر مکر گئے

سردار بہادر خان بلوچستان کے اے جی جی تھے۔ وہ ڈاکٹر خان صاحب کو اسٹیشن پر رخصت کرنے گئے تھے۔ غلام محمد شاہوانی کی گرفتاری کے خلاف وہیں ایک عرض داشت تمام صحافیوں کے دستخطوں سے سردار بہادر خان کو پیش کی گئی تو انھوں نے کہا اس کا ذمہ دار کون ہے؟ صحافیوں نے کہا کہ ہم سب ہیں۔ اس پر سردار بہادر خان نے انگریزی میں غصے سے کہا "you bloody rats" اور یادداشت پھینک کر چلے گئے۔

اور پھر سردار بہادر خان خواجہ ناظم الدین کے ہمراہ " کونسل " مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے کوئٹہ آئے تو انھوں نے مسٹر یحییٰ بختیار کے بنگلے پر پریس کانفرنس بلائی۔ کچھ صحافی اس واقعے کو بھولے نہیں تھے۔ انھوں نے اسٹیشن کا وہ واقع یاد دلایا تو سردار بہادر خان نے صاف انکار کر دیا کہ میں نے یہ الفاظ ہرگز استعمال نہیں کیے تھے۔ تمام صحافی دل میں یہ سوچ کر خاموش ہو گئے کہ " کرسی سے ہٹنے کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے "۔

نوٹ غائب بٹوہ واپس

یہ بھی ایک دل چسپ واقعہ ہے کہ یہاں ایک ریلوے وزیر دورے پر آئے۔ ان کے اعزاز میں میر نبی بخش خان زہری ایم پی اے نے اپنے بنگلے پر دعوت عشائیہ ترتیب دی جس میں بہت سے مہمانوں کے علاوہ صحافی بھی مدعو تھے۔ایک صحافی اپنی کار میں وہاں گئے۔دعوت میں شامل ہوئے۔

صبح اٹھے اور اپنی کار میں ڈویژنل مسلم لیگ آفس پہنچے اور حقائق معلوم کرنے والی کمیٹی کی کاروائی کی تفصیلات لینے دفتر گئے۔ان کی کار دفتر کے سامنے اور سڑک پر ہار سے آئے ہوئے اور شہریوں کا ایک ہجوم تھا۔صحافی جب کاروائی نوٹ کر کے واپس اپنی کار کے پاس پہنچے تو کار کی سیٹ پر اپنا بٹوہ پڑا ہوا دیکھ کر پریشان ہوئے انھوں نے جلدی سے بٹوہ کھولا کہ اس کا جائزہ لیں مگر بٹوے کے پاس ایک چٹ بھی پڑی تھی صحافی نے وہ چٹ اٹھا کر پڑھی۔جس پر کسی تعلیم یافتہ شخص کے ہاتھ کی تحریر تھی۔

"رات کو جب آپ پر تکلف دعوت میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔آپ کی جیب سے آپ کا بٹوہ گرا اور میں نے اٹھایا۔اور آپ کو پتہ بھی نہیں چلا۔آج یہ بٹوہ واپس کر رہا ہوں کہ اس میں کچھ رسیدیں بھی ہیں جو شاید آپ کے کام کی ہوں۔مگر اس میں جو چیز کام کی تھی وہ میں نے رکھ لی ہے"۔

چٹھی پڑھ کر صحافی نے جلدی سے بٹوہ کھول کر اس کا جائزہ لیا تو واقعی اس میں جو ایک سو روپے کا نوٹ رکھا ہوا تھا، غائب تھا۔مسٹر شمس الحق خان نمائندہ ڈان کئی روز تک منتظر رہے کہ جس نے بٹوہ واپس کیا ہے شاید نوٹ بھی واپس کر دے۔مگر نہ نوٹ واپس آیا نہ اس شخص کا پتہ چلا جس نے نوٹ نکال کر بٹوہ واپس کیا تھا۔

واقفیت کا عالم

طاہر شیخ پنجاب یونیورسٹی سے جرنلزم کے ڈپلوما ہولڈر ہیں اور کئی بڑے بڑے پرچوں میں انھوں نے کام بھی کیا ہے۔کوئٹہ کے اکثر صحافی ان کی پر لطف باتوں سے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ایک دن یہاں کے ایک روز نامے کے پلّے بیک ایڈیٹر کے پاس بیٹھے تھے۔طاہر شیخ نے پوچھا" یہ تو بتاؤ دوسری جنگ عظیم کب ختم ہوئی تھی" پلّے بیک ایڈیٹر کا جواب تھا" ۱۹۴۲ء میں"۔

آخری وزیراعظم

طاہر شیخ کی ایک دن رگِ امتحاں پھر پھڑک اٹھی۔ جو صحافی ان کے پاس آتا،اس سے پوچھتے" پاکستان کا آخری وزیراعظم کون تھا" انھوں نے یہ سوال کئی صحافیوں سے پوچھا۔ یقین جانیے کہ وہ جواب نہ دے سکے۔کوئی فیروز لون کا نام لیتا تو کوئی چوہدری محمد علی اور کوئی چند دیگر کا نام لیتا اور کوئی سہروردی کا۔کوئی یہ نہیں بتا سکا کہ آخری وزیراعظم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان تھے اور پاکستان کے آپ پہلے وزیراعظم تھے جنھوں نے نہ استعفیٰ دیا اور نہ انھیں وزارت سے ہٹایا گیا۔

بس خبر بن گئی

چوہدری محمد علی وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے کوئٹہ تشریف لائے۔ وہ بیمار تھے اور زیارت میں مقیم تھے۔ یہاں کے دو صحافیوں نے ان سے ملنے اور انٹرویو لینے کی کوشش کی۔ مگر انھیں ملنے نہیں دیا گیا۔ ایک نیوز ایجنسی کے نمائندے کو ایجنسی کی طرف سے تار پر تار وصول ہو رہے تھے کہ انٹرویو لو۔ مگر ان سے ملنے کی اجازت ہی نہیں تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ چوہدری عبدالحق جو ان دنوں وزیر خارجہ تھے۔ وہ چوہدری محمد علی سے زیارت میں مل کر آئے۔ وہ سرکٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ دو صحافی ان کے پاس پہنچے۔ چوہدری عبدالحق نے انھیں دیکھتے ہی کہا کہ "میں ابھی ابھی ان سے مل کر آیا ہوں مگر ان کا مستعفی ہونے کا کوئی ارادہ نہیں اور ان کی صحت ٹھیک ہے" یہ سنتے ہی صحافیوں نے کہا "بس خبر بن گئی" اور انھوں نے یہ خبر اپنی نیوز ایجنسی اور اخبار کو بھیج دی۔

کھڑے ہو جاؤ

ایک صحافی کو ایک صنعت کار نے برا بھلا کہا۔ اس مسئلے پر غور و خوض کے لیے صحافیوں کی ایک میٹنگ کیفِ ڈان میں ہوئی۔ صحافی کے بیان کے دوران ایک جہاں دیدہ صحافی آرام سے کرسی پر بیٹھے تھے۔ جب صحافی نے اپنے بیان میں کہا کہ صنعت کار نے برا بھلا کہا۔ یہ سنتے ہی جہاں دیدہ صحافی اوپر اچکے اور دونوں پاؤں کرسی کی سیٹ پر رکھ کر بیٹھتے ہوئے ڈرامائی انداز میں بولے " کھڑے ہو جاؤ۔ اس نے کیا کہا" مولانا کے اس فقرے پر سب صحافی محظوظ ہوتے ہے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہنسی در اصل اس بات پر آئی کے کھڑے ہو جاؤ (بمعنی ٹھہر جائیے) مولانا کا ان دنوں تکیہ کلام تھا۔ اور کرسی پر پاؤں رکھنے کا انداز قہقہہ انگیز تھا۔

ڈیلی گروپ کا تصور

"ملت" گجراتی کے مالک و مدیر (بعد میں حریت کے مالک و ایڈیٹر) مرحوم فخر ماتری پہلی مرتبہ اس خیال سے کوئٹہ آئے کہ یہاں سے روزنامہ اخبار جاری کرنے کے امکانات معلوم کریں۔ کوئٹہ کے صحافیوں نے ان کے اعزاز میں بولان ہوٹل میں ایک استقبالیہ دیا۔ بڑی پر لطف باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ اتنے ہفت روزہ اخبار ہیں کہ اگر روزانہ ایک اخبار چھاپا جائے تو لوگوں کو روزانہ ایک اخبار پڑھنے کے لیے مل جایا کرے۔ چنانچہ بعد میں جو ڈیلی گروپ قائم ہوا۔ اس کا تصور مرحوم فخر ماتری ہی نے پیش کیا تھا۔ اگرچہ ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ سات ہفتہ وار اخباروں کے ایڈیٹر مل کر روزانہ پرچہ نکالیں مگر اس مقصد کو ڈیلی گروپ والوں نے نظر انداز کر دیا اور سب اپنا اپنا اخبار شائع کرتے رہے اور یہی وجہ اس گروپ کی ناکامی کی تھی۔ اگر سات ایڈیٹر مل کر روزانہ پرچہ نکالتے تو وہ ہر لحاظ سے ایک معیاری اخبار ہوتا۔

اچھا تو وہ آپ ہیں؟

ایک مرتبہ وادی بولان کے صحافیوں کی ایک جماعت سوئی گیس کے معائنے کے لیے گئی۔ ان میں یہ صحافی شامل تھے: خلیل الرحمان صدیقی، اعظم علی، معظم علی، مولانا عبداللہ بابائے صحافت، محمد حسن نظامی، ریڈیو کے مسٹر انصاری اور انفارمیشن آفیسر سید اختر شاہ۔ ان دنوں سوئی تھانہ کے انچارج راجہ گلزار تھے۔ ان سے صحافیوں کا تعارف کراتے کراتے ریڈیو پاکستان کے نمائندے کی باری آئی تو تعارف کنندہ نے کہا۔

"اور خدا آپ کا بھلا کرے۔ یہ ہیں پاکستان کے ایڈیٹر کا ریڈیو" یہ سن کر تحصیلدار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو وہ آپ ہیں"

اس پر زور کا قہقہہ بلند ہوا۔

واہ صاحب کمال ہے!

یہاں کے ایک انگریزی اخبار کے ایڈیٹر کو اردو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا۔ اس لیے وہ اردو اخبارات سے نفرت کرتے تھے۔ وہ اکثر جناح روڈ پر بک سٹال میں چلے جاتے اور وہاں انگریزی اخبارات پڑھتے۔ ایک دن وہ ایک اخبار لے کر دکان کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر اسے پڑھنے میں منہمک ہو گئے۔ ایک بجے کے قریب دکاندار نے دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے دکان بند کر کے تالا لگا کر گھر چلا گیا اور اخبار پڑھنے میں منہمک صحافی دکان میں بند ہو گئے۔ چار بجے بک سٹال والے نے آ کر کھولی تو صحافی کو دکان کے اندر دیکھ کر حیران اور پریشان ہوا۔ مگر صحافی یہ کہتے ہوئے

"واہ صاحب کمال ہے۔"

دکان سے باہر نکل گئے۔

پکڑا گیا اور رو پڑا

ایک صحافی قلات گئے۔ وہاں انھیں کسٹمز والوں نے کسی معاملے کی تفتیش کے سلسلے میں روک لیا تو ایک روزنامہ اخبار کے ایڈیٹر نے سرخی لگائی۔

"پکڑا گیا اور رو پڑا"

ایک شخص تہہ بند باندھے سڑک کے کنارے پر درخت پر پتے توڑنے چڑھ گیا تو اس اخبار نویس نے سرخی دی۔

"درخت پر کیوں چڑھا"

سوال معاشقہ، جواب موسم

ملکہ الزبتھ کی بہن مارگریٹ کے ناکام عاشق ہوائی فوج کے گروپ کیپٹن پیٹر ٹاؤن سینڈ کوئٹہ آ نکلے۔ وہ چلتن ہوٹل میں مقیم تھے کہ صحافیوں کو پتہ چلا۔ دو صحافی دس بجے وہاں پہنچے اور تعارفی کارڈ اندر بھجوائے۔ مگر ٹاؤن سینڈ نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ صحافیوں سے نہیں ملنا چاہتے۔ یہ سن کر دونوں صحافیوں وہیں دھرنا مار کر بیٹھ گئے، کہ حضرت لنچ کرنے باہر نکلیں گے تو اس وقت قابو آئیں گے۔ چنانچہ ایک بجے کے قریب ٹاؤن سینڈ باہر نکلے اور وہ دونوں صحافی اس کے پاس پہنچے مگر وہ صحافیوں کے ہر سوال کے جواب میں موسم کی بات کرنے لگ جاتا "دھوپ بہت اچھی ہے۔ یہاں کا موسم بڑا

خوشگوار ہے، وغیرہ۔ چنانچہ باوجود کوشش کے اس نے اپنے معاشقے کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ اس کے پاس سوال معاشقہ کا جواب موسم تھا۔

"مرد ہمیشہ برے ہوتے ہیں"!

دوسرے دن پیٹر ٹاؤن انھی دو صحافیوں کو ڈاک خانے میں ملا۔ وہ ایک فلم لندن بھیجنا چاہتا تھا جس کے بھیجنے میں کچھ مشکل پیش آ رہی تھی۔ ایک صحافی نے اس کا یہ کام کر ادیا۔ اور ٹاؤن سینڈ اس صحافی کے ساتھ دو گھنٹے تک رہا۔ صحافی اسے فوٹو گرافروں کی دکان میں بھی لے گیا کہ کوئی اس کی فوٹو ہی کھینچ لے۔ مگر باوجود اشارے کے ایک بھی فوٹو گرافر نہ سمجھ سکا، اور اس کی فوٹو بھی نہیں کھینچی جا سکی۔ اسی اثناء میں اسے چند عورتیں برقعوں میں ملبوس نظر آئیں۔ اس نے انھیں دیکھ کر حیرانی ظاہر کی۔ اس پر صحافی نے کہا کہ "برا ماننے کی بات نہیں۔ یہ صرف اس لیے کے مرد عورتوں پر بری نگاہ ڈالتے ہیں" یہ سن کر پیٹر ٹاؤن سینڈ نے کہا: (O, yes, it is true, men are always bad) یہ درست ہے کہ مرد ہمیشہ برے ہوتے ہیں، اور ایک ٹھنڈی آہ بھری۔